انوارِاقبال

بشیراحمدڈار

ترتیب وتدوینِ نَو مع حواشی

v v v زیب النساء

مندرجات
پیش لفظ
عرضِ حال
مقدمہ
مخففّات

انوارِاقبال

بشیراحمدڈار

ترتیب وتدوینِ نَومع حواشی
زیب النساء

انوارِ اقبال

مندرجات

پیش لفظ	ممتاز حسن
عرض حال	بشیر احمد ڈار
مقدمہ	زیب النساء
مخففات

۱۔ مضامین

۱)	سودیشی تحریک اور مسلمان
۲)	نبوّت پر نوٹ ۱۔۲ (عکس)
۳)	حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت
۴)	علمِ ظاہر و علمِ باطن
۵)	مسلمانوں کا امتحان

۲۔ بیانات

مذہب و سیاست کا تعلق
۲)	اقبالؔ کی ایک تقریر (جنگ عظیم اوّل کے خاتمے کے بعد پیدا شدہ صورتِ حال پر)
۳)	سائمن کمیشن سے متعلق
۴)	اتحاد کانفرنس کلکتہ سے متعلق

۳۔ دیباچے۔ تقاریظ۔ آرا

دیباچے:
۱)	چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعتوں کے لیے
۲)	تاریخِ ہند
۳)	آئینۂ عجم

تقاریظ اور آرا
۱)	منشی پریم چند ''پریم پچیسی''

۲) رسالہ ''ہمایوں''
۳) شیخ غلام محمد طورؔ ''کلامِ طورؔ''
۴) ناظر الحسن ہوش بلگرامی ''بدیہہ گوئی''
۵) مولوی عبدالرؤف شوقؔ، نظم ''مرقعِ رحمت''
۶) رسالہ ''المعلّم''
۷) حاجی بدرالدین احمد ''فتح قسطنطنیہ''
۸) خواجہ عبدالمجید ''جامعُ اللّغات''
۹) مولوی فتح محمدؔ خان جالندھری ''مصباؔ القواعد''
۱۰) ''لسان الغیب'' اردو شرح دیوانِ حافظؔ
۱۱) جرّاح محمد عاشق ''فنِ جرّاحی کا حیرت انگیز کرشمہ''
۱۲) دواخانہ، حکیم ظفریاب علی
۱۳) کاسموپولیٹن فلم کمپنی کے نام

۴۔ خطوط

مکتوب الیہم اور مکاتیبِ اقبال

۱)	خواجہ غلام الحسنین	۱۹۰۴ء (انگریزی سے)
۲)	خواجہ حسن نظامی	۲۶ /جنوری ۱۹۱۷ء
۳)	ایضاً	۱۱ /جنوری ۱۹۱۸ء
۴)	ایضاً	۲۷ /دسمبر ۱۹۲۲ء
۵)	ثاقب کانپوری	۳۰ /جولائی ۱۹۳۰ء
۶)	خواجہ وصی الدین	۹ /جون ۱۹۳۱ء
۷)	عبدالعلی شوقؔ سندیلوی	۴ /نومبر ۱۹۱۹ء
۸)	ایضاً	۱۹۱۹ء
۹)	ایضاً	۱۹۱۹ء
۱۰)	ایضاً	۱۹۲۰ء

۱۱)	حاجی محمد احمد خاں سیتاپور	۲۹؍مارچ ۱۹۱۹ء	
۱۲)	ایضاً	۲۸؍ستمبر ۱۹۲۰ء	
۱۳)	محمد عبدالسلام سلیم	۱۵؍نومبر ۱۹۳۰ء	
۱۴)	عبدالقوی فانی	۲۱؍مئی ۱۹۳۲ء (انگریزی سے)	
۱۵)	اظہر عباس	۸؍نومبر ۱۹۳۵ء	
۱۶)	محمد عبدالرحمٰن شاطر مدراسی	۲۴؍فروری ۱۹۰۵ء	
۱۷)	ایضاً	۲۹؍اگست ۱۹۰۸ء	
۱۸)	مولوی کرم الٰہی صوفی	نومبر ۱۹۱۱ء	
۱۹)	سر اکبر حیدری	۱۹۲۴ء (انگریزی سے)	
۲۰)	محمد دین فوق	۷؍اکتوبر ۱۹۰۴ء (عکس)	
۲۱)	ایضاً	۱۹۰۶ء	(عکس)
۲۲)	ایضاً	۲۹؍اگست ۱۹۰۸ء	(عکس)
۲۳)	ایضاً	۱۱؍مئی ۱۹۰۹ء	ایضاً
۲۴)	ایضاً	۱۹۰۹ء	
۲۵)	ایضاً	۷؍مارچ ۱۹۱۲ء	(عکس)
۲۶)	ایضاً	۲۳؍جولائی ۱۹۱۵	ایضاً
۲۷)	ایضاً	۲۱؍دسمبر ۱۹۱۵ء	ایضاً
۲۸)	ایضاً	۲۳؍دسمبر ۱۹۱۵ء	ایضاً
۲۹)	ایضاً	۲۶؍جولائی ۱۹۱۶ء	ایضاً
۳۰)	ایضاً	۶؍مارچ ۱۹۱۷ء	ایضاً
۳۱)	ایضاً	۸؍جون ۱۹۱۷ء	ایضاً
۳۲)	ایضاً	۱۴؍دسمبر ۱۹۱۸ء	ایضاً
۳۳)	ایضاً	۲۸؍دسمبر ۱۹۱۸ء	ایضاً
۳۴)	ایضاً	۱۹۱۸ء	ایضاً
۳۵)	ایضاً	۱۹۱۸ء	ایضاً

۳۶)	ایضاً	۱۹۰۴ءیا۱۹۰۵ء	
۳۷)	ایضاً	۲۵رفروری۱۹۱۹ء	
۳۸)	ایضاً	۲۷راکتوبر۱۹۲۰ء	
۳۹)	غلام احمد مہجور	۱۲رمارچ۱۹۲۲ء	
۴۰)	محمد دین فوق	۱۹ردسمبر۱۹۲۲ء	
۴۱)	محمد دین فوق	۴رمارچ۱۹۲۳ء	عکس
۴۲)	ایضاً	۳۰رجون۱۹۲۴ء	ایضاً
۴۳)	ایضاً	۵رمئی ۱۹۲۴ء	ایضاً
۴۴)	ایضاً	۳۰راپریل۱۹۲۹ء	ایضاً
۴۵)	ایضاً	۱۶رجنوری۱۹۳۴ء	ایضاً
۴۶)	غلام رسول مہر	۷رستمبر۱۹۲۴	ایضاً
۴۷)	ایضاً	۳۰راپریل۱۹۲۷	ایضاً
۴۸)	ایضاً	۸رمارچ۱۹۲۸ء	ایضاً
۴۹)	ایضاً	۲۸رجولائی۱۹۲۹ء	
۵۰)	ایضاً	۱۹۲۹ء	عکس
۵۱)	ایضاً	۵رستمبر۱۹۲۹ء	ایضاً
۵۲)	ایضاً	یکم دسمبر۱۹۳۰ء	ایضاً
۵۳)	ایضاً	۲۲ردسمبر۱۹۳۰ء	ایضاً
۵۴)	ایضاً	۱۹۳۰ء	ایضاً
۵۵)	ایضاً	۱۰رجولائی۱۹۳۱ء	ایضاً
۵۶)	ایضاً	۲۳رجولائی۱۹۳۱ء	ایضاً
۵۷)	ایضاً	۱۶راگست۱۹۳۱ء	ایضاً
۵۸)	ایضاً	۳۰رجنوری۱۹۳۲ء	ایضاً
۵۹)	ایضاً	۱۹رفروری۱۹۳۲ء	ایضاً
۶۰)	ایضاً	۱۷راگست۱۹۳۲ء	ایضاً

۶۱)	مختار احمد	۲۹دسمبر۱۹۳۲ء	ایضاً
۶۲)	غلام رسول مہر	یکم فروری ۱۹۳۳ء	ایضاً
۶۳)	ایضاً	۲۱/مارچ ۱۹۳۳ء	ایضاً
۶۴)	ایضاً	جنوری ۱۹۳۳ء	ایضاً
۶۵)	ایضاً	مارچ یا جون ۱۹۳۳ء	
۶۶)	ایضاً	۱۶/جون ۱۹۳۳ء	ایضاً
۶۷)	ایضاً	۱۴/اگست ۱۹۳۳ء	
۶۸)	ایضاً	۲/اکتوبر ۱۹۳۳ء	ایضاً
۶۹)	شاکر صدیقی	۷/ستمبر ۱۹۱۲ء	ایضاً
۷۰)	ایضاً	۲۲/جون ۱۹۱۵ء	
۷۱)	ایضاً	۶/جولائی ۱۹۱۵ء	
۷۲)	ایضاً	۱۴/اگست ۱۹۱۵ء	
۷۳)	ایضاً	۱۳/اگست ۱۹۱۵ء	
۷۴)	ایضاً	۲۲/اگست ۱۹۱۵ء	
۷۵)	ایضاً	اکتوبر/نومبر ۱۹۱۵ء	
۷۶)	ایضاً	۲۴/مارچ ۱۹۱۶ء	
۷۷)	ایضاً	۲۴/جون ۱۹۲۴ء	
۷۸)	ایضاً	۲۹/اکتوبر ۱۹۲۹ء	
۷۹)	ایضاً	۲/جون ۱۹۳۱ء	
۸۰)	ڈاکٹر مظفر الدّین قریشی	۳۰/اگست ۱۹۳۲ء	عکس
۸۱)	ایضاً	۲/ستمبر ۱۹۳۶ء	
۸۲)	ایضاً	۵/اکتوبر ۱۹۳۷ء	
۸۳)	ایضاً	۱۶/اکتوبر ۱۹۳۷ء	
۸۴)	ایضاً	۲۵/اکتوبر ۱۹۳۷ء	
۸۵)	ایضاً	۱۸/نومبر ۱۹۳۷ء	

۸۶)	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	۲۷/نومبر ۱۹۳۷ء	عکس
۸۷)	ایضاً	۸/دسمبر ۱۹۳۷ء	ایضاً
۸۸)	ایضاً	۱۳/دسمبر ۱۹۳۷ء	ایضاً
۸۹)	ایضاً	۱۸/دسمبر ۱۹۳۷ء	ایضاً
۹۰)	ایضاً	۳۰/دسمبر ۱۹۳۷ء	ایضاً
۹۱)	ایضاً	۲۲/جنوری ۱۹۳۸ء	
۹۲)	ایضاً	۲۲/جنوری ۱۹۳۸ء	
۹۳)	ایضاً	۳۱/جنوری ۱۹۳۸ء	
۹۴)	ایضاً	۳/فروری ۱۹۳۸ء	عکس
۹۵)	ایضاً	۱۶/فروری ۱۹۳۸ء	ایضاً
۹۶)	ایضاً	۱۸/فروری ۱۹۳۸ء	ایضاً
۹۷)	ایضاً	۲۹/مارچ ۱۹۳۸ء	ایضاً
۹۸)	ایضاً	اپریل ۱۹۳۸ء	
۹۹)	ایضاً	۳۰/مارچ ۱۹۳۸ء	
۱۰۰)	ضیاءالدّین برنی	۱۷/اپریل ۱۹۱۵ء	عکس
۱۰۱)	ایضاً	۲۰/اپریل ۱۹۱۵ء	ایضاً
۱۰۲)	ایضاً	۲۲/مئی ۱۹۱۵ء	ایضاً
۱۰۳)	ایضاً	۳۰/اکتوبر ۱۹۱۵ء	ایضاً
۱۰۴)	ایضاً	۳۱/اگست ۱۹۱۶ء	نامکمل عکس
۱۰۵)	ایضاً	۲۳/دسمبر ۱۹۲۰ء	
۱۰۶)	ایضاً	۱۲/اپریل ۱۹۲۲ء	
۱۰۷)	میر خورشید احمد	۲۵/اگست ۱۹۲۲ء	
۱۰۸)	ایضاً	۱۳/دسمبر ۱۹۲۲ء	
۱۰۹)	ایضاً	۲۶/مئی ۱۹۲۳ء	
۱۱۰)	ایضاً	۳۱/مئی ۱۹۲۳ء	

۱۱۱)	ایضاً	یکم جون۱۹۲۳ء	
۱۱۲)	ایضاً	۲۰/جون۱۹۲۳ء	
۱۱۳)	ایضاً	۲۶/جون۱۹۲۳ء	
۱۱۴)	تمکین کاظمی	۲۶/اگست ۱۹۲۸ء	عکس
۱۱۵)	ایضاً	۴/ستمبر۱۹۲۸ء	
۱۱۶)	ایضاً	۱۸/ستمبر۱۹۲۸ء	ایضاً
۱۱۷)	ڈی مانٹ مورینسی	۷/جولائی ۱۹۲۸ء	
۱۱۸)	منشی سراج دین	۱۱/جولائی۱۹۲۱ء	
۱۱۹)	ایضاً	۱۳/اگست۱۹۲۱ء	
۱۲۰)	ایضاً	۲۰/اپریل۱۹۲۲ء	
۱۲۱)	علاّمہ عبدالرشید طالوتؔ	۱۶/فروری ۱۹۳۸ء	
۱۲۲)	ایضاً	۱۸/فروری ۱۹۳۸ء	
۱۲۳)	ایضاً	مارچ۱۹۳۸ء	
۱۲۴)	شیخ مبارک علی	مارچ/اپریل۱۹۲۳ء	عکس
۱۲۵)	ایضاً	۲۶/اگست۱۹۲۴ء	
۱۲۶)	ایضاً	مارچ/اپریل۱۹۲۳ء	
۱۲۷)	وصل بلگرامی	۱۸/نومبر۱۹۲۵ء	
۱۲۸)	ایضاً	نومبر/دسمبر۱۹۲۵ء	
۱۲۹)	وحید احمد	۴/ستمبر۱۹۱۹ء	
۱۳۰)	ایضاً	۷/ستمبر۱۹۲۱ء	
۱۳۱)	شاہ سلیمان پھلواروی	۲۴/فروری۱۹۱۶ء	
۱۳۲)	ایضاً	۹/مارچ۱۹۱۶ء	
۱۳۳)	شیخ عطاءاللہ	۱۰/اپریل۱۹۰۹ء	
۱۳۴)	ایضاً	۲/جنوری۱۹۲۲ء	
۱۳۵)	میاں عبدالرشید	جون۱۹۳۶ء	عکس

۱۳۶)	میاں عبدالرشید	۲۱/اگست ۱۹۳۶ء	
۱۳۷)	سیّد عبدالواحد معینی	۱۲/ستمبر ۱۹۳۴ء	
۱۳۸)	ایضاً	۱۶/ستمبر ۱۹۳۵ء	
۱۳۹)	ڈاکٹر سیّد یامین ہاشمی	۹/مارچ ۱۹۳۴ء	عکس
۱۴۰)	ایضاً	۳۰/جولائی ۱۹۳۴ء	
۱۴۱)	سید شاہ نظیر احمد ہاشمی غازی پوری	۲۹/جون ۱۹۲۳ء	
۱۴۲)	سید عبدالغنی	۲۰/جولائی ۱۹۲۳ء	
۱۴۳)	سید عشرت حسین	۱۳/ستمبر ۱۹۲۱ء	
۱۴۴)	شفاعت اللہ خان	۲۲/اپریل ۱۹۲۲ء	
۱۴۵)	ضامن نقوی	۱۱/جون ۱۹۲۳ء	
۱۴۶)	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	۶/ستمبر ۱۹۲۵ء	
۱۴۷)	میر حسن الدین	۱۱/جنوری ۱۹۲۷ء	
۱۴۸)	رشید احمد صدیقی	۷/دسمبر ۱۹۲۹ء	
۱۴۹)	خواجہ بشیر احمد	۱۱/اکتوبر ۱۹۲۹ء	
۱۵۰)	سردار رب نواز خان	۲۶/جولائی ۱۹۳۰ء	
۱۵۱)	ڈاکٹر محمد دین تاثیر	۲۲/۱۹۳۵ء	
۱۵۲)	سید مصطفیٰ حسن	۱۷/فروری ۱۹۳۲ء	
۱۵۳)	مولانا محمد عرفان خاں	۵/جولائی ۱۹۳۲ء	عکس
۱۵۴)	خواجہ عبدالوحید	فروری/ مارچ ۱۹۳۳ء	
۱۵۵)	پروفیسر علم الدین سالکؔ	۸/جون ۱۹۳۳ء	
۱۵۶)	مرزا یعقوب بیگ	۱۲/ستمبر ۱۹۳۳ء	
۱۵۷)	نواب بہادر یار جنگ	۱۴/ستمبر ۱۹۳۳ء	عکس
۱۵۸)	نصراللہ خان	۵/اگست ۱۹۳۶ء	عکس
۱۵۹)	نور حسین	۱۷/مارچ ۱۹۳۷ء	عکس
۱۶۰)	ظفر احمد صدیقی	۱۲/دسمبر ۱۹۳۶ء	عکس

۱۶۱)	محمد رمضان	۱۹؍فروری ۱۹۳۷ء	عکس
۱۶۲)	حکیم راغب مراد آبادی	۲۹؍فروری ۱۹۳۷ء	
۱۶۳)	مولوی عبدالحق	۱۵؍مارچ ۱۹۳۸ء	عکس
۱۶۴)	محمد احمد اللہ خان منصور حیدرآبادی	۲۱؍ستمبر ۱۹۳۶ء	
۱۶۵)	فرید احمد	۱۳؍جولائی ۱۹۱۷ء	
۱۶۶)	تلوک چند محروم	۴جنوری ۱۹۰۹ء	
۱۶۷)	سرور شاہ گیلانی	(۱۹۳۶ء)	
۱۶۸)	میر غلام بھیک نیرنگ	۱۳؍اکتوبر ۱۹۲۱ء	
۱۶۹)	ابراہیم حنیف	یکم ستمبر ۱۹۲۲ء	
۱۷۰)	خواجہ عبدالرحیم	۱۷؍جنوری ۱۹۳۲ء	عکس
۱۷۱)	شوکت تھانوی	۲۴؍اگست ۱۹۳۴ء	
۱۷۲)	نجم الغنی رام پوری	۱۴؍دسمبر ۱۹۱۸ء	
۱۷۳)	سید محمد سعید الدین جعفری	۱۳؍اگست ۱۹۲۴ء	عکس
۱۷۴)	عبدالمجید سالک	۱۹۲۷ء	
۱۷۵)	کیپٹن منظور حسن	۸؍جون ۱۹۱۸ء	
۱۷۶)	پروفیسر محمود خان شیرانی	۱۹؍اکتوبر ۱۹۳۳ء	
۱۷۷)	سعید نفیسی	۲۶؍اگست ۱۹۳۲ء	فارسی
۱۷۸)	ایضاً	۴؍نومبر ۱۹۳۲ء	ایضاً
۱۷۹)	مرتضیٰ احمد میکش	یکم فروری ۱۹۳۷ء	عکس
۱۸۰)	مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی	۲؍نومبر ۱۹۱۲ء	
۱۸۱)	ایضاً	۲۵؍جنوری ۱۹۱۵ء	
۱۸۲)	پنڈت امرناتھ مدن ساحر دہلوی	۲۶؍ستمبر ۱۹۳۷ء	
۱۸۳)	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۱۵؍جنوری ۱۹۱۸ء	عکس
۱۸۴)	ایضاً	۸؍اپریل ۱۹۲۰ء	عکس
۱۸۵)	محمد ادریس	۱۲؍جنوری ۱۹۲۲ء	

۱۸۶)	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۱۷رمئی ۱۹۲۲ء	عکس
۱۸۷)	ایضاً	۱۲/اپریل ۱۹۲۵ء	ایضاً
۱۸۸)	ایضاً	۲۰/اپریل ۱۹۲۵ء	ایضاً
۱۸۹)	ایضاً	۲۳/اپریل ۱۹۳۵ء	ایضاً
۱۹۰)	ایضاً	۱۲/نومبر ۱۹۳۵ء	ایضاً
۱۹۱)		۱۳/ستمبر ۱۹۳۶ء	عکس

اقبالؔ کا ابتدائی کلام

۱) علم

۲) ظریفانہ کلام کا ایک قطعہ (ماران غوک خور) اور متفرق اشعار

۳) ''اسرارِ خودی'' کی حکایت ''شیخ و برہمن'' کے چند اشعار

۴) روح الذّہب

۵) بانگِ درا کی نظم ''چاند'' کا ایک شعر

۶) اقبالؔ کی منظومات کے چند اشعار

۷) اکبر الٰہ آبادی کی وفات پر قطعۂ تاریخ اور متفرق اشعار

متفرقات

۱) آئینہ مشاعرہ (مشاعرے کی روداد)

۲) شعر کا مفہوم Å فرد قائم ربطِ ملّت ......

۳) اقبالؔ سے مجید ملک کی ملاقات کا حال

۴) ضمیمہ حالاتِ اقبالؔ (تحریر کردہ: محمد دین فوقؔ)

۵) روداد سفرِ مدارس

۶) روداد پنجاب پروونشل ایجوکیشنل کانفرنس مُرتّبہ: اقبالؔ

ضمیمہ (خطوطِ اقبال)

کتابیات

اشاریہ

پیش لفظ

اقبال کی تقاریظ، خطوط، مضامین اور نادر کلام کا یہ مجموعہ اقبال اکادمی نے مُرتّب کیا ہے۔ اس وقت تک اقبال کے اردو خطوط کے کئی مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پروفیسر شیخ عطاء اللہ کا مُرتّب کردہ 'اقبال نامہ' دو حصوں میں ۱۹۴۴ء اور ۱۹۵۱ء میں چھپا' بزم اقبال لاہور 'مکاتیب اقبال' بنام خان نیاز الدین خاں ۱۹۵۴ء اور اقبال اکادمی کراچی سے 'مکتوبات اقبال' بنام نذیر نیازی ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئے۔ ان سے پہلے ۱۹۴۲ء میں اردو خطوط کا ایک اور مجموعہ 'شاد اقبال' کے نام سے حیدر آباد دکن سے طبع ہوا تھا' اس کے مُرتّب ڈاکٹر محی الدین قادری زور تھے۔ اس میں وہ خطوط جمع کر دیئے گئے تھے جو اقبال نے وقتاً فوقتاً مہاراجا کشن پرشاد شآد مدار المہام سلطنتِ آصفیہ حیدر آباد دکن کو تحریر کیے تھے۔

اقبآل کے اردو مضامین اور مقالات کے بھی دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک مجموعہ 'مضامین اقبال' مُرتّبہ تصدیق حسین تاج تھا جو ۱۹۴۴ء میں حیدر آباد دکن سے چھپا اور دوسرا 'مقالاتِ اقبال' مُرتّبہ سید عبدالواحد معینی ہے جو ۱۹۶۳ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔

نثری تحریروں کے علاوہ اقبال کا کافی کلام ایسا موجود ہے جو ان کے معروف مجموعوں میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے یا ترمیم یافتہ صورت میں شامل ہے۔ ان کے منتشر اور غیر مدوّن کلام کے بھی بعد میں کئی مجموعے شائع ہوئے ہیں جن میں 'باقیاتِ اقبال' اور روزگار فقیر جلد دوم' قابل ذکر ہیں۔

اقبال اکادمی کا موجودہ مجموعہ صرف ان خطوط' مضامین' تقاریظ اور اشعار پر مشتمل ہے جو یا تو سرے سے کہیں شائع ہوئے ہی نہیں یا اگر شائع ہوئے بھی ہیں تو کسی باقاعدہ مجموعے میں شامل نہیں۔

خطوط' مضامین' تقاریظ اور منظومات وغیرہ کے علاوہ اس کتاب میں چند نادر دستاویزات کے عکس بھی شامل ہیں۔ مثلاً اقبآل کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے اشعار اور تحریریں' پنجاب اسمبلی کے انتخابات کے دوران کی ایک یادداشت' مسئلہ نبوت پر تشریحی مکتوبات وغیرہ۔ یہ نوادر پہلی مرتبہ شائع کیے جا رہے ہیں۔

یہ اہم مجموعہ جو اقبالیات میں ایک گراں قدر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے اقبال اکادمی کے

ڈائریکٹر جناب بشیر احمد ڈار نے بڑی کاوش اور تگ و دو کے بعد مُرتّب کیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کی کاوش ان کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ جس محنت اور عرق ریزی سے انھوں نے یہ کام انجام دیا ہے وہ فرائض کی حد سے بہت آگے ہے۔ اقبالؔ اکادمی اس کام کے لئے ڈار صاحب کی ممنون ہے اور مجھے یقین ہے کہ دنیا میں جس جگہ یہ مجموعہ پہنچے گا اقبالؔ کے طالب علم، عقیدت منداور محققین ان کے شکر گزار رہوں گے۔

کراچی۔

۶/اپریل ۱۹۶۷ء — ممتاز حسن

عرضِ حال

اقبالؔ کے اردو خطوط، متفرق تحریروں اور کم یاب منظومات کے کئی مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ ان مجموعوں کے علاوہ اقبال کے بہت سے خطوط، تحریریں، تقریظیں، آراء اور تبصرے مختلف رسائل اور اخبارات میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں۔ یہ بکھرا ہوا قیمتی مواد آج تک کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہو سکا۔ لیکن ریزہ ریزہ چن کر اب تمام منتشر اور نادر تحریروں، نظموں اور خطوط کو زیر نظر کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ تالیف کے وقت پوری کوشش کی گئی تھی کہ کہ کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جائے جو عام مطبوعہ مجموعوں میں آ چکی ہو۔ پھر بھی سہو و خطا کا امکان ہے۔ اگر کوئی اِکاّ دُکاّ ایسی تحریر اس مجموعے میں دوبارہ شامل ہوگئی ہے تو اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

جتنا مواد موجودہ مجموعے میں شامل ہے اس کا بیش تر حصّہ اکادمی میں محفوظ ہے۔ بعض نوادر ایسے بھی ہیں جو ابھی تک غیر شائع شدہ ہیں۔ ان کی عکسی نقول پہلی مُرتبہ اس مجموعے میں شامل کی جا رہی ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

۱) مسئلہ نبوت پر دو تحریریں جو اقبال نے سید نذیر نیازی کو بھیجیں۔

۲) پنجاب کونسل کے انتخابات کے دوران ایک یادداشت

۳) اقبال کے برادر بزرگ شیخ عطاء محمد مرحوم کا ایک خط غلام رسول صاحب مہر کے نام جس کے ساتھ اقبال کی لکھی ہوئی ایک فارسی نظم 'تنہائی' بخطِ مصنف۔

ان کے علاوہ اقبال کے چند ایسے اہم مضامین، بیانات اور تقاریر بھی شامل کتاب ہیں جو اس سے پہلے کسی مجموعے میں موجود نہیں۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں بے شمار رسائل، اخبارات اور کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کا اعتراف و شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ رسائل میں مخزن، زمانہ، صوفی، کارواں، برہان، ماہِ نو، چراغ راہ، کشمیر میگزین، نقوش وغیرہ اور اخبارات میں احسان، جنگ، امروز، انقلاب وغیرہ سے خاص طور پر مدد ملی۔ حواشی و تعلیقات کے سلسلے میں جناب غلام رسول مہؔر اور محّبی محمدّ عبداللہ قریشی نے نہایت مفید مشورے دیئے اور بیش بہا معلومات فراہم کیں۔ اس مخلصانہ امداد و تعاون کے لئے ہم ان کے بہت ممنون ہیں۔ مواد کی فراہمی کے سلسلے میں محترمہ بیگم ڈاکٹر مظفر الدین قریشی کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے کہ انھوں نے از راہِ نوازش اقبال کے وہ تمام اصل خطوط جو ان کے پاس تھے

اکادمی کے سپرد کر دیئے۔ اس سلسلے میں جن اصحاب نے ہاتھ بٹایا ان میں جناب ڈاکٹر وحید قریشی' محّی عبداللہ قریشی' (مدیر ادبی دنیا)' جناب حسن مثنیٰ (مدیر حریت)' جناب شفیق بریلوی (مدیر خاتون پاکستان)' جناب ملک احمد نواز (یونیورسٹی لائبریری لاہور) اور جناب مدبر رضوی (لائبریرین اقبال اکادمی) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ رضوی صاحب نے نہ صرف بڑی تندہی سے مواد کی فراہمی میں مدد دی بلکہ اکثر اوقات اس کے نقل کرنے کی بھی زحمت گوارا کی۔ اس طرح غلام رسول اسسٹنٹ انچارج اقبال اکادمی نے بھی مواد کی تصحیح و ترتیب میں کافی معاونت کی۔ کتاب کی طباعت کے مختلف مرحلوں میں محبی مشفق خواجہ نے کافی رہنمائی کی۔ مُرتّب ان سب کا شکر گزار ہے۔

آخر میں جناب ممتاز حسن کا شکریہ ادا کرنا ہمارا خوشگوار فریضہ ہے جنھوں نے اس کتاب کے سلسلے میں قدم قدم پر نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ ازارہِ عنایت اپنے ذاتی کتب خانے سے استفادہ کا موقع بھی دیا۔ اس کتب خانے میں اقبالیات کا نہایت بیش بہا' نادار اور متنوع ذخیرہ ان کی علمی لگن' خوش ذوقی اور اقبالؔ سے حد درجہ شغف پر دال ہے۔ اس کتاب کے بعض نوادر کے لئے ہم ان کے مرہون منّت ہیں۔

آخر میں قارئین کی خدمت میں ایک معذرت پیش کرنی ہے' یہ کتاب کی ترتیب و تدوین کے بارے میں ہے۔ کتاب کی کتابت شروع کرتے وقت ہمارے پاس مواد مختصر اور محدود تھا اس لئے ذہن میں اس کی ترتیب کا خاکہ بھی موجودہ خاکہ سے مختلف تھا لیکن مزید مواد کی تلاش و جُستجو بہر حال جاری تھی۔ اس محنت کا ثمرہ ہماری توقع سے بڑھ کر نکلا۔ مواد خاصا اکٹھا ہو گیا لیکن پہلا مواد بعد میں دستیاب ہونے والے مواد سے مناسب اور متوازن انداز میں منسلک نہ ہو سکا۔ تدوین کی اس خامی اور ناہمواری کا ہمیں احساس تھا لیکن اس کی خاطر اُن گلہائے رنگ رنگ کو چھوڑنا گوارا نہ ہوا۔ اسی لئے ہم نے انھیں بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ اس کتاب میں آپ کو گلدستے کی ترتیب و تہذیب نہیں ملتی تو نہ سہی لیکن چیدہ چیدہ پھولوں کی لطافت رنگ و بو اور بوقلمونی سے تو بہر کیف بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

کراچی

مارچ ۱۹۶۷ء بشیر احمد ڈار

مقدمہ

''انوارِ اقبال'' علاّمہ اقبال کی تقاریظ، خطوط، مضامین، بیانات اور دیگر تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اب تک اس کتاب کے دو ایڈیشن (پہلا مارچ ۱۹۶۷ء، اقبال اکادمی پاکستان کراچی، دوسرا ۱۹۷۷ء، اقبال اکادمی پاکستان لاہور) شائع ہو چکے ہیں۔ ''انوارِ اقبال'' میں بہ قول مُرتّب: ''چیدہ چیدہ پھولوں کی لطافت، رنگ و بو اور بوقلمونی'' تو ہے مگر: 'گلدستے کی ترتیب و تہذیب نہیں''، چنانچہ تدوین کی یہی ناہمواری اور بے ترتیبی سنجیدہ قاری کو کھٹکتی ہے۔ مُرتّب نے کتاب کی ترتیب یوں قائم کی ہے:

۱) تقاریظ اور مضامین
۲) خطوط
۳) متفرق خطوط
۴) روداد سفرِ مدراس
۵) بزمِ آخر (تقاریظ، خطوط، مضامین، بیانات، اقبال کا ابتدائی کلام)۔

۱) ''تقاریظ اور مضامین'' کے عنوان پر نمبر شمار نہیں ہے۔ اس عنوان کے تحت اصولی طور پر خطوط شامل نہیں ہونے چاہئیں تھے، لیکن اس حصے میں کچھ خطوط ایسے بھی ہیں، جن کو مُرتّب نے فہرست میں شمار نہیں کیا، مثلاً: خط بنام خواجہ حسن نظامی (ص:۴)، بنام ثاقب کانپوری (ص:۵) بنام عزیز الدین عزیز لکھنوی (ص:۶-۹) اور کچھ خطوط ایسے ہیں جنھیں فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ ''آئینہ مشاعرہ'' (ص:۱۸، ۱۹) میں اقبال کے تعارف کو اس حصے میں شامل کرنے کے بجائے متفرق تحریروں میں شمار کرنا چاہیے تھا۔ مزید ایک شعر: (فرد قائم ربطِ ملت......) کا مفہوم، فہرست میں شامل نہیں ہے، لیکن اس حصے میں شامل ہے۔

۲) خطوط کے زیرِ عنوان فوق کی ایک تحریر (حالاتِ زندگی) دی گئی ہے۔ اس کا اس حصے میں شامل کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

۳) ''متفرق خطوط'' کا عنوان غیر ضروری ہے، دراصل دوسرا اور تیسرا دونوں حصے خطوط پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا ایک عنوان ہی کافی تھا۔ ''عکس'' (ص:۱۶) کے زیرِ عنوان مہر کے نام خط ص:۱۰۳، عکس: ۱۰۵) کے عکس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ عکسِ نظم 'بسوہ دار' اور 'مالوی' ص:۳۰۶ کے

بجائے ص:۶۲ (خط بنام فوقؔ ۲۳ردسمبر ۱۵ء) پر ہونا چاہیے تھا کیونکہ خط میں ''ریویو'' کا ذکر ہے' مزید اس نظم کا متن بھی خط میں شامل نہیں کیا گیا۔

''انوارِ اقبالؔ'' کی ترتیب وتدوینِ نو کی تحریک مجھے ایم۔فِل (اقبالیات) کے دوران ہوئی' جب مجھے'انوار اقبال' کے خطوط پر حواشی وتعلیقات کے موضوع پر مقالہ لکھنے کا موقع ملا۔'انوار اقبال' میں اصل مآ خذ کی کمی بری طرح کھٹکتی ہے۔ چنانچہ دورانِ تحقیق بار ہا اس دشواری کا سامنا کرنا پڑا کہ متن کی صحیح صورت کیا ہے؟ یا کیا ہوسکتی ہے؟مُرتّب نے حواشی کا اہتمام ضروری کیا ہے لیکن بہت سے تفصیل طلب نکات تشنہ رہ گئے ہیں اور حواشی کی کمی جگہ جگہ محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ'انوار اقبال' کی ترتیب وتدوینِ نو میں جہاں بنیادی مآ خذ (خطوں کے عکوس) سے استفادہ کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے' وہاں متون میں شامل شخصیات' مقامات اور دیگر اہم امور پر تعلیقات وحواشی درج کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔اگر'انوار' میں درج حواشی سے استفادہ کیا گیا ہے تو قوسین میں ''ب۔ا۔ڈار'' لکھا گیا ہے تا کہ پتا چل سکے کہ متذکرہ حاشیہ بشیر احمد ڈار نے مُرتّب کیا ہے۔

''انوارِ اقبال'' کی ترتیبِ نو میں ابواب بندی یوں کی گئی ہے:

۱) مضامین
۲) بیانات
۳) دیباچے' تقاریظ' آرا
۴) خطوط
۵) اقبال کا ابتدائی کلام
۶) متفرقات

۱) اقبالؔ کے علمی اور مذہبی مضامین کو اس حصّے میں شامل کیا گیا ہے' تا کہ ان مضامین کا ایک مجموعی تاثر ابھر سکے۔ان پر حواشی بھی دیے گئے ہیں اور ان مضامین کی دیگر اشاعتوں کا حوالہ بھی۔متن کی تصحیح کرنے کی بھی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔''نبوت پر نوٹ'' کا عکس'انوار اقبال' میں شامل تھا لیکن نقلِ متن میں مُرتّب نے عکس کو مدنظر نہیں رکھا۔اس لیے چند سطریں متن میں شامل ہونے سے رہ گئیں' ترتیبِ نَو میں اصل متن کا تعین کر کے'انوار اقبال' کے متن کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

۲) 'بیانات': اس حصّے میں علاّ مہ اقبال کی تقریر اور بیانات کو شامل کیا گیا ہے۔

۳) ''دیباچے، تقاریظ اور آرا'' کے تحت علاّمہ اقبالؔ کے دیباچے اور آرا شامل ہیں، تاہم ایسی تقاریظ اور آرا جو باقاعدہ تقریظ یا رائے کے زُمرے میں نہیں آتیں بلکہ کسی خط کا حصّہ ہیں۔ انھیں اس حصّے میں شامل نیں کیا گیا اور خطوط کی ذیل میں رکھا گیا ہے۔ مثلاً و
خواجہ غلام الحسنین کی ترجمہ شدہ کتاب ''ایجوکیشن'' (انوار،ص:۲) پر اقبال کی رائے خط کی صورت میں ہے، 'انوار'' میں اس خط کی چند سطریں شامل ہیں۔ اب مکمل خط، خطوط کے حصّے میں درج کیا گیا ہے، اسی طرح عبدالرحمٰن شاطرؔ کے قصیدے ''اعجازِ عشق'' (انوار، ص:۱۷، ۱۸) پر دونوں تقریظیں، دومختلف خطوط کا حصّہ ہیں، اس لیے انھیں بھی خطوط میں شمار کیا گیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی کی کتاب ''قرآن آسان قاعدہ'' (انوار۲:۲۸۳) پر رائے بھی باقاعدہ رائے نہیں بلکہ خط کی چند سطریں ہیں۔ لہٰذا اسے، اس حصّے میں شامل نہیں کیا گیا۔

۴) خطوط: ''انوارِ اقبالؔ'' میں ۱۹۱ خطوط شامل ہیں، ان مکاتیب کو مُرتّب کرنے اور ان پر حواشی لکھنے سے قبل، ان کے متن کی تصحیح ضروری تھی کیونکہ مُرتّب نے خطوط کے اصل متن اور عکس کی نشان دہی نہیں کی، ترتیب نو میں خطوط کا ان کے عکوس کے ذریعے موازنہ کر کے متن کی تصحیح کی گئی ہے۔ ''انوار'' کے مُرتّب نے نقلِ متن میں تساہل سے کام لیا ہے، کئی خطوط کے سنین غلط ہیں، کئی خط بلا تاریخ ہیں، بعض کی تاریخ داخلی شواہد سے متعین کی جا سکتی تھی مگر مُرتّب نے اس کا تردد نہیں کیا۔ اصل متن میں بعض جگہ تبدیلی کر دی اور اضافہ شدہ الفاظ کی وضاحت نہیں کی۔ ترتیبِ نو میں 'انوار' کے متن کی اغلاط درست کر دی گئی ہیں اور اس ضمن میں درج ذیل تصحیحات اختیار کی گئی ہیں۔

(i) ''انوار'' کے خطوط چونکہ مختلف مکتوب الیہم کے نام ہیں، اس لیے نقلِ متن سے قبل مکتوب الیہ کے مختصر مگر جامع سوانحی حالات، اہم تصانیف اور اقبال سے تعلق کی نوعیت واضح کی گئی ہے۔ مکتوب الیہ کے تعارف کے بعد خط کا نمبر شمار دیا گیا ہے۔

(ii) مُرتّب کے نقل کردہ خطوط کو اصل کے مطابق کرنے میں کہیں کہیں تبدیلیاں کرنا پڑی ہیں، متن سے اختلاف کی صورت میں، متن میں رومن ہندسوں (i ii iii) سے نشان دہی کر کے ''تحقیقِ متن'' کے زیرِ عنوان 'انوار' کا اختلافی متن درج کر دیا گیا ہے۔

(iii) ''انوار'' کے ترتیب نو میں خطوط کی وہی ترتیب برقرار رکھی گئی ہے، جو 'انوار' میں تھی، ماسوا دو خط بنام خواجہ حسن نظامی (ص:۱۸۴۔۱۸۶، ۲۸۳) کے، ان خطوط کو خواجہ حسن نظامی کے نام خط، ص:۴ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے تاکہ ایک مکتوب الیہ کے نام خطوط، ایک جگہ پر درج ہو جائیں

تاہم ضمیمے میں ان خطوط کی سنہ وار فہرست مُرتّب کی گئی ہے۔
(iv) بعض الفاظ اصل خطوط میں سہواً رہ گئے‘ ترتیبِ نو میں انھیں قلّا بین میں لکھا گیا ہے۔
(v) ’’انوار‘‘ میں شامل بلا تاریخ‘ قیاسی تاریخ یا غلط سنین کے خطوط کی‘ عکس یا داخلی شواہد کے ذریعے صحیح تاریخ تحریر کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
(vi) تاریخِ تحریر‘ اگر خط کے آغاز میں ہے تو اسے آغاز ہی میں رہنے دیا ہے‘ اور آخر میں ہے تو اسے آخر ہی میں درج کیا ہے۔ سنہ تحریر اگر مختصر مثلاً ’’۲۹ء‘‘ ہے تو اسے ’’۱۹۲۹ء‘‘ نہیں بنایا گیا۔
(vii) پیراگراف اصل متن کے مطابق بنائے گئے ہیں۔
(viii) متن میں حتّی الامکان رموزِ اوقاف کا اہتمام کیا گیا ہے۔
(ix) خطوط کے متن میں اشعار کی تصحیح کے لیے ’’کلیّاتِ اقبال‘‘ اردو‘ (لاہور ۱۹۷۳ء)‘ ’’کلیّاتِ اقبال‘ فارسی‘‘ (۱۹۷۳ء) اور ’’باقیاتِ اقبال‘‘ (طبع دوم ۱۹۶۶ء) سے مدد لی گئی ہے۔
(x) خطوط میں جن آیات یا اشعار کا حوالہ آیا ہے‘ ان پر اعراب لگا دیے گئے ہیں اور آیات کے حوالے بھی دیے ہیں۔
(xi) اصل خطوط کے متن میں مرّوجہ املا اختیار کیا گیا ہے۔ اصولِ املا کے سلسلے میں‘ بیشتر رشید حسن خان کے اصولوں سے استفادہ کیا گیا ہے‘ جن کی تائید ’’اُردو املا‘‘ سے بھی ہوتی ہے۔
(xii) لفظ ’محمدؐ‘ پر صَلَی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم‘‘ کا مخفف ’’ص‘‘ لکھنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔
(xiii) ہر خط طاق صفحے پر شروع ہوتا ہے۔ حتّی الوسع اس کے بالمقابل جفت صفحے پر اصل خط کا عکس دیا گیا ہے تاکہ متن خوانی میں‘ موازنہ کرنے میں آسانی ہو۔

’’انوار‘‘ کی ترتیب و تدوین نو میں حواشی اور تعلیقات کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے چنانچہ:
(i) حواشی و تعلیقات کے لیے ہندسے (۱ ۲ ۳) استعمال کیے ہیں اور یہ علامات متن کے اندر ہی دی گئی ہیں۔
(ii) متن کے کسی اہم نکتے کی وضاحت‘ متن میں زیرِ موضُوع شخصیات کا تعارف اور اقبالؔ سے اس کے تعلق کی نوعیت‘ مقامات کی تفصیل اور دیگر امور کی وضاحت کے لیے مقدوُر بھر لوازمہ فراہم کیا گیا ہے۔
(iii) ہر حاشیے کے آخر میں مآخذ کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔
(iv) حواشی کی عبارتوں کے حوالے مصنفین کے نام سے دیے گئے ہیں اور کتابیات بھی مصنفین کے

نام کی الفبائی ترتیب سے مُرتّب کی گئی ہیں۔

''انوارِ اقبال'' میں چودہ ایسے مکاتیب موجود ہیں' جن کا ذکر فہرست میں نہیں ہے' مثلاً: بنام خواجہ حسن نظامی (ص:۴)' ثاقب کانپوری (ص:۵)' خواجہ وصی الدین (ص:۶)' شوق سندیلوی (ص:۹)' حاجی محمد احمد (ص:۱۱) عبدالقوی فانی (ص:۱۵)' سلیم ہزاروی (ص:۱۵)' اظہر عباس (ص:۱۶)' مولوی کرم الٰہی صوفی (ص:۱۶) سراکبر حیدری (ص:۳۲)' غلام احمد مہجور (ص:۷۰)' مختار احمد (ص:۱۰۰)' نجم الغنی رام پوری (ص:۲۸۴)' محمد ادریس (ص:۳۱۶)' ''انوار'' کی ترتیبِ نَو میں خطوط کی ایک فہرست مُرتّب کی گئی ہے اور جن خطوط کے عکس دستیاب ہو سکے ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

''انوارِ اقبال'' کے مُرتّب نے: ''تالیف کے وقت پوری کوشش کی...... کہ کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جائے جو عام مطبوعہ مجموعوں میں آ چکی ہے''۔(ص:۸)' مگر اس ''کوشش'' کے باوجود بعض مدوّن خطوط بھی ''انوار'' میں شامل ہو گئے ہیں۔ میر حسن الدین کے نام خط (ص:۲۰۱) اقبال نامہ' دوم (ص:۱۰۰) میں' ظفر احمد صدیقی (ص:۲۱۷ تا ۲۲۰) مع عکس' اقبال نامہ اوّل (ص:۳۰۵)' محمد رمضان (ص:۲۲۳) کے نام خط مع عکسی نقل' اقبال نامہ اوّل (ص:۳۳۸) میں اور محمود شیرانی کے نام خط (ص:۲۸۸) اقبال نامہ۔ دوم (ص:۳۵۱) میں شامل ہیں۔ ''انوار'' کی ترتیبِ نو میں خطوط کے اس متن کو ترجیح دی گئی ہے جو نسبتاً اصل کے قریب ہے' خواہ وہ خطوط' مکاتیبِ اقبال کے کسی اور مجموعے میں شامل ہی کیوں نہ ہوں' مثلاً محمد عبدالقوی فانیؔ' عبدالرحمٰن شاطرؔ' تلوک چند محرومؔ اور سردار رب نواز ڈیرہ کے نام خط ''خطوطِ اقبال'' میں بہتر متن کے ساتھ موجود ہیں۔ اسی طرح ''انوار'' میں شامل خط (ص:۱۵۷) تمکین کاظمی کے نام نہیں تھا بلکہ ڈی مانٹ مورینسی کے نام تھا۔ یہ خط پہلے ہی ''اقبال نامہ اوّل'' ص: ''ط'' پر شائع ہو چکا تھا۔

خطوط بنام محمد دین فوقؔ' ص:۵۲ تا ۷۷'' ،''اقبالیاتِ محمد دین فوقؔ'' مقالہ ایم۔فِل (اقبالیات)' مقالہ نگار: افتخار احمد' ص:۲۳۱ تا ۲۸۳ (غیر مطبوعہ) میں مع عکسی نقول اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ شامل ہیں۔ مقالہ نگا کے نزدیک دو خطوط (انوار' ص:۵۲ تا ۵۹ اور ص:۶۲) فوقؔ کے نام نہیں ہیں۔ اوّل الذکر ان کے بہ قول ایک مراسلہ ہے جو ''کشمیری میگزین'' میں اشاعت کی غرض سے بھیجا گیا' ثانی الذکر خط میں ''مکرم بندہ'' کے القاب استعمال کیے گئے ہیں اور اقبالؔ' فوقؔ کو ''مکرم بندہ'' کہہ کر مخاطب نہیں کرتے تھے گویا اس خط کا مکتوب الیہ کوئی اور ہے۔ تاہم

مذکورہ خطوط کے بارے میں یہ دلائل مستند نہیں، قیاسی ہیں کیونکہ ''کشمیری میگزین'' میں ارسال کیے گئے مراسلے میں ''برادرِ مکرم ومعظم'' کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے، جو ہماری دانست میں فوق ہیں۔ثانی الذکر خط محض ''القاب کی اجنبیت کی وجہ سے مسترد نہیں کیا جا سکتا، مزید یہ کہ خط میں جس ''مولوی محمد دین صاحب'' کو سلام کہا گیا ہے وہ فوق نہیں بلکہ مدیر ''صوفی'' (مولوی محمد دین) بھی ہو سکتے ہیں۔

''انوار'' کے صفحات ۱۶۴، ۱۷۵ پر دو خطوط (ص:۱۷۵تا۱۷۷) سے پہلے یہ نوٹ دیا گیا ہے:

> ''ان خطوط کے مکتوالیہ جناب وحید احمد مدیر ''نقیب'' (بدایوں) ہیں۔ یہ رسالہ پہلے ۱۹۱۹ء میں جاری ہوا اور کچھ عرصے کے بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء میں دوبارہ جاری ہوا۔ اقبال نامہ، حصّہ اوّل (ص:۴۲۵۔۴۲۸) میں یہی خطوط عشرت رحمانی کے نام سے درج ہیں لیکن بہ قول جناب عابد رضا بیدار یہ خطوط وحید احمد کو لکھے گئے تھے جیسا کہ تیسرے خط کی آخری سطر سے ظاہر ہوتا ہے (دیکھئے: اقبال نامہ۔ حصّہ اوّل ص:۴۲۸): ''معلوم نہیں کون سا شعر آپ کے پاس امانت ہے۔ بہتر ہے چھاپ دیجئے''۔

اس نوٹ کی روشنی میں، اس کے بعد دیے گئے خطوط پر نظر ڈالیں، تو وہ تین نہیں، صرف دو خطوط ہیں۔ مُبیّنہ طور پر تیسرا خط، جس کی آخری سطر یہاں نقل کی گئی ہے، ''انوار'' میں نہیں ملتا۔ ''اقبال نامۂ اوّل (ص:۴۲۵۔۴۲۸) کے تین خطوط ''انوار'' کے زیرِ بحث دو خطوں (ص:۱۷۵۔۱۷۷) سے یکسر مختلف ہیں، البتہ یہ جُملہ: ''معلوم نہیں کون سا شعر آپ کے پاس امانت ہے، بہتر ہے چھاپ دیجئے''۔ ''اقبال نامۂ اوّل'' (ص:۴۲۷) میں عشرت رحمانی کے نام تیسرے خط کی آخری سطر ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب لکھتے ہیں (تصانیف اقبال، ص:۲۴۵، ۲۴۶) کہ قیاس ہے ''انوار'' کا جو مُسوّدہ بشیر احمد ڈار نے تیار کیا تھا، اس نوٹ کے معاً بعد، اس کے کچھ اوراق ضائع ہو گئے، یا کتابت شدہ اوراق کہیں گُم ہو گئے، مندرجہ بالا نوٹ کے بعد وحید احمد مدیر نقیب کے نام تین خط انھی اوراق میں تھے، باقی دو خطوط رہ گئے، جو ص:۱۷۵۔۱۷۷ پر منقول ہیں۔ پہلے خط کے ایک جملے (نقیب کے لیے دو تین اشعار حاضر ہیں) سے واضح ہے کہ مکتوب الیہ وحید احمد مدیر ''نقیب'' ہیں۔ دوسرے خطوط کا متن پیش کرتے ہوئے، اکبر علی خاں نے

وضاحت کی ہے کہ یہ خط مولانا وحید احمد مدیر ''نقیب'' کے نام ہے۔

''انوار'' میں بعض مقامات پر الفاظ حذف کر دیے گئے اور بعض مقامات پر بلا وجہ نقطے ڈال دیے گئے' مثلاً بنام سید عشرت حسین (ص ۱۹۶) ''لاہور......۱۳ر ستمبر ۲۱ء'' یہاں نقطے ڈالنے کا کوئی جواز نہ تھا...... بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (ص:۲۰۰)' جملہ ہے:''باقی موضوعِ گفتگو کے متعلق اگر......سرِ دست اجتہاد نہیں''۔ یہ جملہ میری دانست میں مکمل ہے۔(عکس میں یہ نقطے نہیں ہیں)۔اس لیے نقطوں کی قطعاً ضرورت نہ تھی...... بنام ظفر احمد صدیقی (ص ۲۱۷) کا جملہ ہے: ''معترض......قرآنِ کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہے''۔ یہاں محذوف حصّے کی کوئی وضاحت نہیں' یہ جملہ کچھ یوں ہے:

''معترض قادیانی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہے''۔''انوار'' کی ترتیبِ نو میں اس نوعیت کے حذف واضافے کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اصل متن میں جملوں کی ترتیب کو جُوں کا تُوں برقرار رہنا چاہیے۔ جملے میں روانی پیدا کرنے کے لیے الفاظ میں ردوبدل مناسب نہیں' ''انوار'' اس نوعیت کی کئی مثالیں موجود ہیں: خط بنام فوق ص:۶۵ پر جملہ ہے:''ان کے حالات کا پہلے علم نہ تھا ورنہ آپ ان کی سفارش نہ کرتے''۔ اصل متن (عکس) میں یہ جملہ اس طرح ہے:''پہلے حالات منشی قمرالدین کے معلوم نہ تھے جب آپ نے سفارشی خط لکھا''۔ خط بنام فوق (ص:۲۷) میں ایک جگہ جملہ یوں ہے:''اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے''۔ جبکہ عکس میں یہ جملہ اس طرح ہے:''اصل کے متعلق میں نے جو کچھ اپنے''۔ رشید احمد صدیقی کے نام خط (ص:۲۰۲) کے آغاز میں ہے:''میری ناقص رائے میں''اصل متن میں یوں ہے''میری رائے ناقص میں''۔

''انوار'' کی ترتیبِ نو میں نقلِ متن میں مروّج املا اختیار کیا ہے تاکہ متن خوانی میں دقّت نہ ہو اور الفاظ نامانوس معلوم نہ ہوں۔ علّامہ اقبال نے خطوں میں جہاں کہیں بھی لفظ ''میرا''، ''میری'' یا ''میرے'' استعمال کیا ہے' اسے بغیر نقطوں کے لکھا ہے' ہم نے اسے نقطوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ خطوں میں جہاں کہیں ہائے مختصی کا استعمال ہوا ہے' اسے دوچشمی ''ھ'' میں بدل دیا ہے' جیسے ''جنہوں'' کو ''جنھوں'' میں، ''لکہیں'' کو لکھیں میں۔ اسی طرح ''فرماویں'' کو ''فرمائیں''، ''جاویں'' کو جائیں''، ''لاویں'' کو ''لائیں'' میں بدل دیا ہے۔ جو الفاظ ملا کر لکھے گئے ہیں۔ انھیں علیحدہ علیحدہ لکھا ہے۔ مثلاً فرمائینگے'' (فرمائیں گے)' ''دینگے'' (دیں گے)'

’’جسپر‘‘ (جس پر)‘ ’’کسقدر‘‘ (کس قدر)‘ ’’اس لیۓ‘‘(اس لیے)، ’’آ پکی‘‘ (آپ کی)، ’’دیئے‘‘(دیے)، ’’ارادۃً‘‘(ارادتاً)، ’’آئندہ‘‘(آیندہ)، ’’پہونچ‘‘(پہنچ)۔

’’انوار‘‘ میں بعض الفاظ مرتّب نے نقل نویسی میں نظر انداز کر دیے ہیں۔ شاید اس لیے کہ ان کے نہ ہونے سے جملے کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا‘ اس کے باوجود متن کے کسی ایک لفظ کو بھی ترک کرنے کا جواز نہیں بنتا‘ مثلاً:

”	XX...]çÞ]ZZ	D < ÓÂE àjÚØ ‘]
۷۵	تسلیم کے سوا کوئی	تسلیم کے سوا اور کوئی
۹۷	چودھری سے	چودھری صاحب سے
۱۲۱	چونکہ حکیم صاحب	چونکہ اب حکیم صاحب
۱۲۱	قریباً چار ہیں	قریباً چار بجے ہیں
۱۲۲	سونے کا کشتہ میرے لیے	سونے کے کشتے کا استعمال میرے لیے
۱۳۱	بلغم بند ہو جائے	بلغم اگر بند ہو جائے
۱۳۴	مَیں اس عطیے کو	مَیں ان کے اس عطیے کو
۱۳۵	اَچھی طرح جانتا ہوں	اَچھّی طرح سے جانتا ہوں
۱۳۸	میں نے تین شکایات	مَیں نے اپنی تین شکایات
۱۳۹	جن کو لکھنا	جن کو میں لکھنا
۱۴۵	کچھ نہ ہوگا‘ آپ	کچھ نہ ہوگا کہ آپ
۱۵۴	عربی شعر جناب	عربی شعر کو جناب
۱۸۷	یہ چھوٹا رسالہ	یہ چھوٹا سا رسالہ
۲۰۰	اپنی سہولت اوقات کو	اپنی سہولت اور اوقات کو
۲۰۲	شعر میں ’’بادیہ پیمائی‘‘	شعر میں لفظ ’’بادیہ پیمائی‘‘
۲۰۸	کہ مونجے	کہ ڈاکٹر مونجے
۲۰۸	کہ مولانا شوکت علی صاحب	کہ میں نے مولانا شوکت علی صاحب
۲۰۹	افسوس ہے کہ	افسوس کہ
۲۱۲	آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا	اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا

۲۴۶ کتاب جو آپ نے ارسال کی تھی مل گئی کتاب جو آپ نے ارسال کی تھی مل گئی تھی!

تحریر میں جب کسی بات کی طرف خصوصی توجہ دلانا مقصود ہوتو اسے نسبتاً جلی انداز میں لکھا جاتا ہے' پھر اسے خط کشیدہ کیا جاتا ہے۔''انوار'' میں ایسی باتوں کا خیال نہیں رکھا گیا' مثلاً: خط بنام سید شاہ نظیر احمد ہاشمی (ص:۱۹۴' ۱۹۵) میں ایک جملہ کشیدہ ہے: ''میرے خط کا حوالہ دے دیجئے''۔غرض ''انوار'' کی ترتیبِ نَو میں ان مکاتیب کو بہتر اور جدید انداز میں مُرتّب کرنے کی کوشش کی گئی ہے' اور نقل نویسی میں حتّٰی الوسع احتیاط برتی گئی ہے۔

۵۔اقبال کے ابتدائی حالات:

اس حصّے میں اقبالؔ کا ابتدائی کلام شامل ہے۔مُرتّب کے بہ قول: ''کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسی چیز درج نہ کی جائے جو ان مجموعوں میں آ چکی ہو'' لیکن اس حصّے میں مُرتّب کی اس ''کوشش'' کے باوجود کچھ ایسے اشعار شامل ہو گئے ہیں' جو پہلے ہی سے کسی نہ کسی مجموعے میں موجود تھے چنانچہ ایسے اشعار کی وضاحت اس حصّے میں کر دی گئی ہے۔نظم ''شمعِ ہستی'' اقبالؔ کی نہیں' بلکہ اسماعیل میرٹھی کی ہے' لہٰذا اسے ترتیبِ نَو میں شامل نہیں کیا گیا۔

۶۔متفرقات:

اس عنوان کے تحت علاّمہ اقبال کی ایسی تحریریں جمع کر دی گئی ہیں' جو مضمون' تقریظ' دیباچے اور خط کی ذیل میں نہیں آتیں۔متفرقات ہی میں محمد دین فوقؔ کا مضمون ''حالاتِ اقبال'' شامل کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ ''انوار'' کا جدید ایڈیشن مُرتّب کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے تاہم یہ بات اظہر مِنَ الشّمس ہے کہ تحقیق و تدوین میں کوئی کلیّہ' قاعدہ اور ضابطہ حرفِ آخر نہیں ہو سکتا' وقت کے ساتھ ساتھ معیارات کے سانچے بدلتے رہتے ہیں لہٰذا ترمیم و اضافے کی گنجائش ہر وقت رہتی ہے۔امید ہے میری یہ ادنیٰ کاوش تحقیق و تدوین کے جدید معیار پر' کسی حد تک ضرور پورا اترے گی۔

''انوار'' کا زیرِ نظر کام شاید ابھی تشنۂ تکمیل رہتا' اگر استادِ محترم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کی سرزنش اور بار بار یاد دہانی ''تازیانے'' کا کام نہ کرتی۔اگرچہ استادِ محترم اور ''تازیانہ'' دو

متضاد چیزیں ہیں کیونکہ اپنی زندگی میں شاید ہی انھوں نے کبھی ''تازیانہ نما'' اندازِ گفتگو اور رویّہ اختیار کیا ہو' لیکن اس کام میں ہونے والی تاخیر اور تساہل نے انھیں دھیمے سروں میں سرزنش کرنے پر مجبور کر دیا...... میں تہ دل سے ان کی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود زیرِنظر کام کو تکمیل کے مراحل تک پہنچانے میں بھرپور تعاون کیا۔

اسی طرح محترم ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن صاحب' محترم ڈاکٹر صابر کلوروی صاحب' محترم ڈاکٹر منیر احمد سلیچ صاحب کی حد درجہ ممنون ہوں کہ ان کی مدد و اعانت نے تحقیق و تدوین کے بوجھل کام کو آسان اور دلچسپ بنا دیا......آخر میں اہل خانہ (خیر النساء' صائمہ' بشریٰ اور اِرم بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے یکسوئی سے کام کرنے کے مواقع فراہم کیے۔

زیب النساء
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
گورنمنٹ کالج برائے خواتین باغبانپورہ لاہور
۳۱/اگست ۲۰۰۰ء

مخفّفات

انوارِ اقبال	انوار
اقبال نامہ، حصّہ اوّل	اقبال نامہ، اوّل
اقبال نامہ، حصّہ دوم	اقبال نامہ، دوم
تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ	تصانیفِ اقبال
مطالعۂ تلمیحات و اشاراتِ اقبال	مطالعۂ تلمیحات
کلیّاتِ مکاتیبِ اقبالؔ، جلد اوّل	کلیّاتِ مکاتیب، اوّل
کلیّاتِ مکاتیبِ اقبالؔ، جلد دوم	کلیّاتِ مکاتیب، دوم
کلیّاتِ مکاتیبِ اقبالؔ، جلد سوم	کلیّاتِ مکاتیب، سوم
کلیّاتِ مکاتیبِ اقبالؔ، جلد چہارم	کلیّاتِ مکاتیب، چہارم
کلیّاتِ اقبال، اردو	کلیّات، اردو
کلیّاتِ اقبال، فارسی	کلیّات، فارسی
اشاریۂ مکاتیبِ اقبالؔ	اشاریۂ مکاتیب

☆☆☆

مضامین

سودیشی تحریک و مسلمان

''زمانہ''[1] (کانپور) کے ایڈیٹر نے ۱۹۰۶ء کے آغاز میں سودیشی تحریک[2] کے متعلق چند سوالات مُرتّب کیے اور ان کو مختلف مسلمان مفکرین' ادیب اور سیاسی رہنماؤں کے پاس بھیجا۔ یہ سوالات اپریل ۱۹۰۴ء کے شمارے میں شائع کیے گئے۔ سوالات یہ تھے۔

۱) سودیشی تحریک بذات خود ملک کی ترقّی کے لئے کہاں تک مفید ہے اور اس تحریک کے نشیب و فراز' نفع و نقصان اور عمل درآمد کے متعلق آپ کی مفصل رائے کیا ہے۔

۲) اس تحریک میں ہندوستان کے اتفاق کی کہاں تک ضرورت ہے؟ خاص مسلمانوں کے لئے اس سے کوئی نفع یا نقصان پہنچنے کی کہاں تک امید ہے؟

۳) اس تحریک کی کامیابی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے اور اس کی کامیابی کا ہندو مسلمانوں پر جداگانہ اور ملک پر بہ حیثیت مجموعی کیا اثر ہوگا؟

اقبال کا جواب جو انھوں نے کیمبرج سے بھیجا تھا مئی ۱۹۰۶ء کے شمارے میں یوں شائع کیا گیا ہے:

از جناب پروفیسر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے!

از کیمبرج

۱) سودیشی تحریک ہندوستان کے لیے کیا ہر ملک کے لیے' جس کے اقتصادی اور سیاسی حالات ہندوستان کی طرح ہوں مفید ہے۔ کوئی ملک اپنے سیاسی حقوق کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ پہلے اس کے اقتصادی حالات درست نہ ہو جائیں۔ ہمارے اہل الرائے سیاسی آزادی سیاسی آزادی پکارتے ہیں مگر کوئی شخص اس باریک اصول کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ سیاسی آزادی کے شرائط میں سب سے بڑی شرط کسی ملک کا اقتصادی دوڑ میں سبقت لے جانا ہے۔ جہاں تک کہ اس کا جغرافی مقام اور دیگر قدرتی اسباب اس کے ممد ہوں۔ سیاسی آزادی کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ بغیر دام دیئے مل جائے۔ انگلستان کی سرزمین کے ہر ذرّے میں ان لوگوں کا خون چمکتا ہوا نظر آتا ہے جنھوں نے سیاسی حقوق کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ باغیوں کی طرح نہیں بلکہ ان لوگوں کی طرح جن کے دلوں میں اپنے وطن کے قانون اور اس کے رسوم کی عزت

ہوتی ہے اور جو اپنے گراں قدر خون کے قطرے قانون کی تائید میں بہاتے ہیں نہ اس کی تردید اور مخالفت میں۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ جو قوم خود آزادی کی دلدادہ ہو وہ اوروں کی آزادی کو رشک کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی اور انگریزوں کی معاشرت دیکھ کر بھی میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ہاں ہم لوگوں میں اس کی قابلیت ہونا ضروری ہے اور اس قابلیت کے پیدا ہونے کا سب سے بڑا سبب جیسا کہ میں نے اوپر اشارہ کیا ہے اقتصادی قوانین کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے جس کی طرف خوش قسمتی سے اب اہل وطن کو توجہ ہوئی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بے وجہ جوش ہماری آرزو کو تاریک کر دیتا ہے اور ہم اس جوش میں ایسے طفلانہ حرکات کر دیتے ہیں جس کا مفید اثر کچھ نہیں ہوتا اور جن کا نقصان دیرپا ہوتا ہے بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ امریکا اور جرمن کی چیزیں خریدو مگر انگلستان کی چیزوں کو ہندوستان کے بازاروں سے خارج کر دو۔ مجھ کو تو اس کا اقتصادی فائدہ کچھ نظر نہیں آتا بلکہ اگر انسانی فطرت کے محرکات پر غور کرو تو اس میں سراسر نقصان ہے۔ اس طریق عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان سے ہم کو سخت نفرت ہے نہ یہ کہ ہم کو ہندوستان سے محبت ہے۔ اپنے وطن کی محبت کسی غیر ملک؟ کے مستلزم نہیں ہے۔ علاوہ اس کے اقتصادی لحاظ سے اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ مغربی خیالات اور تعلیم کی اشاعت سے اب ہماری ضرورتوں کا احاطہ وسیع ہو گیا ہے اور اسی میں سے بعض اس قسم کے ہیں کہ سر دست ہمارا اپنا ملک ان کو پورا نہیں کر سکتا۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ اس طفلانہ فعل سے سوائے اس کے کہ حکام کو خواہ مخواہ بدظن کیا جائے اور کیا فائدہ ہے۔ قطع نظر ان تمام باتوں کے ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ ہمارا ملک بعض حوالی خصوصیات اور دیگر قدرتی اسباب کے عمل کی وجہ سے ان کو ارزاں نرخ پر تیار ہی نہیں کر سکتا۔ اس بات کی کوشش کرنا کہ ہماری ساری ضرورتیں اپنے ملک کی خصوصیات سے پوری ہو جایا کریں سراسر جنون ہے۔ واقعات کے لحاظ سے دیکھو تو یہ بات کسی ملک کو نہ اب نصیب ہے اور نہ ہو سکتی ہے اور اگر یہ بات ممکن بھی ہو جائے تو اس میں میرے خیال میں بجائے فائدہ کے نقصان ہے جس کی مفصل تشریح اس مقام پر نہیں ہو سکتی۔ سودیشی تحریک کو عملی صورت دینے کے لئے میری رائے میں ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

(ا) وہ کون سی مصنوعات ہیں جو اس وقت ملک میں تیار ہو رہی ہیں اور ان کی کمیّت اور کیفیت کیا ہے۔

(ب) وہ کون سی مصنوعات ہیں جو پہلے تیار ہوتی تھیں اور اب تیار نہیں ہوتیں۔

(ج) وہ کون کون سی مصنوعات ہیں جن کو ہم خصوصیت سے عمدہ اورارزاں تیار کر سکتے ہیں۔
(د) ملک کے صوبوں یا دیگر قدرتی حصص کے لحاظ سے وہ کون کون سے مقام ہیں جو بعض اسباب کی وجہ سے خاص خاص مصنوعات کے لئے موزوں ہیں۔

ا) تخمیناً کس قدر سرمایہ زیورات وغیرہ کی صورت میں ملک میں معطل پڑا ہے اور اس کو استعمال میں لانے کے لیے کیا وسائل اختیار کئے جائیں۔ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر عملی کام شروع کرنا چاہیے۔ضرور ہے کہ ابتدا میں ناکامی کا سامنا بھی ہو مگر کوئی بڑا کام سوائے قربانی کے نہیں ہوا۔کسی ملک کے اقتصادی حالات کا درست ہونا تھوڑے عرصے کا کام نہیں ہے'اس میں صدیوں کی ضرورت ہے۔ہم نقصان اٹھائیں گے تو ہماری آئندہ نسلیں فائدہ اٹھائیں گی۔علاوہ اس کے مشترک سرمایہ کی جماعتیں نہایت مفید ثابت ہوں گی خصوصاً ہمارے ملک میں جہاں کے لوگ کم سرمایہ رکھتے ہیں۔سرمایہ کے بہتر نتائج اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اس کی مقدار بڑی ہو۔مگر عملی لحاظ سے کامیاب ہونے کے لیے سب سے بڑی ضرورت اصلاحِ اخلاق کی ہے۔ لوگوں کو ایک دوسرے پر اعتبار کرنا سکھاؤ'ان کے اسراف عادت پر نکتہ چینی کرو اور ان کے دل پر یہ امر نقش کردو کہ انسان کی زندگی کا مقصد خود غرضی کے پردے میں بنی نوع انسان کی بہتری کی جستجو کرنا ہے۔افسوس ہے کہ میں جیسا چاہتا تھا ویسا جواب نہیں لکھ سکا کچھ اس خیال سے کہ ڈاک کا وقت جاتا ہے اور کچھ اس خیال سے کہ زیادہ تعویق مناسب نہ ہوگی۔

(۲) سیاسی حقوق کے حصول کی دوسری بڑی شرط کسی ملک کے افراد کے اغراض کا متحد ہونا ہے۔اگر اتحادِ اغراض نہ ہوگا تو قومیت پیدا نہ ہوگی اور اگر افراد قومیت کے شیرازے سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ نہ ہوں گے تو نظامِ قدرت کے قوانین ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی مٹادیں گے۔قدرت کسی خاص فرد یا مجموعۂ افراد کی پروا نہیں کرتی۔

مگر رونا تو اس بات کا ہے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں اور عملی زندگی اس قسم کی اختیار نہیں کرتے جس سے ان کے اندرونی رجحانات کا اظہار ہو۔ہم کو قال کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے واسطے حال پیدا کرنے کی کوشش کرو۔مذہب دنیا میں صلح کرانے کے لیے آیا ہے نہ کہ جنگ کی غرض سے۔

میری رائے میں اس تحریک کی کامیابی سے مسلمانوں کو ہر طرح فائدہ ہے۔ایک صاحب نے کسی اخبار میں یہ خط چھپوایا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ عام طور پر

مسلمان زراعت پیشہ ہیں۔ان کا یہ ارشاد شاید پنجاب کی صُورت میں صحیح ہو' تاہم یہ کہنا کہ مسلمان زراعت پیشہ ہیں اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کو سودیشی تحریک کی کامیابی سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔اگر مصنوعات سستی ہوں (جو بالآخر اس تحریک کی کامیابی کا نتیجہ ہوگا) تو خریدنے والوں کو بھی فائدہ ہے اور بیچنے والوں کو بھی۔مسلمان خواہ بیچنے والے ہوں' خواہ خریدنیوالے ہرطرح فائدے میں ہیں۔ہاں! اگر وہ بیچنے والے ہیں تو ان کو زیادہ فائدہ ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ وہ بائع نہ بنیں۔

(۳) اگر صبر واستقلال سے کام کیا گیا تو اس تحریک میں ضرور کامیابی ہو گی۔ دوراندیشی تمام کامیابی کا راز ہے۔ایک حد تک تو اس تحریک کے مطابق ملک میں عمل درآمد ہورہا ہے۔اس عمل کے توسیع کی ضرورت ہے۔جو اس ضرورت میں ممکن ہے کہ عمدہ اور ارزاں مصنوعات پیدا کر کے گراں اور ظاہری نمایش والی چیزوں کو ملک سے نکالو[۴] (؟) مقدّس عہد لینا کہ ہم خارجی ممالک کی مصنوعات کا استعمال نہ کریں گے اور جوش میں آکر انگریزی کے کپڑے کے کوٹ آگ میں پھینک دینا ایک طفلانہ فعل ہے جو اقتصادی لحاظ سے غیر مفید اور سیاسی لحاظ سے مضر ہے۔اگر اس تحریک سے ہندو اور مسلمانوں میں اتحادِ اغراض پیدا ہو جائے اور رفتہ رفتہ قوی ہوتا جائے تو سبحان اللہ اور کیا چاہیے۔ہندوستان کے سوئے ہوئے نصیب بیدار ہوں اور میرے دیرینہ وطن کا نام جلی قلم سے فرقِ اقوام میں لکھا جائے والسلام

تعلیقات:

۱

یہ رسالہ منشی دیا نرائن نگم نے ۱۹۰۳ء میں کانپور سے جاری کیا۔یہ نیم ادبی' سیاسی رسالہ تھا۔ منشی کانگریسی خیالات رکھتے تھے لیکن اس رسالے نے ہندوؤں کو اردو زبان کے قریب لانے میں نمایاں کام کیا۔''زمانہ'' کے لکھنے والے سرسید مکتبِ فکر کی نثر نگاری کے حامی تھے۔

مآخذ: مسکین علی حجازی' ڈاکٹر: پاکستان و ہند میں مسلم صحافت کی مختصر ترین تاریخ'ص:۳۳

۲

۱۸۴۱ء۔۱۸۴۹ء کے دوران گوپال ہری دیش مکھ نے ''ملک'' میں غریبی دور کرنے

اورانگریزی اشیاء کا بائیکاٹ کرنے کے لئے سودیشی کی اپیل کی۔ بنگال میں بھلاّ ناتھ BhulaNath نے معاشی سودیشی تحریک چلانے پر زور دیا۔ وائسرائے ہندلارڈ کرزن Lord Curzon نے ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کا اعلان کیا تو سودیشی تحریک نے زور پکڑا۔ بالآخر برطانوی حکومت کو ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کو تنسیخ کرنا پڑا۔

اقبالؔ نے بھی سودیشی تحریک کی حمایت کی تھی۔ اس تحریک کی حمایت کا مؤثر بیان ان کی فارسی مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' (کلیّاتِ فارسی ص: ۸۴۲۔۸۴۳) میں بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یورپ والے بڑے عیاّر اور چالاک ہیں۔ وہ ہمارے ملک سے خام مال لے جاتے ہیں اور اپنے ملکوں کے کارخانوں میں مشینوں سے عمدہ عمدہ اشیاء تیار کر کے ہمارے ہی بازاروں میں بیچتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دیسی چیزیں استعمال کریں اور بدیشی چیزیں نہ خریدیں تاکہ ہماری معیشت مضبوط ہو۔

مآخذ کلیّاتِ مکاتیب، اوّل، ص: ۱۱۲۸۔۱۱۳۱

۳؎ ایسی۔ ۴؎ نکالیں۔

☆☆☆

نبوّت پر نوٹ

مسئلہ نبوّت پر اقبال کی یہ دونوں تحریر جناب سید نذیر نیازی کو بھیجی گئی تھیں۔ جب اقبال نے قادیانی تحریک کے خلاف بیان دیا تو اس بیان پر مختلف حلقوں کی طرف سے اعتراضات شائع ہوئے۔ ان اعتراضات کی روشنی میں اقبال نے اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کی کوشش کی اور یہ دونوں تحریریں اسی سلسلے میں ہیں۔

سید نذیر نیازی ان دونوں ''طلوع اسلام'' کے مدیر تھے۔ چنانچہ انھوں نے ''طلوع اسلام'' بابت اکتوبر ۱۹۳۵ء میں اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی اور اقبال کی ان تحریروں کے اقتباسات بھی دئے جو اس شمارے کے صفحات ۱۰۲۔۱۰۴ میں موجود ہیں

نبوّت (۱)

راجہ صاحب[i] کا مضمون میں نے نہیں دیکھا۔ دیکھا تو تھا پڑھا نہیں۔ آپ اپنے مضمون میں اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔ ان کے خیالات کی تردید ضروری نہیں۔

نبوّت کے دو اجزا ہیں۔ (۱) خاص حالات و واردات جن کے اعتبار سے نبوّت' روحانیت کا ایک مقام خاص تصوّر کی جاتی ہے (مقام تصوف اسلام میں ایک اصطلاح ہے)

(۲) ایک Socio-political institution قائم کرنے کا عمل یا اس کا قیام۔ اس institution کا قیام[i] گویا ایک نئی اخلاقی فضا کی تخلیق ہے جس میں پرورش پا کر فرد اپنے کمالات تک پہنچتا ہے اور جو فرد اس نظام کا ممبر نہ ہو یا اس کا انکار کرے وہ ان کمالات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس محرومی کو مذہبی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں۔ گویا اس دوسری جزو کے اعتبار سے نبیؐ کا منکر کافر ہے۔

دونوں اجزا موجود ہوں تو نبوّت ہے۔ صرف پہلا جز و موجود ہو تو تصوف اسلام میں اس کو نبوّت نہیں کہتے اس کا نام ولایت ہے۔ ختم نبوّت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزا نبوّت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے...... [ii]

لیڈنگ سٹرنگز leading strings[iii] سے مراد لیڈنگ سٹرنگز آف ریلیجن نہیں بلکہ

لیڈنگ سٹرنگز آف فیوچر پرافٹس آف سلام ہے یا یوں کہیے کہ ایک کامل الہام ووحی کی غلامی قبول کر لینے کے بعد کسی اور الہام ووحی کی غلام حرام ہے۔ بڑا اچھا سودا ہے کہ ایک کی غلامی سے باقی سب غلامیوں سے نجات ہو جائے اور لطف یہ کہ نبی آخر الزماںؐ کی غلامی' غلامی نہیں بلکہ آزادی ہے کیونکہ اس کی نبوّت کے احکام دینِ فطرت میں یعنی فطرت صحیحیہ iv ان کوخود بخود قبول کرتی ہے۔ فطرتِ صحیحیہ v کا انھیں خود بخود قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے پیدا ہوتے ہیں اس واسطے عین فطرت ہیں' ایسے احکام نہیں جن کو ایک مطلق العنان حکومت نے ہم پر عائد کر دیا ہے اور جن پر ہم محض خوف سے عمل کرنے پر مجبور ہوں۔ اسلام کو دین فطرت کے طور پر realise کرنے کا نام تصوف ہے۔ اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کیفیت کو میں نے لفظ cmancipation سے تعبیر کیا ہے۔

والسلام

vii

محمد اقبال vi

نبوّت (۲)

(۱) عقل اور وحی کا مقابلہ یہ فرض کر کے کہ دونوں علوم کے مواخذ ہیں درست نہیں ہے۔ علوم کے مواخذ انسان کے حواس اندرونی اور بیرونی ہیں۔ عقل ان حواس ظاہری و معنوی کے انکشافات کی تنقید کرتی ہے اور یہی تنقید اس کا حقیقی Function ہے اور بس۔ مثلاً آفتاب مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب کی طرف حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ حواس ظاہری کا انکشاف ہے۔ عقل کی تنقید کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حواس کا انکشاف درست نہ تھا۔

(۲) وحی کا Function حقائق کا انکشاف ہے یا یوں کہیے کہ وحی تھوڑے وقت میں ایسے حقائق کا انکشاف کر دیتی ہے جن کو مشاہدہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتا۔ گویا وحی حصولِ علم میں جو time کا عنصر ہے اس کو خارج کرنے کی ایک ترکیب ہے۔ انسان کی ترقی کے ابتدائی مراحل میں اس ذریعہ علم کی بے انتہا ضرورت تھی کیونکہ ان مراحل میں انسان کو ان مقامات کے لیے تیار کیا جا رہا تھا جن پر پہنچ کر وہ قوائے عقلیہ کی تنقید سے خود اپنی محنت سے علم حاصل کرے۔ محمدؐ عربی کی پیدائش انسانی ارتقا کے اس مرحلے پر ہوئی جب کہ انسان کو استقرائی علم سے روشناس کرنا مقصود تھا میرے عقیدہ کی رُو سے بعد وحی محمدیؐ کے الہام کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ سلسلہ تو الہام کا جاری

ہے مگر الہام بعد وحی محمدیؐ حجت نہیں ہے سوائے اس کے ہر شخص کے لئے جس کو الہام ہوا ہو۔ بالفاظ دیگر بعد وحی محمدیؐ الہام ایک پرائیویٹ fact ہے اس کا کوئی سوشل مفہوم یا وقعت نہیں ہے۔ میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ نبوّت کی دوسری حیثیت ایک socio-political institution کی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ بعد وحی محمدیؐ کسی کا الہام یا وحی ایسے institution کی بنا قرار نہیں پا سکتا۔ تمام صوفیہ اسلام کا یہی مذہب ہے۔ محی الدین ابن عربی[۳] تو الہام پانے والے کو نبی کہتے ہی نہیں' اس کا نام ولی رکھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام سے پہلے بنی نوع انسان میں شعور ذات کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ اسلام نے انسان کی توجہ علوم استقرائی کی طرف مبذول کی تا کہ انسانی فطرت فی کل الوجود کامل ہو اور اپنی ذاتی محنت سے حاصل کردہ علم کے ذریعہ سے انسان میں اعتماد علی النفس پیدا ہو۔ غرضیکہ بعد وحی محمدیؐ میرے عقیدہ کی رو سے الہام کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ جس شخص کو ہوتا ہے اسکے لیے حجّت ہو تو ہو اوروں کے لیے نہیں ہے۔ اگر آج کوئی شخص کہے کہ میں نے بالمشافہ حضور رسالت مآبؐ سے مل کر دریافت کیا ہے کہ فلاں ارشاد جو محدثین آپ کیطرف منسوب کرتے ہیں آپ کا ہے یا نہیں اور مجھے حضورؐ نے کہا ہے کہ نہیں' تو ایسا مکاشفہ اسی شخص کے لیے حجّت ہوگا' عالمِ اسلام کے لیے نہیں۔ اگر اس قسم کے مکاشفات کو تمام عالمِ اسلام کے لیے حجّت قرار دیا جائے تو تمام تنقیدی تاریخ کا خاتمہ ہو جاتا ہے یا بالفاظ دیگر روایت ودرایت استقرار کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ شعر میں لفظ حیات (شرم) ہے[۴]

محمد اقبالؔ

تحقیق متن:

i گویا ii اور واجب القتل مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا حالانکہ جیسا لکھا ہے کہ حضور رسالت مآبؐ کی نبوّت کا مصداق تھا اور اس کی اذان میں حضور رسالت مآب کی نبوّت کی تصدیق تھی۔ iii بمطابق عکس انگریزی الفاظ نہیں ہیں۔ iv v صحیح۔ vi محمدؐ vii حکیم صاحب واپس آئیں تو اُن سے دوا لے کر ارسال کیجیے اور یہ بھی طے کر لیجیے کہ کن کن اوقات میں کھائی جائے۔ انگریزی دوا صبح شام کھائی جائے گی۔

تعلیقات:

۱۔ راجا صاحب سے مراد اغلباً راجا حسن اختر مرحوم (ب۔ا۔ڈار)

۲ لیڈنگ سٹرنگز (Leading Strings) اشارہ ہے اقبال کے پانچویں لیکچر کے ایک فقرے کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ Life cannot for ever be kept in leading Strings ("۲۶ از ستمبر ۱۹۶۵) یعنی کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا (ترجمہ از سید نذیر نیازی " ۱۹۳) (ب۔ا۔ڈار)

۳ دیکھیے خط نمبر ۱۳۱، تعلیقہ نمبر ۳

۴ ''مدنیت اسلام'' کے زیر عنوان نظم کا عکس مذکورہ تحریروں کے ساتھ شامل ہے''انوار'' کے متن میں اس نظم کو نقل نہیں کیا گیا۔ یہ نظم ''ضربِ کلیم'' میں (کُلیّات' اُردو' ص۔۵۱۔۵۱۱) شامل ہے۔ اشعار کی ترتیب عکس کے مطابق نہیں ہے' عکس میں موجود تیسرا شعر چوتھے نمبر پر ہے۔

☆☆☆

حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت

۱۹۲۸ء میں اورنٹیل کانفرنس کا اجلاس لاہور میں ہوا۔ اقبالؔ اس کے عربی و فارسی کے شعبے کے صدر تھے۔ ان کا صدارتی خطبہ انگریزی میں تھا جس کا ایک ترجمہ جناب اسرائیل احمد نے کیا جو ''صوفی'' منڈی بہاؤالدین (مارچ ۱۹۳۱ء) میں طبع ہوا اور دوسرا ترجمہ جناب داؤد رہبر نے کیا جو اورنٹیل کالج میگزین حصہ اوّل (اگست ۱۹۴۷ء) میں طبع ہوا۔ رہبؔر صاحب نے ترجمے کے ساتھ چند تشریحی حاشیے اور ابتدا میں کچھ واقعات بھی بیان کئے ہیں جن کو یہاں شکریہ کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔

ذیل کا ترجمہ ان دونوں تراجم سے استفادہ کر کے مُرتّب کیا گیا ہے۔

یہ خطبہ جس تقریب پر دیا گیا اس میں اقبال کا رُوئے سخن فلسفہ دانوں کی طرف نہ تھا بلکہ اسلامی علوم کے ہمدردوں کی طرف۔ لیکن مشرقی علوم کی تائید میں جو نظیریں اقبالؔ نے پیش کی ہیں ان میں فلسفہ، طبیعیات اور ریاضی کے تصوّرات کے اشارے آ جاتے ہیں۔ اس لیے پابند ترجمے پر قناعت کی ہے تا کہ مقالے کا سائنٹیفک انداز بھی حتی الامکان قائم رہے اور معانی میں بھی فرق نہ آئے۔

یہ بات دلچسپ ہے کہ یہ خطبہ ۱۹۲۸ء میں تیار ہوا اور تقریباً انہی دنوں اقبالؔ کے مدراس والے مقالے لکھے گئے۔ اقبالؔ داں اصحاب اس خطبے اور ان مقالوں کا باہمی ربط ضرور دیکھ سکیں گے۔ ان چھ مقالوں میں تیسرے مقالے سے اس خطبے کا تعلق زیادہ واضح ہے بلکہ بہت حد تک ممکن ہے کہ تیسرے مقالے کا کچھ مواد لے کر اقبالؔ نے اس خطبہ صدارت میں داخل کیا (اس مقالے اور خطبے میں پہلے کون سا لکھا گیا، یہ کہنا مشکل ہے) دونوں خطبات میں جا بجا لفظی اور معنوی اشتراک ملتا ہے۔

مقالے میں اقبالؔ نے جہاں مسلمانوں کے دوسرے علمی نظریوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں زمان و مکان کے تصوّر پر زیادہ توجہ صرف کی ہے۔ زمان و مکان کی بحث اقبالؔ کی زندگی کے آخری دنوں تک ان کے فکر کا مرکز بنی رہی۔ میرے مشفقِ محترم مولوی فیوض الرحمٰن صاحب (جو اب اورنٹیل کالج میں استاد ہیں) اقبال کی زندگی میں نیلا گنبد لاہور کی مسجد میں تدریس کرتے

تھے۔انھوں نے اپنے متعلق بتایا کہ ۱۹۳۸ء میں مارچ کی پہلی یا دوسری تاریخ کو اقبالؔ کے دوست چودھری محمد حسین صاحب مجھے ان کے گھر لے گئے اور مرحوم نے مجھ سے زمان ومکان کے مسلمہ اسلامی تصوّر کے متعلق سوال پوچھے۔(ان دنوں ان کا گلا خراب تھا اس لیے لکھ کر سوالات پیش کیے) میرے جوابات کو انھوں نے پسند فرمایا اور خواہش کی کہ میں روز ان کے ہاں حاضر ہوا کروں۔ میں نے مجبوری ظاہر کی کہ ۳/مارچ سے رمضان شروع ہے۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ رمضان کے بعد آیئے مگر رمضان کے بعد ان کی صحت زیادہ بگڑ گئی اور ۲۱/اپریل کو انتقال کر گئے۔ غرض یہ کہ ۱۹۲۸ء کے اس مقالے کے بعد بھی زندگی کے آخری سال تک وہ زمان ومکان کے اسلامی تصوّر کی تحقیق میں مشغول رہے یا کم سے کم ان کی دلچسپی اس مدت میں برابر قائم رہی۔

صاحبان!

اس فاضلہ جلسے کے غور فکر میں مجھے صدارت کی دعوت دے کر آپ نے میری جو تکریم کی ہے اس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں اور ممنونیت کا یہ احساس اور بھی بڑھ جاتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ اس کرسی پر جگہ پانے کے مجھ سے زیادہ اہل اصحاب موجود ہیں۔ گو مجھ سے زیادہ اس بات کا چاہنے والا شاید کوئی نہ ہو کہ آپ سے رابطہ پیدا کرے اور آپ کو بتائے کہ ایک غیر ماہر کی حیثیت سے اس کے خیال میں مشرق کی ثقافتی تاریخ کی چھان بین کے کام کو کس رخ پر چلنا چاہیے۔

کچھ عرصہ گزرا میرے دماغ میں مختلف سوالات ثقافت اسلامیہ کے متعلق پیدا ہوئے۔ اس میں اس کے اس پہلو کو مدِّنظر رکھا گیا تھا کہ وہ ایک خاص قسم کے ''تصوّر کونی'' کی حامل ہے جو نوع بشری کی ایک مخصوص جماعت نے قائم کیا تھا۔(سوالات یہ تھے کہ) کیا جدید سائنس اپنی نوعیت میں خالصتاً مغربی الاصل ہے؟ مسلمانوں نے اپنی تہذیبی ذات وصفات کے ایک مظہر کی حیثیت سے فنِ تعمیر ہی کو تمام وکمال کیوں منتخب کیا اور (دوسرے فنون لطیفہ مثلاً) موسیقی اور مصوری سے انھوں نے نسبتہً بے اعتنائی کیوں برتی؟ زمان ومکان کے بارے میں ان کی جو عقلی اور جذباتی روش تھی اس پر آیا ان کے علوم ریاضی اور فنِ تعمیر تزئینی کوئی روشنی ڈالتے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو مزید سوال یہ ہے کہ وہ روشنی کیا ہے؟ **iv** مسلمانوں کا وہ نظریہ جوہر (Atomic Theory) جو یونانی نظریے سے یکسر متغائر ومتعارض تھا اور جو ان کے تخیّل کے ایک بے باکانہ اور مجتہدانہ پروازِ فکر سے عالمِ وجود میں آیا تھا اور جو بعد میں نشو ونما پا کر ایک مُسلِّمہَ مذہبی عقیدے

کی حیثیت سے ان کی علمی محافل ومجالس میں مقبول ہوا' اس کی توجیہ وتعلیل کے لیے کوئی نفسیاتی اسباب وعلل بھی بیان کئے جا سکتے ہیں؟ **V** اسلام کی ثقافتی تاریخ میں مسئلہ ''معراج'' کی کیا نفسیاتی تعبیر ہے؟ پروفیسر میکڈانلڈ نے حال میں اس مفروضے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں تخیّلاتِ جوہریّت (Atomism) کے ظہور کے آغاز وارتقا کے اندر بدھ مت کے اثرات کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ لیکن پروفیسر موصوف نے جس خالص تاریخی سوال کا جواب دینا چاہا اس سے وہ ثقافتی مسئلہ بمراحل اہم تر ہے جس کے اٹھانے کی میں نے جسارت کی ہے! اسی تقریب سے میں پروفیسر بیون[1] (Bevan) کا نام بھی لے سکتا ہوں جنھوں نے ہم کو سرگزشت معراج کی تاریخی بحث ونظر کا ایک قیمتی ساز وبرگ بہم پہنچایا ہے۔ بایں ہمہ ثقافتی لحاظ سے گفتگو کرتے ہوئے جو چیز ان سب مباحث سے زیادہ وقیع ہے وہ زبردست اثر انگیزی ہے جو یہ قصہ ہمیشہ ایک اوسط درجے کے مسلمان کے قلب کے لیے اپنے اندر رکھتا ہے اور نیز وہ مخصوص انداز ہے جس سے اسلامی تخیّل وتصوّر اور فکر ونظر نے اس پر ایک پوری عمارت تعمیر کی ہے۔ معراج کی حقیقت یقیناً محض ایک مذہبی عقیدے سے بڑھ کر ہوگی اس لیے کہ اس نے دانتے[2] آ یسے عظیم دل و دماغ کو متاثر کیا ہے اور محی الدین ابن عربی[3] کے توسط سے اس کو وہ معیار بہم پہنچایا جس پر (اطالوی شاعر کے) اس ''طربیہ خداوندی'' (Divine Comedy) کے رفیع وجلیل ابواب کا نقش صورت پذیر ہوا ہے جو یوروپ کے قرون وسطیٰ کی ثقافت کا پیراہن محسوس ہے۔ ایک مورخ تو اس خیال سے مطمئن ہوسکتا ہے کہ اسلامی عقیدۂ معراج کی قرآن سے کوئی تائید نہیں ہوتی لیکن ایک ماہر نفسیات جس کا مقصود ثقافت اسلامیہ کے متعلق ایک عمیق تر بصیرت حاصل کرنا ہو وہ اس حقیقت سے تجاہل نہیں کرسکتا کہ قرآن نے اپنے مخاطبین ومتبعین کو اس بارۂ خاص میں جو زاویہ نگاہ دیا ہے اس کا منطقی اقتضا یہ نہیں ہوسکتا کہ حدیثِ معراج کو اسلام کے تصوّرِ عالم کے اندر ایک تخلیقی عنصر فرض کیا جائے!

درحقیقت یہ نہایت ضروری ہے کہ ان تمام سوالات کا جواب دیا جائے اور ان جوابات کو باہمدگر اس طور پر مربوط کیا جائے کہ وہ فکر وجذبہ کے ایک ''منضبط کل'' کے اجزا بن جائیں۔ اس کے بغیر ناممکن ہے کہ ان کارفرما تصوّرات کا انکشاف کیا جا سکے جو ایک مخصوص ثقافت کے بنیاد واساس ہیں' یا اُس روح کی معرفت حاصل کی جا سکے جو اس کے مادی جسد کے اندر جاری وساری ہے۔ تاہم ثقافتِ اسلامیہ کا ایک جامع ومانع تصوّر جو اس کے وابستگانِ دامن کی روحانی زندگی کا آئینہ

دار ہواب بھی سہل الحصول ہو۔ ثقافتِ اسلامیہ ایشیا کی تمام ثقافتوں سے کم عمر ہے۔ ہم عہد جدید کے لوگوں کے لیے یہ کہیں آسان ہے کہ ہم اوّل الذکر کی روح کا ایک فہم حاصل کرلیں بمقابلہ اس کے کہ ان عہد عتیق کی ثقافتوں کے تصوّرات کو نی کا ایک نقشہ اپنی چشمِ تخیّل سے دیکھنے بیٹھیں جن کے عقلی اور جذباتی خط وخال کا دور جدید کی کسی زبان میں بیان کرنا ہی تقریباً محال ہے! اسلامی ثقافت کے مورخ کی مشکل زیادہ تر اس سبب سے ہے کہ عربی کے ایسے علماء تقریباً مفقود ہیں جو سائنس کے مخصوص شعبہ جات کے تربیت یافتہ ہوں۔ یورپین مستشرقین نے اسلامی تاریخ، لسانیات، مذہب اور ادب کے میدانوں میں بلاشبہ بڑی شائستہ خدمات انجام دی ہیں۔ اسلامی فلسفہ بھی ان کو توجہ سے بہرہ یاب ہوا ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا کہ اسلامی فلسفہ میں جو کام ہوا ہے مجموعی طور پر سطحی نوعیت کا ہے اور اکثر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ لکھنے والے نہ صرف اسلامی بلکہ یوروپی فکر سے بھی ناآشنا اور ناواقف ہیں۔ درحقیقت ایک قوم کی فکری تہذیب کی حقیقی روح اس کے فن وصنائع، سائنسی شعبہ جات اور فلسفہ کے آئینے میں منعکس ہوا کرتی ہے لیکن متذکرہ بالا وجوہ کی بناء پر ثقافتِ اسلامیہ کا محقّق آج بھی اس ثقافت کی داخلی معنویت کے فہم و ادراک سے بمراحل دور ہے۔ نامور فاضل بریفالٹ[۴] اپنی تصنیف ''تشکیلِ انسانیت'' میں (جو ایک ایسی کتاب ہے جسے اقوام وملل کی ثقافتوں کے مطالعہ وجستجو کرنے والے ہر شخص کو پڑھنا چاہیے) ہمیں بتاتا ہے کہ ''تجرباتی طریق سے ہمارا تعارف کرانے کا سہرا نہ روجر بیکن[۵] کے سر ہے اور نہ اس کے بعد کے ہم نام (Francis Bacon)[۶] کے سر۔ مزید یہ کہ ''بیکن کے عہد تک عربوں کا تجرباتی طریق اچھی طرح سے شائع ہو چکا تھا اور بڑے شوق وذوق سے اس کی تحصیل اور مطالعہ یوروپ کے طول وعرض میں کیا جاتا تھا''۔

میرے پاس امر کے باور کرنے کے معقول وجود موجود ہیں کہ ڈیکارٹ[۷] کے منہاج تحقیق (Method) اور بیکن کے ''جدید طریق تحقیق'' (Novum Orgranum) کے اصلی سرچشمے کا سراغ تاریخ علوم کے ماضی بعید میں منطقِ یونانی کے اسلامی ناقدین مثلاً ابن تیمیہ[۸]، رازی[۹] غزالی،[۱۰] اور شہاب الدین[۱۱] سہروردی شہید کے خیالات وتحریرات میں جا کر لگتا ہے! لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ اس سلسلے میں جو موادِ شہادت موجود ہے اور جو اس علمی قیاس کو پایۂ ثبوت تک پہنچا سکتا ہے اس کو صرف وہی عربی کے فضلا ہاتھ لگا سکتے ہیں جنھوں نے یونانی، اسلامی اور نیز یوروپی منطق کا خصوصی مطالعہ کیا ہو۔

پھر مسلمانوں کی سائنس کے تصوّرات سے ہماری ناواقفیت بعض اوقات ثقافتِ جدید کے باب میں ہمیں غلط طرز خیال کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کی ایک نظیر میں اسپنگلر [۱۲] کی نہایت درجہ فاضلانہ تصنیف ''انحطاطِ مغرب'' میں پاتا ہوں جس میں اس نے ثقافتوں کی آفرینش اورنشوونما کے بارے میں ایک نیا نظریہ مُرتّب کیا ہے۔ کلاسکی، عربی اور جدید ثقافتوں میں عدد کا جو تصوّر ہے اس پر بحث کرتے ہوئے اور مقدار کے یونانی تصوّر اور عربوں کے یہاں عدد کی ''عدم تعینیت'' کا موازنہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

''عدد کی حیثیت جہاں اس خالص مقدار کی ہے جو اشیاء کی مادی موجودگی میں طبعی طور پر پائی جاتی ہے وہاں اس کے متوازی اس کی حیثیت اضافتِ محض کی بھی ہے۔ اور اگر ہم کلاسکی لفظ world یعنی عالم کائنات کو دیکھی جا سکنے والی حدود کی ایک گہری ضرورت پر مبنی قرار دیں اور لہٰذا اسے مادی اشیاء کے ایک مجموعے کے طور پر ترکیب پذیر سمجھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے تصوّر میں عالم ایک غیر محدود ''مکان'' کا معرض وقوع میں آ جانا ہے جس میں دیکھی جا سکنے والی چیزیں تقریباً ایک پست تر درجے کی حقیقتیں بن کر ظاہر ہوتی ہیں جو غیر تحدید پذیر کی موجودگی میں محدود ہیں۔ مغرب کی ثقافت کا نشان ایک ایسا تصوّر ہے جس کا اشارہ تک کسی دوسری ثقافت میں ہمیں نہیں ملتا یعنی تفاعل (function) کا تصوّر۔ یہ ایک ایسا تصوّر ہے جو عدد کے کسی سابق تصوّر کی توسیع نہیں بلکہ اس سے کامل آزادی کی منزل ہے۔ جب سے یہ تصوّر پیدا ہوا تب سے مغربی یوروپ کی ان ریاضیات کے لئے جو حقیقتہً وقیع ہیں نہ اقلیدس [۱۳] کے علم ہندسہ کی کوئی وقعت رہی اور نہ ارشمیدس [۱۴] کے علم حساب کی''۔

اس عبارت کے آخری تین فقرے دراصل وہ سنگِ بنیاد ہیں جن پر اسپنگلر کے نظریے کی بلند عمارت زیادہ تر قائم ہے۔ لیکن افسوس یہ دعویٰ کہ کوئی دوسری ثقافت ہمیں تفاعل کے تصوّر کا اشارہ بھی پیش نہیں کرتی، غلط ہے۔ مجھے دھندلی سی یاد پڑتی تھی کہ تفاعل کا تصوّر البیرونی [۱۵] کے ہاں ملتا ہے لیکن چونکہ میں خود ریاضی کا ماہر نہیں ہوں اس لئے میں نے علی گڑھ کے ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب [۱۶] کی مدد چاہی جنھوں نے ازراہ نوازش مجھ کو البیرونی کی مشارٌ الیہ عبارت کا انگریزی ترجمہ عنایت کیا اور (اس تقریب سے) مجھے ایک دلچسپ اور اہم مکتوب بھی لکھا جس میں سے ذیل کا اقتباس پیش کرتا ہوں:

''البیرونی نے اپنی کتاب قانون مسعودی میں علم المثلث (Trigonometry) کے

تفاعلوں کے درمیانی زاویوں کے درجے معلوم کرنے کے لیے نیوٹن [۱۷] کے ضابطہ ادراج (Formula of Interpolation) کا استعمال کیا اور اس کے لیے وہ جدولیں استعمال کیں جو ہر پندرہ منٹ کی بیشی کے لیے تیار کی گئی تھیں اس نے ضابطۂ ادراج کا ہندسی ثبوت دیا۔ اخیر میں اس نے یہ لکھا کہ یہ ثبوت ہر کسی تفاعل کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے خواہ وہ تفاعل دلیل (یعنی متغیر غیر متبوع) کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا ہو یا گھٹتا ہو۔ اس نے تفاعل کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن اس کے ہاں اس کے تصوّر کا اظہار اس جگہ ملتا ہے جہاں اس نے ضابطۂ ادراج کی ایک تعمیم شدہ شکل تیار کی ہے جو علم المثلث کے تفاعلوں سے آگے بڑھ کر تمام تفاعلوں کے لئے قابل استعمال ہے۔ میں یہاں اضافہ کر دوں کہ میں نے گوٹنگٹن یونیورسٹی کے استاد فلکیات پروفیسر شوراتس شلٹ (Schwartzchild) کی توجہ اس عبارت کی طرف دلائی اور ان کو اس قدر تعجب ہوا کہ وہ پروفیسر اینڈریوز (Andriews) کو ساتھ لے کر کتاب خانے میں پہنچے اور جب تمام عبارت کا تین مرتبہ انھوں نے ترجمہ کرایا تب ان کو اس کا یقین آیا''۔

اس مختصر خطبے میں اسپینگلر کے نظریے پر بحث کرنا اور یہ دکھانا کہ اس کی فروگذاشت اس کے تاریخی نقطۂ نگاہ پر کس اہم حد تک اثر انداز ہے، ممکن نہیں۔ اتنا کافی سمجھئے کہ جو ثقافتیں ان دو عظیم سامی مذاہب سے وابستہ ہیں ان کے سرچشموں کی تحقیق و تنقیح ان کی روحانی یک جہتی کو بے نقاب کر دیتی ہے اور اس انکشاف کا منطقی میلان اس طرف ہے کہ اسپنگلر کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ ثقافتیں بحیثیت نامیاتی اجسام کے ایک دوسری سے قطعاً بیگانہ ہوتی ہیں۔

لیکن جدید ریاضیات کے اہم ترین تصوّرات میں سے ایک تصوّر کا یہ مختصر حوالہ بالا میرے ذہن کو عراقی [۱۸] کی تصنیف ''غایۃ الامکان فی درایۃ المکان'' کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ مشہور حدیث **لاتسبو الدھر ان الدھر ھو اللہ** میں ''دہر'' (بمعنی Time) کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولوی سید انور شاہ [۱۹] صاحب سے، جو دنیائے اسلام کے جید ترین محدثین وقت میں سے ہیں، میری خط و کتابت ہوئی۔ اس مراسلت کے دوران میں مولانا موصوف نے مجھے اس ''مخطوطے'' کی طرف رجوع کرایا اور بعد ازاں میری درخواست پر از راہ عنایت مجھے اس کی ایک نقل ارسال کی۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس گرانقدر دستاویز کے مشمولات کا حال آپ کو بتاؤں۔ اس کی جزوی وجہ تو یہ ہے کہ وہ اسپینگلر کے نظریے سے غیر مطمئن ہونے کی مزید دلیل بہم پہنچائے گا لیکن اصولاً و عموماً اس سے میرا یہ منشا ہے کہ مخصوص علوم کے وہ شعبے جو آغوش اسلام کے

بطن ارتقا سے پیدا ہوئے ان کے میدانوں میں علوم مشرقیہ کی تحقیقات کی ضرورت و اہمیت کو آپ حضرات کے ذہن نشین کروں۔ مزید براں اغلب ہے کہ ''یہ بقامت کہتر و بقیمت بہتر'' مخطوطہ ایک نئے میدانِ تحقیق میں ہماری رہنمائی کرے جس میں ہمارے ان تصوّرات زمان و مکان کے اصل و آغاز کی تحقیق ہو جن کی اہمیت حال میں طبیعیات نے محسوس کی ہے۔

یہ معاملہ مشکوک ہے کہ اس کتابچے کا مصنف کون ہے حاجی خلیفہ نے اسے شیخ محمود کسی بزرگ کی تصنیف بتایا ہے۔ لیکن ان کا سراغ مجھ کو اسلام کے علمی اسماء الرجال کی فہرست میں نہیں لگا۔ متن کے تقریباً وسط میں ذیل کا فقرہ وارد ہوتا ہے:

> ''......این مخدرہ غیبی...... چوں بمشاطگی بیان ایں بندہ ضعیف بآخر زمانیان جلوہ کند' امیدوارم کہ تشنگان جرعہ حقیقت در ایام آخر الزماں از دست این ساقی عراقی جمال زلال شیریں مشاہدہ نمایند......''

ذاتی طور پر میرے قیاس کا میلان یہ ہے کہ اس قلمی نسخے کی معرفت ہمیں مشہور ایرانی صوفی شاعر عراقی کے ساتھ ایک قریب تر تعلق پیدا ہوا ہے جس کی آزادی فکر و عمل نے اسے مصر و ہندوستان کے راسخ العقیدہ لوگوں کا ہدف ملامت بنا دیا تھا۔ تاہم اپنے افکار کو قلمبند کرنے کے باعث وہ یوں بیان کرتا ہے:

> وبایستے کہ این اسرارِ عزیز در صمیم جان و سویدائے دل مکنون و مخزون داشتے نہ از راہ بخل بل از راہِ عزت و نفاست ولیکن عذر در جلوہ کردن این مخدّرہ عذرا آنست کہ وقتے در اثنائے سخن و گرمی دل بر زبان لفظ مکان رفت و چوں لفظ مکان در اخبار آمدہ است انکار نباید کرد ولیکن مکان را بباید شناخت کہ عبارت ازاں چیست تا تشبیہ از راہ خیز و پس جماعتے از کوردلاں شور بخت چوں لفظ مکان شنیدند از سر تعصّب و حسد عناد و جحود این کلمہ را دست آویز ساختند و بر نجانیدن مامیان بستند و رقم تشبیہہ بر ما کشیدند و بتکفیر ما فتوائے نوشتند۔ پس ناچار از برائے اظہار برأت ساخت دل(؟) خود از غبار تشبیہہ ایں مخدّرہ عذرا از ابدان عالمیان عالم طبیعت عرض بایست کردن و این یوسف با جمال بآن کوران جلوہ بایستے داد تا رفع ظن ایشان بودہ باشد اگرچہ معلوم بود کہ دردِ تعصّب و حسد درمان نمی پذیرد و چنانچہ باراں کہ مادہ حیات است مردار را جز

تباہی نمی افزاید۔''ان الذین حقت علیھم کلمۃ ربک لا یومنون و لو جاءَ ثھم کل ایۃٍ حتیٰ یرو العذاب الالیم۔(سورۃ یونس:۱۰' آیت ۹۷)

چنانچہ یہ فرض کرتے ہوئے مصنف کتاب فخر الدین عراقی ہے یہ بات بہت اہم اور معنی خیز ہو جاتی ہے کہ عراقی نصیر الدین[۲۰] طوسی کا معاصر تھا۔طوسی کی تصنیف علم اقلیدس پر روم میں ۱۵۹۴ء میں طبع ہوئی اور جون والس (John Wallis) نے اسے سترھویں صدی کے کم و بیش وسط میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے نصاب میں داخل کیا۔طوسی نے اقلیدس کے موضوعہ متوازی (Parallel Postulate) کی اصلاح کرنے کی جو کوشش کی اس نے یوروپ میں ''مکان'' کے مسئلے کے لئے بنیاد مہیا کی جس کے نتیجے کے طور پر بالآخر گاؤس[۲۱] (Gauss) اور ریمانا[۲۲] (Reimana) کے نظریے پیدا ہوئے۔لیکن عراقی کوئی ماہر ریاضی نہ تھا اگرچہ اس کا تصوّر زمان و مکان مجھ کو طوسی کی فکر کی رسائی سے کئی صدیاں پیش قدم نظر آتا ہے۔اس بات کے پیش نظر فرض ہو جاتا ہے کہ اسلام میں ریاضیاتی فکر کا جو ارتقا ہوا اس کی ایک نہایت ہی محتاط چھان بین کی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا عراقی نے جو نتیجے منکشف کئے ان نتیجوں تک خالص ریاضیاتی راستوں سے بھی کبھی رسائی ہو سکی یا نہیں؟

اب میں عراقی کی بحث زمان و مکان کا ماحصل اسی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔زمان و مکان کا راز سب سے بڑا راز ہے۔اس کو جان لینا سرِ کائنات اور صفات حق تعالیٰ کا جان لینا ہے۔ذات باری تعالیٰ کے سلسلے میں کسی نہ کسی قسم کے مکان کا وجود قرآن حکیم کی منقولہ ذیل آیات سے عیاں ہوتا ہے:

الم تران اللہ یعلم مافی السمٰوٰت و فمافی الارض مائکون من نجوٰی ثلثۃٍ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا اذنی من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم این کانوا (سورہ المجادلہ:۵۸' آیت)

(ترجمہ) کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا ارض و سماوات کی تمام چیزوں کو جانتا ہے' کوئی تین آدمی خلوت میں باہم ہمکلام نہیں ہوتے بدوں اس کے کہ ان کا چوتھا شریک صحبت وہ بھی ہو اور نہ پانچ اس طرح کہ ان کی تعداد کا چھٹا فرد وہ نہ ہو! ان کا یہ شمار خواہ اس سے کم ہو خواہ زیادہ' لیکن وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے خدا ان کے ساتھ ساتھ ہوگا۔

وما تکون فی شانٍ و ما تتلوا منہ من قراٰن ولا تعلمون من عمل

الا کنا علیکم شھودا اذ تفیضون فیه و ما یعزب عن ربک من مثقال ذرة فی الارض ولا فی السمآءِ ولا اصغر من ذالک ولا اکبر الا فی کتب مبین۔(۱۰،۶۱)(سورہ یونس ۱۰، آیت ۶۱)

(ترجمہ) تم نہ تو کسی مشغلے میں مصروف ہوگے نہ قرآن کی آیات میں سے کوئی حصہ پڑھو گے، اور نہ کوئی اور کام کرو گے بجز اس حالت کے کہ ہم تمھارے، جہاں کہیں بھی تم مشغول ہوگے، شاہد ہوں گے۔ زمین وآسمان کے ایک ذرّے کا وزن بھی تیرے رب کی نظر سے خطا نہیں جانے پاتا، نہ کوئی وزن، اس سے کم ہو یا اس سے زیادہ، ایسا ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو!

ولقدخلقنا الانسان و نعلم و ماتوسوس به نفسد و نحن اقرب الیه من حبل الوریده o (۵۰. ۵۱)(سورہ ق:۵۰ آیت:۱۶)

(ترجمہ) ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی جان اس سے کیا کیا سرگوشیاں کیا کرتی ہے، ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

لیکن فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ قرب، اتصال اور اتّصال کے الفاظ جن کا اطلاق مادی اجسام پر ہوتا ہے اللہ پر منطبق نہیں ہوتے۔ حیات الٰہیہ نظام کائنات کے ساتھ جس طور پر واصل ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے روح جسم کے ساتھ متعلق ہے۔ روح نہ جسم کے اندر ہے نہ اس کے باہر، نہ اس کے قریب ہے اور نہ اس سے الگ ہے تاہم اس کا تعلق جسم کے ایک ایک ذرّے کے ساتھ حقیقی ہے اور اس تعلّق کا تصوّر ناممکن ہے سوائے یوں کہ ہم کسی ایسی قسم کے مکان کا اثبات کریں جو روح کی لطافت کے مناسب ہو۔ غرض حیات الٰہیّہ کے سلسلے میں مکان کے وجود مطلق کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ ہمیں نہایت احتیاط سے مکان کی اس مخصوص نوعیت کی تعریف وتحدید کرنی ہوگی جس کا اطلاق اللہ کی مُطلقیت کے بارے میں کیا جائے۔ مکان کی قسمیں تین ہیں: مادّی موجودات کا مکان، غیر مادّی موجودات کا مکان اور خدا کا مکان! مادی اجسام کا مکان پھر آگے تین قسموں میں منقسم ہے: اوّل کثیف اجسام کا مکان ہے جس کے مُتعلّق ہم جگہ (گنجائش) کے خیال کو پیشگی اپنے ذہن میں رکھ لیتے ہیں۔ اسی جگہ یا خلا میں ان (مُتعلّقہ اشیاء) کی حرکت وقوع میں آتی ہے اور یہ حرکت مستلزم ہے وقت (زمان) کی! چیزیں اپنی اپنی جگہ مقیم یا دخیل ہوا کرتی ہیں اور اپنی بیدخلی (یا نقلِ مکان) کے خلاف مقاومت کرتی ہیں۔ دوم لطیف اجسام کا مکان ہے مثلاً ہوا اور صورت۔ اس مکان میں دو اجسام باہمد گر مقاومت کرتے ہیں اور ان کی حرکت زمان (وقت) کے

پیمانے (مقادیر) کے ذریعے ناپی جا سکتی ہے۔لیکن یہ زمان کثیف اجسام کے زمان سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ایک نلکی میں دوسری ہوا صرف جبھی داخل ہوگی جب پہلی ہوا خارج کی جائے اورصوتی تموّجات کا زمان کثیف اجسام کے زمان کے مقابلے میں عملاً لاشئے ہے۔سوم روشنی کا مکان ہے۔آفتاب کی روشنی آناً فاناً زمین کی بعید ترین حدود میں پہنچ جاتی ہے۔چنانچہ روشنی اور صَوت کی سُرعتِ رفتار میں زمان تقریباً صفرِ مطلق کے درجے پر آ جاتا ہے۔پس یہ ظاہر ہے کہ روشنی کا مکان ہوا اور صوت کے مکان سے مختلف ہے۔اس کے حق میں ایک اس سے بھی زیادہ کارگر دلیل اور ہے۔ایک بتی کی روشنی کمرے کی ہوا کو بے دخل کئے بغیر کمرے کے تمام اطراف میں پھیل جاتی ہے اوراس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روشنی کا مکان ہوا کے مکان سے لطیف تر ہے جس کا دخل روشنی کے مکان میں ممکن نہیں۔ان تینوں امِکنہ کے انتہائی قُرب کی وجہ سے ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم بجز خالص عقلی تجزیہ اور روحانی تجربہ کے ان کے درمیان حدودِ امتیاز کو متعین کر سکیں۔پھر دیکھئے گرم پانی کے اندر دو ضدیں۔آگ اور پانی۔جو بظاہر ایک دوسرے میں متداخل معلوم ہوتی ہیں اپنی اپنی طبع کے رو سے ایک ہی مکان میں موجود نہیں ہوسکتیں۔اس مظہر کی توجیہہ بغیر کسی مفروضے کے نہیں کی جاسکتی کہ ان دو جوہروں کے مکان گو ایک دوسرے سے نہایت قریب ہیں لیکن ایک دوسرے سے متمائز ہیں لیکن درحالیکہ روشنی کے مکان میں فاصلہ کا عنصر قطعاً غیر موجود نہیں ہے اس میں باہمی مقاومت کا امکان بالکل مفقود ہے۔ایک بتی کی روشنی صرف ایک خاص نقطے تک پہنچتی ہے اور سو بتیوں کی روشنیاں ایک ہی کمرے کی فضا میں باہم خلط ملط ہو جاتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوسری کو بیدخل نہیں کرتی!اس طرح لطافت و کثافت کے مختلف درجے رکھنے والے طبعی اجسام کے امکنہ کو بیان کرنے کے بعد اب عراقی اپنی بحث میں آگے بڑھتا ہے اور مختصراً مکان کی ان عام رنگارنگ اقسام کی تفصیل پیش کرتا ہے جن پر غیر مادی موجودات عمل کرتی ہیں مثلاً ملائکہ!فاصلے کا عنصر ان امکنہ میں بھی کلیّتہً غیر موجود نہیں ہے۔اس لئے کہ بعض غیر مادی موجودات گو آسانی کے ساتھ سنگی دیواروں میں سے ہو کر گزر جاتی ہیں تاہم اپنی حرکت کے ''عرض'' سے تمام و کمال آزاد نہیں ہو جاتیں۔یہ عدم استغنا عراقی کے نزدیک ان کی خاصیت روحانی کے غیر کامل ہونے کی دلیل ہے۔مکان آزادی کے بلند ترین نقطے پر انسانی روح کی رسائی ہے جس کا بے نظیر جوہر یہ ہے کہ نہ وہ ساکن ہے نہ متحرک۔اس طرح ''مکان'' کی لاانتہا اور گُوناگُوں اقسام سے گزرتے ہوئے ہم آخرکار مکانِ الٰہی (مکانِ لامکان) پر آتے ہیں جو تمام

جہات وابعاد سے مطلقاً آزاد ہے اور اس نقطۂ اتصال کا حامل ہے جہاں تمام موجودات لامحدود واصل یکدگر ہو جاتی ہیں۔ اسی طریق پر عراقی نے زمان کی بحث کی ہے۔ مادّہ اور روح کے درمیان موجودات کے جتنے درجے ہیں ان سے متعلق زمان کے بے اندازہ قسمیں ہیں۔ کثیف اجسام کا زمان جو اجرام سماوی کی گردش سے وجود میں آتا ہے وہ ماضی، حال مستقبل میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس کی نوعیت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک ایک دن نہ گزر جائے دوسرا وجود میں نہیں آ سکتا۔ غیر مادّی موجودات کا زمان بھی اپنی ماہیت میں شمار دار ہے لیکن اس کا مرور ایسا ہے کہ کثیف اجسام کے زمان کا پورا ایک سال غیر مادی موجودات کے زمان میں ایک دن سے زیادہ کی حقیقت نہیں رکھتا۔ غیر مادی موجودات کے پیمانے میں ہم جتنا اوپر چلتے جائیں ہم زمانِ الٰہی کے تصوّر تک جا پہنچتے ہیں جو ''مرور'' کی صفت سے مطلقاً آزاد ہے حتیٰ کہ تقسیم وتکسیر، تاخیر وتقدیم، تسلسل اور تغیر وتبدل کی صِفات کا بھی پابند نہیں۔ زمان الٰہی دوام وابد سے بالاتر ہے۔ اس کی ابتدا ہے نہ اس کیا نتہا۔ ادراک کے ایک ناقابل تقسیم عمل میں اللہ کی نگاہ تمام مرئی موجودات (مشہودات) کو دیکھتی ہے اور اسی عمل میں اس کا سامعہ تمام قابل سماعت موجودات کو سنتا ہے اور یہ اعمال ایک واحد وغیر منقسم عملِ ادراک میں انجام پاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا تقدّم زمان کے تقدم کے سبب سے نہیں ہے بلکہ برعکس زمان کا تقدم حق تعالیٰ کے سبب سے ہے۔ چنانچہ زمان الٰہی وہ ہے جسے قرآن میں ''ام الکتاب'' کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں تمام تاریخ کائنات علتی تسلسل کے دام سے آزاد ہو کر ایک واحد فوق الدوّام ''اکنون'' یعنی (اَبَّ) میں جمع ہے۔

عراقی کے نظریے کے اس ملخص سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ کس طرح ایک ایسے عہد میں جبکہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی جدید ریاضیاتی وطبیعیاتی نظریات وتصوّرات نہ ہو سکتے تھے ایک تعلیم یافتہ مسلمان صوفی نے زمان و مکان کے متعلق اپنی روحانی واردات کی عقلی تفسیر کی۔ درحقیقت 'مکان متعدد' کا یہ نظریہ جو عراقی نے پیش کیا اس جدید تحریک [۲۳] کی ایک ابتدائی منزل تسلیم کیا جا سکتا ہے جس میں تین البعاد سے زیادہ والے مکان کا دعویٰ کیا گیا اور جس کا باقاعدہ بیج طوسی کی کوششوں سے بویا گیا جو اس نے اقلیدس کے موضوعہ متوازی (Parallel Postulate) کی اصلاح کرنے میں صرف کیں۔ ماضی قریب میں کانٹ [۲۴] وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے ایک جامع و مانع طریقے سے مختلف امکنہ کے تصوّر کو پیش کیا۔ فلسفی موصوف کی کتاب ''مقدمہ (Prolegomena) کا مندرجہ ذیل اقتباس اس پر شاہد ہے:

''یہ بات کہ 'مکان کل' (جس سے پرے اور کوئی مکان نہیں) تین ابعاد کا حامل ہے اور یہ کہ مکانِ کل اس سے زیادہ ابعاد کا متحمل نہیں ہوسکتا اس قضیہ پر مبنی ہیں کہ ایک نقطے پر زاویہ قائمہ بناتے ہوئے تین سے زیادہ خطوط ایک دوسرے کو قطع نہیں کر سکتے...... ایسے حکام کو قابل تعمیل ماننا کہ لا متناہی تک ایک خط کھینچا جائے یا تغیرات کا ایک سلسلہ (مثلاً امکنہ میں سے حرکت کا گزر) لاانتہا طور پر جاری رہے' زمان و مکان کے ایسے تصوّر کے ساتھ مشروط ہے جو صرف وجدان کے ذریعے ہوسکتا ہے۔

لیکن کانٹ کوئی ماہر ریاضی نہ تھا۔ یہ کام اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں کے ماہرین ریاضی کے نصیب میں تھا کہ وہ بالآخر مکان کے اس تصوّر تک پہنچیں کہ وہ ایک حرکی ظہور (Dynamic Appearance) ہے اور اس طرح گویا مخلوق (قابل تولید) اور محدود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عراقی کے افکار مبہم طور سے مکان کے ایک تصوّر کے ساتھ دست وگریباں ہو رہے تھے جو معروضات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے لیکن وہ ریاضی داں نہ تھا اور کچھ اس لئے کہ وہ طبعاً ارسطو[۲۵] کے قدیم روایتی خیال یعنی ''عالم ثابت'' (fixeduniverse) کے تصوّر کی طرف مائل تھا۔ اگر اس کا ذہن یہ سوال اٹھانے کے قابل ہو جاتا کہ آیا 'ابعادیت' عالم کی صفت ہے یا معرفت عالم کی' تو وہ اپنے شعور کے ایک متجسسانہ محاسبے کی ضرورت محسوس کرتا اور اس طرح اس کے سامنے فکر کی ایک ایسی راہ کھل جاتی جو اس کے صوفیانہ نقطۂ نظر وافتادِ مزاج سے زیادہ ہم آہنگ ہوتی! پھر حقیقتِ مُطلقہ کی ذات میں فوق المکان ''یہاں'' اور فوق الدوام (ماوراء زمان) ''اب'' کے باہمی نفوذ کا تصوّر ہمیں ''مکان۔ زمان'' (Space-Time) کے جدید تصوّر کا خیال دلاتا ہے جسے پروفیسر الیگزانڈر[۲۶] (Alexander) نے ''مکان' زمان اور اُلوہیّت (معبود)''

(Space, Time and Deity) پر مقالے لکھتے ہوئے تمام موجوداتِ کائنات کی کوکھ قرار دیا ہے۔ زمان کی ماہیت پر اگر عراقی کو ذرا زیادہ بصیرت ہوتی تو وہ اس خیال تک پہنچ جاتا کہ زمان' مکان کی نسبت زیادہ بنیادی ہے اور یہ کہنا (جیسا کہ پروفیسر الیگزانڈر نے واقعی کہہ دیا ہے) کہ ''زمان ذہن ہے مکان کا'' محض شاعرانہ استعارہ نہیں۔ عراقی نے کائنات کے ساتھ خدا کا تعلّق روح اور جسم کے تعلق کے مماثل قرار دیا ہے لیکن بجائے اسکے کہ وہ تجربہ کے مکانی اور زمانی پہلوؤں کی تحقیق کے ذریعے فلسفیانہ طریق سے اس نظریے پر پہنچتا' اس نے محض روحانی تجربہ کی بنا

پر اس کا دعویٰ کر دیا۔ خدا کی معرفت کے لئے یہ کافی نہیں کہ اس انتہائی مقام پر جو نقطہ بھی ہے اور آن بھی (Point-instant) ہم مکان اور زمان کے متوازی سلسلوں کا اتصال دیکھیں۔ وہ فلسفیانہ راستہ جس پر چل کر ہم خدا کو کائنات کی رُوح کُل (Omnipsyche) کی شکل میں دکھتے ہیں' اس انکشاف سے گزر کر ملتا ہے کہ زمان۔ مکان'' (Space -Time) کا اصل اصول ''فکرِ زندہ'' (Living Thought) ہے۔ عراقی کا دماغ صحیح رخ پر چلا لیکن ایک طرف تو وہ ارسطا طالیسی رجحانات کا پابند تھا اور دوسری طرف اس میں نفسیاتی تجزیہ کی کمی تھی اور یہ دونوں خامیاں اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہوئیں۔ چونکہ وہ اس نظریے پر قائم تھا کہ زمانِ الٰہی تغیر سے بالکل مُبّریٰ ہے (اس کا یہ نظریہ بدیہی طور پر شعوری تجربے کے غیر صحیح تجزیے پر مبنی تھا) اس لیے اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ زمان الٰہی اور زمان مسلسل کا باہمی تعلق منکشف کر سکے اور اس انکشاف کے ذریعے عالم کی تخلیق (تولید) مسلسل کے اس تصوّر تک پہنچے جو اسلام کے ساتھ مختص ہے اور جس کے معنی نمو پذیر کائنات (Grwoing Universe) کے ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے عراقی کے تصوّر زمان و مکان کا یہ مختصر خاکہ اور تبصرہ پیش کیا۔ میری غرض یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ اسلام میں سائنس کی خاص فروغ کے جتنے تصوّرات ہیں ان کے متعلق بالاستیعاب چھان بین کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر آگے چل کر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ثقافت نے قبل الاسلامی ایشیا کی دوسری ثقافتی تحریکوں سے اثر پکڑا اور اس کی نوعیت ترکیبی ہوتی چلی گئی تو اس کی اندرونی زندگی کو صاف طور سے سمجھنا ایک عمومی دلچسپی کا معاملہ بن جاتا ہے اور اس طرح یہ معاملہ محض عربی دانی کی پہنچ سے باہر ہو جاتا ہے۔ غرض اب عملی مسئلہ یہ ہے: وہ کیا طریقہ ہے جس سے ایسے عربی دان پیدا کئے جائیں جو ذہنی اور عقلی طور پر پیش نظر کام کے پورے پورے اہل ہوں؟ میرے خیال میں اس ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ایسے عربی اور مشرقی علما کی ہمت افزائی کی جائے جو سائنس کی خاص شاخوں کی تعلیم پا چکے ہوں۔ شاید آپ کی کانفرنس اس مضمون کی قرارداد منظور کرے کہ مشرقی کلاسکی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم کی غرض سے جو وظائف یوروپ جانے کے لیے دیے جاتے ہیں ان کو عطا کرنے میں ہندوستانی یونیورسٹیوں کے ارباب حل وعقد ان امیدواروں کو ترجیح دیں جنھوں نے عربی کے علاوہ کیمیا' طبیعیات یا ریاضیات کی قسم کی کوئی سائنس سیکھی ہے۔[۲۷]

تعلیقات

۱۔ بیون Braith Waite Richard Bevan:(ایک انگریز فلسفی)
1900ء میں Banbury میں پیدا ہوا۔ اس نے کنگز کالج کیمبرج سے تعلیم حاصل کی۔ فلسفے کی طرف آنے سے پہلے طبیعیات اور ریاضی کا مطالعہ کیا۔ کیمبرج یونی ورسٹی میں پروفیسر رہا۔ اس نے مائنڈ ایسوسی ایشن (1964) اور ارسطو سوسائٹی (1946-1947) کے صدر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ فلسفۂ سائنس میں بیون نے سائنسی مفروضوں کی بنیاد، شماریات اور وجدان کے حقائق پر قابلِ ذکر وضاحتیں دی ہیں۔

Ref: The Encylopaedia of Philosophy,Vol: I P: 364-365

۲۔ : Dante Alighieri

Ref: The Encyclopaedia of Philosophy, Vol:2, P:291-294

دیکھیے خط نمبر ۶۴ تعلیقہ نمبر ۳

۳۔ محی الدین ابنِ عربی:

دیکھئے: خط نمبر ۱۳۱۔ تعلیقہ نمبر ۳

۴۔ Briffault Robert: 1876ء میں بمقام لندن پیدا ہوا اور 11 ردسمبر 1948ء کو وفات پائی۔ انگلستان کا بہت بڑا ماہر علم الانسان، تاریخ کا فلسفی اور ناول نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے لندن میں تعلیم حاصل کی اور صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ایم بی بی ایس کی ڈگری لے کر 1894ء میں نیوزی لینڈ چلا گیا، وہاں اس نے پریکٹس شروع کر دی اور نیوزی لینڈ انسٹی ٹیوٹ کی آک لینڈ برانچ کا صدر منتخب ہو گیا، اس کے رسالے میں ڈاکٹری کے متعلق ایک سلسلۂ مقالات لکھا۔ پہلی جنگ عظیم چھڑ جانے پر فوج میں بھرتی ہوا اور فرانس، فلینڈرز اور گیلی پولی میں خدمات انجام دے کر ''ملٹری کراس'' کا اعزاز حاصل کیا۔ جنگ کے بعد واپس انگلستان آیا اور ڈاکٹر پریکٹس ترک کر کے اقتصادی و عمرانیاتی مسائل پر لکھنا پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کی کتاب "The making of Humanity" (اردو ترجمہ: تشکیلِ انسانیت) میں ارتقائے انسانی پر معاشرتی علم الانسان کے نقطۂ نظر سے غور کیا گیا ہے۔ (مآخذ: عبدالمجید سالک، مترجم: تشکیل انسانیت، ص:۹)

۵؎ Roger Bacon: (تقریبا 1214ء -1294ء)، انگریزی عالم اور فلسفی۔ وہ سائنس کو مذہب کا مُتَمّم سمجھتا تھا، متقابل نہیں سمجھتا تھا۔ اس کی معروف ترین تصانیف یہ ہیں (1)۔Opus Majur 2۔Opus Minor 3۔Opus Tertium چونکہ اس نے الکیمیا کے متعلق بھی کچھ لکھا، اس لیے الکیمیا اور جادو پر کئی تصانیف اس سے منسوب کر دی جاتی ہیں۔ یہ دعویٰ کہ اس نے بارود ایجاد کی، غلط ہے اور یہ خیال کہ اس کے پاس دوربین یا خردبین بھی تھی، بالکل خارج از امکان ہے۔ اقبالؔ نے اس کا ذکر اپنے پانچویں خطبے میں کیا ہے۔

Ref: The Encyclopaedia of Philosophy, vol: 1, P: 240-242.

۶؎ Francis Bacon: (۱۵۶۱ء۔ ۱۶۲۶ء) انگریز فلسفی اور سیاسی مدبر۔ ۱۵۷۳ء میں ٹرینٹی کالج کیمبرج میں داخل ہوا۔ ۱۵۷۲ء ''گرے ان'' سے بیرسٹری کی ڈگری لی۔ ۱۵۸۴ء میں اسے پارلیمنٹ کا ممبر چنا گیا۔ نائٹ (۱۶۰۳)، لارڈ چانسلر (۱۶۲۱ء) اس نے ۱۶۲۱ میں رشوت اور تحائف لینے کے جرم کا اعتراف کیا، اس لیے اسے ہمیشہ کے لیے سرکاری عہدے کے لیے نااہل قرار دے دیا گیا۔ اس نے جدید تجرباتی سائنس میں استقرائی طریقِ استدلال کے ذریعے فلسفہ کو باثروت کیا۔ وہ انگریزی اسلوب میں صاحبِ طرز تھا۔ اس نے کل علم انسانی کی تنظیمِ نو کا جو منصوبہ بنایا، اس کے صرف دو حصے ہی مکمل کر پایا کہ زندگی نے اس کے ساتھ وفا نہ کی۔

مآخذ: 1- The Encyclopaedia of Philosophy, Vol: 1,P235-240

2. The New Encyclopaedia Britannica, Vol:2, P:993-999

۷؎ Rene Descartes: (۱۵۹۶ء۔ ۱۶۵۰) فرانسیسی ریاضی دان، فلسفی اور سائنسدان۔ ہیگل اور دوسرے متعدد حکما اسے جدید فلسفے کا امام قرار دیتے ہیں۔ یہ نظریۂ ثنویت کا زبردست مُبلّغ تھا۔ یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد فوج میں ملازم ہوا۔ اسی دوران میں مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کرتا رہا۔ ڈیکارٹ نے اپنے فلسفے اور سائنس کی توجیہات کے لئے تشکیک کے طریقے سے کام لیا۔ ڈیکارٹ نے حواس کی میکانکی دنیا اور ذہن کی فکری دنیا کے درمیان خدا کو ایک کڑی قرار دیا۔ اس نے طبیعیات میں روایت کو رد کر کے تجربے کے بجائے عقل، ریاضی اور منطق پر بھروسا کیا۔

مآخذ: عاصم بٹ (مترجم) سو عظیم آدمی، ص: ۲۵۳۔۲۵۹ -1

2- The Encyclopaedia of Philosophy, Vol,2, P: 344-354

3- The New Encyclopaedia Britannica, Vol,4,P:29-30

۸۔ علاّمہ اقبالؔ جن اسلامی مفکرین سے متاثر تھے ان میں ایک ابنِ تیمیہ بھی ہیں۔ابنِ تیمیہ کا تذکرہ ان کے انگریزی خطبات میں بھی ملتا ہے......تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ الحرانی الحنبلی، ایک عرب علمِ دین اور فقیہہ جو دمشق کے قریب حرّان میں ۲۳رجنوری ۱۲۶۳ءکو پیدا ہوئے۔ابنِ تیمیہ نے قرآن، فقہ، مناظرہ واستدلال میں سنِ بلوغ سے پہلے ہی مہارت حاصل کر لی تھی اور سترہ برس کی عمر میں افتاء وتصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔انھوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلامی فکر کی تشکیل وتزکیہ کا عظیم کارنامہ انجام دیا، جس سے تصوف، فلسفہ اور منطق کی دنیا میں ایک مدلّل اور مستند تنقید وتحقیق سامنے آئی۔ایک زمانے میں انھیں اپنے مخالفین کی شدید تنقید اور آزمایش کا شکار ہونا پڑا مگر ان میں سے کوئی بھی ان کے استدلال کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔اپنے محکم نظریات کے باعث قید وبند کا شکار بھی ہوئے۔کہا جاتا ہے کہ ابنِ تیمیہ نے پانچ سو کتابیں لکھیں۔

مآخذ: اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد اوّل، ص: ۴۴۸۔۴۵۹

۹۔ الغزالی: دیکھئے خط نمبر ۵۷ تعلیقہ نمبر ۶

۱۰۔ ابوعبداللہ فخر الدین رازی (۱۱۴۹ء۔۱۲۰۹ء) ادب اور علومِ دینی کی تعلیم سے فراغت کے بعد خوارزم گئے جہاں معتزلہ کے خلاف مناظروں کی وجہ سے ملک چھوڑنا پڑا۔ان کی ذکاوت، درّاک، عقل، زبردست حافظے، ضابطہ پسند ذہن اور سلاستِ فکر نے انھیں ایک ایسا معلم بنا دیا تھا، جسے سارے وسطِ ایشیا میں شہرت حاصل تھی۔مسلکِ اہلِ سنّت کے دفاع میں امام رازی نے غیر معمولی انہماک دکھایا جس کی وجہ سے اُن کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے......ان کی اہم ترین اور مشہور تصنیف قرآن کی تفسیر مفاتیح الغیب یا کتاب التفسیر الکبیر ہے۔ان کی ایک اور اہم تصنیف ''المباحث المشرقیہ'' تصوف پر ہے......علاّمہ اقبال امام رازی کے بڑے مدّاح تھے۔ان کا مشہور شعر ہے:

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز وسازِ رومیؔ، کبھی پیچ و تاب رازیؔ

(کلیاتِ اردو، ص: ۳۰۹)

مآ خذ: اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ص:۱۹۴۔۲۰۰

۱۱؎ شہاب الدّین یحییٰ بن حبش بن امیرک سہروردی جو شیخ الاشراق کے نام سے مشہور ہیں، سہرورد کے رہنے والے تھے۔ شیخ سہرورد ۵۴۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں بمقام حلب صلاح الدین ایوبی کے بیٹے ملک الظاہر (۵۸۲ھ۔۶۱۳ھ) کے حکم پر حکمت سے شغف رکھنے کے جرم میں قتل کر دیئے گئے۔ شیخ کی مشہور کتاب ''حکمت الاشراق'' ہے۔ وہ فلسفی اور صوفی کی حیثیت سے اصفہان اور بغداد میں مشہور ہوئے۔ وہ یونانی اور نو افلاطونی نظریات سے متاثر تھے۔

مآ خذ: ۱۔ عبدالماجد دریابادی: تصوفِ اسلام، ص:۱۱۸۔۱۳۶

۲۔ اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا، جلد اوّل، ص:۸۶۳۔

۱۲؎ Spengler Oswald (۱۸۸۰ء۔۱۹۳۶ء): جرمن فلسفی۔ اس نے میونخ، برلن کی یونیورسٹیوں میں ریاضی اور فلسفے کی تعلیم پائی۔ ۱۹۱۸ء میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب "Decline of the West" ''زوالِ مغرب'' لکھی جس کا ۱۹۲۶ء میں انگریزی ترجمہ ہوا۔ اس کتاب میں وہ کہتا ہے: ''افراد کی طرح تہذیبیں بھی نقطۂ عروج کو پہنچتی ہیں اور پھر زوال پذیر ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ فنا ہو جاتی ہیں''۔ مزید یہ کہ: ''اقوام یا انسانی گروہ موروثی مقدر کے مالک ہوتے ہیں جسے انسانی کوششوں سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا''۔ اسپنگلر کے ان نظریات نے جرمنی میں قومی اشتراکی تحریک کی راہ ہموار کی۔

Ref: 1- The Encyclopaedia Britannica, Vol: 11,P 85-86

2- The Encyclopaedia of Philosophy, Vol: 7, P:527

3- شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ص:۳۴۰

۱۳؎ اقلیدس: یونان کا ریاضی دان تھا، جسے بابائے رضیایات کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بطلیموس اوّل کے عہد (۳۲۳ق۔م سے ۲۸۳/۲۸۵ق۔م تک) میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم ایتھنز میں پائی۔ ریاضی کی تعلیم وہاں اکیڈمی میں حاصل کی، پھر اسکندریہ چلا آیا جو اس زمانے میں علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اقلیدس کی تصنیف ''اوّلیات'' (Elements) مساحت یا علم ہندسہ کی قدیم ترین کتاب ہے۔ اقلیدس کی اس تصنیف نے انسانی معاملات پر مستقل اور بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ انجیل کے بعد یہ دوسری کتاب ہے جس کے سب سے زیادہ ترجمے ہوئے ہیں۔ اقلیدس کی

دیگر دستیاب تصانیف دو ہیں، جن کا تعلق ابتدائی علمِ ہندسہ سے ہے۔ایک ''Data'' کے نام سے ہے، جس میں 94 اشکال شامل ہیں اور دوسری "On Division" ہے۔ اس کی دیگر چار تصانیف کا پتا نہیں چلتا۔

Ref: 1- The New Encyclopaedia Britannica, Vol: 14,P: 589-590

2- عاصم بٹ (مترجم) سوعظیم آدمی، ص:۷۸۔۹۰

۱۴ ارشمیدس: ۲۱۲ ق۔م سے ۲۸۷ ق۔م کے عہد کا یونانی ریاضی دان، جس نے میکانیات اور علم مائعات کے اصول وضع کیے۔اس نے اجرام فلکی کی حرکات معلوم کرنے کا ایک آلہ تیار کیا۔ایسا آتشی شیشہ بھی بنایا جس کی حرارت سے دور کی چیزیں جل اٹھیں۔علم جرثقیل کا بھی ماہر تھا۔ارشمیدس نے ماسکونیات کے موضوع پر ایک کتاب لکھی، جس کا نام ''تیرنے والے اجسام'' تھا۔یہ دنیا میں ماسکونیات پر پہلی تصنیف شمار کی جاتی ہے۔

مآخذ: شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا: ص:۷۰

۱۵ ابوریحان، البیرونی (۹رستمبر۹۷۳ء۔۱۳رستمبر۱۰۴۸ء): بہت بڑا مسلمان سائنسدان، ماہرِ ارضیات و تاریخ ولسانیات وریاضی ونجوم۔وسط ایشیا کی ریاست خیوا (خوارزم) کے مضافات میں پیدا ہوا۔۹۹۵ء میں البیرونی جرجان پہنچا اور یہیں اس نے اپنی پہلی تصنیف ''آثار الباقیہ'' ۱۰۰۰ء میں لکھی اور اسے قابوس کے نام پر معنون کیا۔۱۰۱۷ء میں البیرونی غزنہ آیا، اگلے سال اس نے یہاں ایک رصدخانہ قائم کیا اور دو برس مطالعے میں گزارنے کے بعد ہندوستان کی راہ لی۔اس اثنا میں محمود غزنوی ہندوستان فتح کر چکا تھا۔البیرونی نے یہاں زیادہ وقت اجمیر میں گزارا۔ یہاں مشہور ہندو عالم اور پنڈتوں سے سنسکرت سیکھی۔البیرونی نے ان کی مذہبی کتاب بھگوت گیتا کو عربی میں ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ ہندی تہذیب پر ایک کتاب ''کتاب الہند'' لکھی

البیرونی ایک ماہر ہیئت دان تھا۔۱۰۲۹ء میں البیرونی ہندوستان سے واپس ہوا اور ہیئت اور نجوم پر ایک کتاب ''قانونِ مسعودی'' لکھی۔دیگر اہم تصانیف میں ''تاریخ خوارزم''، ''تاریخ محمود غزنوی''، ''کتاب التفهیم''، ''کتاب الجماہر والجواہر'' اور کتاب الدستور'' قابلِ ذکر ہیں۔

مآخذ: 1- شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص: ۱۹۶۔۱۹۷

۲۔ابراہیم عمادی ندوی: مسلمان سائنسدان اور ان کی خدمات، ص:۱۸۲۔۲۰۲

۱۶ ڈاکٹر سرضیاء الدین احمد ۱۸۷۸ء میں بمقام میٹرھ (یوپی) پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۸۸۹ء میں ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ کے سکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ پھر ۱۸۹۵ء میں الہ آباد یونی ورسٹی سے بی اے پاس کرنے کے بعد ان کو ایم اے او کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ریاضی مقرر کیا گیا۔ بعدازاں ڈاکٹر ضیاء الدین ۱۸۹۷ء میں کلکتہ یونی ورسٹی سے اور ۱۸۹۸ء میں الہ آباد یونی ورسٹی سے ریاضی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۰۱ء میں ڈی۔ایس سی کے امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد ٹرینٹی کالج کیمبرج میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۳ء میں ریاضی آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ وہ لندن کی انجمن ریاضی (Mathematical Society of London) کے ممبر بنائے گئے۔ بعدازاں انھیں Royal Astronomical Society کا فیلو بھی منتخب کرلیا گیا۔ آیندہ سال وہ جرمنی چلے گئے' جہاں انھوں نے گوتنجن یونی ورسٹی (Gottengen University) میں کچھ حصہ جیومیٹری کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ واپس آئے۔ ۱۹۱۹ء میں ان کا تقرر بحیثیت پرنسپل ایم۔اے۔او کالج ہوا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین اس کے پہلے پرووائس چانسلر بنائے گئے۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۶ء تک ڈاکٹر ضیاء الدین صوبائی قانون ساز کونسل کے ممبر رہے۔ ۱۹۳۱ء میں وہ مرکزی مجلسِ قانون ساز کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ مرکزی مجلسِ قانون ساز میں مسلم لیگ پارٹی کے سیکرٹری بھی رہے۔ ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو انتقال ہوا۔

مآخذ: ۱۔ رسالہ فکرونظر: نامورانِ علی گڑھ' دوسرا کارواں' جلد ۲۳' ۱۹۸۴ء

۲۔ مالک رام: تذکرہ ماہ وسال' ص: ۲۴۸

۱۷ آئزک نیوٹن (۱۶۴۲ء۔۱۷۲۷ء): انگلستان میں ''وولزتھورپ'' کے مقام پر پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے اس کا میلانِ طبع میکانکی مظاہر کی طرف تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو کر سائنس اور ریاضیات کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے شائع ہونے والے اوّلین تہلکہ خیز نظریات ''روشنی'' کی ہیئت سے متعلق تھے۔ ۱۶۶۸ء میں روشنی منعکس کرنے والی پہلی دوربین کا نقشہ اور ڈھانچہ تیار کیا۔ ریاضیات میں اس کی بڑی کامیابی مکمل علم الاحصاء (Calcalus) کی ایجاد ہے...... اس کے سائنسی قوانین میں سب سے اہم ''کششِ ثقل'' کا قانون ہے۔ ۱۶۸۷ء میں اس کی کتاب ''فطری فلسفہ کے ریاضیاتی قوانین'' شائع ہوئی' اس میں اس نے اپنے کششِ ثقل اور حرکت کے قوانین کو بیان کیا۔

۱۷۲۷ء میں نیوٹن کا انتقال ہوا۔ اسے ''ویسٹ منسٹر'' کے گرجا میں دفنایا گیا' وہ پہلا

سائنس دان تھا جسے یہ اعزاز ملا۔

مآخذ: عاصم بٹ: سوعظیم آدمی، ص: ۳۰۔۳۵

۱۸ شیخ ابراہیم فخر الدین عراقی ہمدان کے نواح میں قریہ یکجان (باکونجان) میں پیدا ہوئے، وہیں بچپن میں قرآن حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے علوم حکمت و فلسفہ و منطق کی تعلیم مکمل کی اور بغداد چلے آئے وہاں شیخ شہاب الدین سہروردی سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ شیخ نے ان کا تخلص عراقی رکھا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ملتان آ کر شیخ بہاءُ الدین زکریا ملتانی کے مرید ہوئے۔ ان سے خلافت بھی ملی اور ان کے داماد بھی ہو گئے۔ ان کا کلیات بار ہا چھپا ہے۔ اس میں ۵۸۰۰ اشعار ہیں۔ ایک مثنوی ''عشاق نامہ'' ہے۔ ان کے مشہور رسالہ ''لمحات'' کا موضوع تصوف ہے۔ اصطلاحات صوفیہ پر بھی ایک تالیف ہے۔ اس کے علاوہ ''غایۃ الامکان فی درایۃ الزمان'' نامی فارسی رسالہ بھی ان سے منسوب بتایا جاتا ہے لیکن یہ فی الحقیقت عین القضاۃ ہمدانی کا رسالہ ہے۔ اس رسالے کا اقبال کے نظریہ زمان و مکان پر گہرا اثر پڑا اور وہ ہمیشہ اس کو عراقی کی تصنیف ہی سمجھتے رہے۔

مآخذ: ۱۔ اُردو دائرہ معارف اسلامی۔ جلد ۱۳، ص ۴۴۔۴۷۔

۲۔ اعجاز الحق قدوسی: اقبال کے محبوب صوفیہ۔ ص: ۲۰۷۔۲۱۵

۱۹ مولانا انور شاہ کشمیری وادیِ لولاب کے ایک قصبہ ودھورا میں ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ مذہبی تعلیم اپنے والد محمد معظم شاہ بن عبدالکبیر سے حاصل کی۔ پھر تحصیل علم کے لیے کشمیر سے ہزارہ پہنچے۔ کچھ دن کاکول میں مولانا فضل الدین سے اکتساب کیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ جہاں ۱۹۱۶ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے حدیث کی سند حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آپ گنگوہ تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہو کر ان کے خلیفۂ مجاز ہو گئے۔ ۱۸۹۷ء میں درس و تدریس کو اپنایا اور مدرسہ امینیہ میں صدر مدرس رہے۔ ۱۹۰۵ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ ۱۹۰۹ء میں کشمیر آ کر بارہ مولا کے مقام پر مدرسہ فیضِ عام کی بنیاد رکھی۔ بعدازاں مولانا محمود الحسن کے کہنے پر دیوبند میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ ۱۹۲۶ء میں مولانا کشمیر کا دیوبند والوں سے اختلاف ہو گیا۔ انھوں نے درس و تدریس کی خدمت ترک کر دی۔ علاّمہ اقبال کو حضرت انور شاہ سے بہت عقیدت و ارادت تھی اور اکثر دینی امور میں آپ ہی سے رجوع فرماتے تھے بلکہ کئی موقعوں پر علاّمہ اقبال نے مولانا شاہؒ کی علمی، دینی

اور فقہی قابلیت کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اس سے رہبری اور رہنمائی بھی حاصل کی۔ مولانا انور شاہ کشمیری کا ۲۹ رمئی ۱۹۳۳ء میں انتقال ہوا۔

مآخذ: ا۔ اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند، ص: ۲۴۴۔۲۵۴

۲۔ کلیم اختر: اقبال اور مشاہیر کشمیر، ص: ۸۷۔۱۰۱

۳۔ عبدالرشید ارشد: بیس بڑے مسلمان، ص: ۳۷۰۔۳۹۹

۲۰ نصیرالدین طوسی: دیکھئے: خط نمبر ۱۴۷، تعلیقہ ۳۔

۲۱ گاؤس Gauss: یہ مقناطیسی لے کی اکائی ہے۔ گاؤس انیسویں صدی کے جرمن ماہر ریاضیات اور طبعیات '' گاؤس کارل فریڈرش Gauss Karl Friedrich'' کے نام پر رکھا گیا۔ چنانچہ مقناطیسی میزان کی حدّت کی اکائی ۱۹۳۲ء تک Gauss کہلاتی تھی۔ لیکن بعد میں یہ مقناطیسی لے کی اکائی کے لیے استعمال کیا گیا۔

مآخذ: The New Encyclopaedia Britannica, Vol: 5, P:151

۲۲ Georg Friedrich Bernhar Riemann: (۱۸۲۶ء۔۱۸۶۶ء) جرمن ماہر ریاضیات۔ اس نے ملتف متغیرات (Comple Variables) کے تفاعلات کے نظریے اور ریمانی ہندسے (Riemanian Geometry) پر تخلیقی کام کیا۔ آخر الذکر ایک غیر اقلیدسی ہندسہ ہے، جس سے آئن سٹائن نے بھی کام لیا۔

مآخذ: The New Encyclopaedia Britannica, Vol: 10, P:62

۲۳ جدید تحریک Hyperspace Movement (ب۔ا۔ڈار)

۲۴ Immanuel Kant (۱۷۲۴۔۱۸۰۴ء) جرمن کا عظیم فلسفی۔ ۱۷۴۰ء میں وہ دینیات کے طالب علم کی حیثیت سے یونی ورسٹی میں داخل ہوا۔ لیکن اس کو زیادہ شغف ریاضیات اور طبعیات سے بالخصوص نیوٹن کے نظریات سے ہوگیا۔ وہ گیارہ سال تک (۱۷۴۶ء۔ ۱۷۵۵ء) کاؤنٹ کیسل رنگ (Count Kesselring) کے خاندان میں اتالیق کے فرائض انجام دیتا رہا، پھر ڈگری حاصل کرنے کے بعد یونی ورسٹی میں لیکچرار ہوگیا اور ۱۷۷۰ء میں منطق اور مابعد الطبعیات کا پروفیسر مقرر ہوا۔ کانٹ کی اہم تصانیف میں ''تنقیدِ عقلِ محض'' (۱۷۸۱ء) ''تنقیدِ عقلِ عمل''، اور ''تنقیدِ تصدیق'' شامل ہیں۔

علاّمہ اقبالؔ نے ''پیامِ مشرق'' میں کانٹ کے فلسفے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فطرتش ذوقِ مے آئینہ فامے آورد
ازشبستانِ ازل کوکبِ جامے آورد

(کلیاتِ فارسی، ص:۳۳۵)

مآخذ:

1- The New Encyclopaedia Britannica, Vol: 6, P:726

2- The Encyclopaedia of Philosophy, Vol: 4, P: 305

۳۔ جگن ناتھ آزاد: اقبال اور مغربی مفکرین، ص:۴۲۔۴۵۔

۲۵ ارسطو Aristotle: چوتھی صدی قبل مسیح کا یونانی فلسفی اور سائنسدان، مقدونیہ کے ایک قصبہ سٹاگیرا میں ۳۸۴ق م میں پیدا ہوا۔ سترہ برس کی عمر میں ارسطو، ایتھنز میں افلاطون کی ''اکادمی'' میں داخل ہوا۔ بیس برس وہ وہاں رہا۔ افلاطون کی وفات کے بعد اس نے اکادمی چھوڑ دی۔ افلاطون کی زیرِنگرانی اس کی فلسفیانہ استغراق میں دلچسپی بڑھی۔ ارسطو مقدونیہ واپس آ کر بادشاہ کے تیرہ سالہ بیٹے کا ذاتی معلم بنا۔ جسے بعد ازاں سکندرِ اعظم کے نام سے جانا گیا۔ سکندر کی تاج پوشی کے بعد ارسطو واپس ایتھنز آیا۔ جہاں اس نے اپنا مدرسہ ''لائسیم (Lyceum) کے نام سے قائم کیا۔ ارسطو نے علم فلکیات، حیوانیات، عملِ تولید، جغرافیہ، علم طبقات الارض، طبیعیات، علم الابدان اور علم افعالِ اعضاء کے علاوہ قدیم یونانیوں کے علم کی قریب ہر شاخ میں بے پایاں کام کیا۔ اس کا سب سے اہم کام منطق کا نظریہ تھا۔ ارسطو کو عمومی طور پر فلسفے کی اس اہم شاخ کا بانی تصوّر کیا جاتا ہے

مآخذ: ۱۔ اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد:۲، ص:۳۷۷۔۳۸۳

۲۔ عاصم بٹ (مترجم) سو عظیم آدمی۔ ص:۸۲۔۸۶۔

۳۔ نعیم احمد: تاریخ فلسفہ یونان، ص:۱۳۷۔۱۷۶۔

۲۶ Samuel Alexander (۱۸۵۹ء۔۱۹۳۸ء) کو مابعد الطبیعیاتی فلسفے کا بانی تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس کو ابتدا ہی سے زمان و مکان کی ماہیت سے دلچسپی تھی بالآخر وہ یہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ زمان و مکان لازم و ملزوم ہیں، چنانچہ اس کے فکری نظام میں یہ دونوں غیر منقسم دکھائی دیتے ہیں۔ جب انگریز اسکالروں نے اقبالؔ کے انسان کامل کے تصوّر کو جرمن فلسفی نطشے کے خیالات و نظریات سے ماخوذ قرار دیا تو اقبال نے اس پر بڑی برہمی ظاہر کی اور

کہا کہ وہ اپنے فلسفی الیگزینڈر کے افکار تک سے تو واقف نہیں۔ اقبال نے اپنے ایک خط (محرّرہ ۱۹۲۱ء) میں ڈاکٹر نکلسن کے نام اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ الیگزینڈر کی تصانیف میں گلاسگو والے خطبات بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ جن سے اس کے غیر نفسی فلسفے کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

مآخذ: عبدالرؤف عروج: رجال اقبال، ص: ۲۸۴۔۲۸۳

۲۷ اس مضمون کا انگریزی عنوان ہے: "A plea for Deeper Study of the Muslim Scientists" ہے۔

مآخذ: Latif Ahmed Sherwanni: Speeches Writings and Statements of Iqbal, P:168-178, 4th edition: 1995.

لطیف احمد شیروانی کی مُرتّب کردہ مذکورہ کتاب اردو ترجمے (علاّمہ اقبال، تقریریں، تحریریں اور بیانات (مترجم اقبال احمد صدیقی) کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں اقبال اکادمی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں درج بالا مضمون: مسلم سائنس دانوں کے عمیق تر مطالعے کی ضرورت'' (ص: ۱۹۴ء۔۲۰۴) کے عنوان سے ہے۔

☆☆☆

معارف علمیہ
علم ظاہر و باطن[1]

اقبال کا یہ مضمون اخبار ''وکیل'' (امرتسر) کے ۲۷ر جون ۱۹۱۶ کے پرچے میں شائع ہوا تھا اور ان مضامین کی ایک کڑی ہے جو ''اسرار خودی'' کی اشاعت کے بعد معترضین کے جواب میں اقبال نے تحریر کئے تھے۔ یہ مضمون ابھی تک کسی مجموعے میں شائع نہیں ہوا۔

حضرت مجدّد الف[2] ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات[3] میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعار حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائرِ اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے۔ لیکن اہل نظر کو معلوم ہے کہ صوفیائے اسلام میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو شریعت اسلامیہ کو علم ظاہر کے حقارت آمیز خطاب سے یاد کرتا ہے اور تصوف سے وہ باطنی دستور العمل مراد لیتا ہے جس کی پابندی سے سالک کو فوق الادراک حقائق کا عرفان یا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ حضرت معروف[4] کرخی غالباً پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے تصوف پر بحیثیت ایک علمِ حقائق ہونے کے نگاہ ڈالی لیکن مسلمانوں میں اس کے حقیقی مدوّن حضرت ذوالنون مصری ہیں[5] جو اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم تھے، مالک بن انس[6] کے شاگرد تھے اور مالکی مذہب رکھتے تھے۔ فقہی علوم میں پورے ماہر ہونے کے علاوہ علم کیمیا کے ساتھ ان کو خاص دلچسپی تھی۔ پانی کی تحلیل پہلے پہلے انھوں نے کی اور ثابت کیا کہ یہ مفردات سے مرکب ہے۔ جو آدمی علم مظاہر سے اس قدر دلچسپی رکھتا ہو اس کے دل میں عالم کے کنہ اور حقیقت معلوم کرنے کی آرزو پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ حضرت ذُوالنوُّن نے معروف کرخی کے خیال کو اور وُسعت دی اور فرمایا کہ تصوف توحید کے اسرار کا علم حاصل کرنے کا نام ہے اور اس علم کا انتہائی نکتہ یہ ہے کہ عارف و معروف ایک ہی شے ہے۔ تاریخ تصوّف[7] میں ہم تصوف کی اس تعریف پر مفصل بحث

کریں گے اور دکھائیں گے کہ یہ تعریف کس طرح بتدریج وضع ہوئی اور کیوں مصروشام کے صوفیا کے ساتھ اس کا خاص تعلق ہے۔ اس وقت صرف اس قدر یاد رکھنا کافی ہے کہ صوفیا کے اس گروہ کے خیالات کی عمارت کا بنیادی پتھر علمِ ظاہر اور علمِ معارف کا امتیاز ہے۔ بعض صوفیا اس امتیاز کو علمِ حصول اور علمِ حضوری کے امتیاز سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ امتیاز نتائج کے اعتبار سے نہایت خطرناک تھا اور جو اثر اس نے مسلمانوں کے علوم' ان کے ادبیات اور ان کے تمدن و معاشرت اور سب سے بڑھ کر ان کے شعار ملّیہ پر کیا وہ ایک سخت افسردہ کرنے والی داستان ہے جو اپنے موقع پر مفصل بیان کی جائے گی مگر اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ امتیاز اور معرفت کو علم پر ترجیح دینا مذہبی اعتبار سے ہر قسم کی رہبانیت کی جڑ ہے اور علمی اعتبار سے ان تمام علوم حِسیّہ عقلیہ کی ناسخ ہے جن کی وساطت سے انسان نظام عالم کے قویٰ کو مسخر کر کے اس زمان و مکان کی دنیا پر حکومت کرنا سیکھتا ہے۔ یہی امتیاز عیسوی رہبانیت کی جڑ ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے قرآن شریف (۵۷'۲۷) میں فرمایا: **رهبانيت ابتد عوها......**[۸] **الخ** "(یعنی وہ رہبانیت جس کو عیسائیوں نے ایجاد کیا) مگر ہر مستعد قوم کی دماغی اور روحانی تاریخ میں ایک مماثلث ہوتی ہے۔ مسلمان بھی اس رہبانیت سے بچ نہ سکے جس کی حقیقت سے قرآن نے انھیں آگاہ کر دیا تھا اور آج وہ آیت جو عیسائی راہبوں کے متعلق نازل ہوئی تھی خود مسلمانوں پر صادق آتی ہے حالانکہ اکابرِ اسلام وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو رہبانیت کے خلاف متنبہ کرتے رہتے۔ مثلاً سیدالسادات ابومحمد حضرت[۹] غوث الثقلین "فتوح الغیب" مقالہ ۳۶ میں فرماتے ہیں:

> **واتقوالله ولا تخالفوه فتتركو العمل بما جايه و تخترعوا الانفسكم عملا و عبادة كما قال الله فى حق قوم ضلوا عن سواالسبيل ورهبانية ابتدعوها ماكتبنا ها عليهم......الخ**
> (۵۷'۶۷)
>
> (یعنی) اللہ سے ڈرتے رہو' اس کے خلاف نہ کرو اس طرح پر کہ ترک کر دو ان احکام کو جو اللہ کے رسول لاتے ہیں اور اپنے پاس سے بدعتیں ایجاد کرنے لگو جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ نے گمراہ قوم (عیسائی) کے حق مس فرمایا ہے کہ انھوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی۔

خدا کی رحمت ہو سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی[۱۰] پر کہ انھوں نے اس رہبانیت کی جڑ

یعنی امتیازِ علم و معرفت کے پیدا ہوتے ہی اس کے خطرناک نتائج کا احساس کر کے اس کی مخالفت کی۔ حال میں فرنساوی مستشرق موسیو میسیناں[11] نے منصور حلاج[12] کا مشہور مگر نایاب رسالہ موسوم بہ "کتاب الطّواسین"[13]، جس کا ذکر ابن الندیم[14] نے "کتاب الفہرست"[15] میں کیا ہے مع حواشی کثیرہ شائع کیا ہے۔ اس رسالے میں مؤلف نے حضرت جنید کی "کتاب المیثاق" سے مندرجہ ذیل فقرہ اقتباس کیا ہے (کتاب الطّواسین صفحہ ۱۹۵) جس سے حضرت سید الطائفہ کے حالات ناظرین کو معلوم ہوں گے۔

قال الجنید العلم ارفع من المعرفة واتم واشمل و اکمل تسمی اللہ بالعلم ولم تسمی بالمعرفة و قال "والذین اوتوا العلم درجات" (۵۸، ۱۲۷) ثم لما خاطب النبی صلعم خاطبه باتم الاوصاف واکملها و اشملها للغیرات. فقال فاعلم انه لااله الا الله "(۴۷، ۲۱) ولم یقل فاعرف" لان الانسان قدیعرف الشئی ولا تحیط به علماً واذعلمه و احاطه به علما فقد عرفه.

(ترجمہ) فرمایا جنید نے علم معرفت سے بلندتر، کامل تر اور جامع تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ علم منسوب کیا جاتا ہے۔ نہ معرفت۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے "والذین اوتوا العلم درجات"۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم کو مخاطب کیا تو کامل ترین اور اعلیٰ ترین اوصاف کے ساتھ مخاطب فرمایا یعنی فرمایا کہ جان لے کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے، اور یہ نہ فرمایا پہچان لے کیونکہ انسان کسی شئے کی معرفت رکھ سکتا ہے حالانکہ از روئے علم اس کا احاطہ نہ کیا گیا ہو، اور جب انسان کسی شے کا از روئے علم احاطہ کر لیتا ہے تو یہی اس شئے کی معرفت ہے۔

غرض کہ صوفیا کے اس گروہ کے نزدیک (۱) معرفت یا علم باطن ایک مُرتّب و منظّم دستور العمل ہے جو شریعت اسلامیہ سے مختلف ہے اور جس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے بعض کو دی اور بعض کو نہ دی۔ (۲) یہ علم باطن حضرت علی[16] سے خواجہ حسن بصری[17] کو پہنچا اور ان سے سلاسل تصوف کی وساطت سے سینہ بہ سینہ اُمّتِ مرحومہ کی آئندہ نسلوں کو پہنچا ہے۔ (۳) اس دستور العمل کی پابندی سے سالک کو مشاہدہ حقائق ہو جاتا ہے اور اس مشاہدہ کا انتہائی کمال اس امر کا عرفان ہے کہ خارجی اشیاء بہ اعتبار تعین کے غیر خدا ہیں اور باعتبار ذات کے

عین خدا اور جو تفریق ان اشیاء میں نظر آتی ہے وہ ہماری قوت واہمہ کا تصرف ہے یعنی موجود فی الخارج کی کثرت محض فریب نظر ہے یا ہندوؤں کی اصطلاح میں 'مایا' ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہو کہ اس دستور العمل کی پابندی سے انسان آخر کار قوتِ واہمہ کے بے جا تصرف سے نجات پا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہم ذات واحد کو کثرت کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ ان بزرگوں کے نزدیک بھی تحقیق توحید عرفانی کہلاتی ہے۔ اس مضمون میں ہم صرف نمبر (۱) و (۲) پر بحث کریں گے۔ نمبر (۲) و (۳) کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔ انشاءاللہ ان پر ایک علیحدہ مضمون لکھا جائے گا۔

احادیث صحیحہ میں کوئی ایسی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری جس سے یہ معلوم ہو کہ نبی کریمؐ نے علوم رسالت میں سے کوئی خاص علم بعض صحابہ کو سکھایا اور بعض سے اسے چھپایا۔ بادی النظر میں بھی یہ بات خلافِ شان رسالت محمدیہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ آخری رسالت تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا حقیقت میں بعض جلیل القدر صحابہ کی توہین ہے۔ علاوہ اس لیے ممکن نہیں کہ نصِ صریح کے ہوتے ہوئے نبی کریمؐ نے علومِ رسالت میں سے بعض کو چھپایا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الذین یکتمون ما انزلنامن البینات والھدی (۲:۱۵۹) اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہے کہ اگر علم باطن کا تعلق بَیِّنَات اور ہدایت سے ہے تو معاذ اللہ، رسول اللہ صلعم اس گروہِ صوفیہ کے عقیدے کے مطابق آیت مذکورہ کی خلاف ورزی کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بہر حال چونکہ بارِ ثبوت ان لوگوں پر ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ علم باطن علوم رسالت میں سے ایک علم ہے جس کی تعلیم نبی کریم نے صرف بعض صحابہ کو دی ہے اس واسطے جو ثبوت ان بزرگوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اس کا وزن کرنا ضروری ہے۔ چند سال ہوئے سید محمد فایق نظامی نیازی [۱۸] نے ایک رسالہ موسوم بہ "تحقیق الحق فی الجود المطلق" لکھا تھا۔ اس رسالہ میں مسئلہ وحدت الوجود [۱۹] کو جس طرح پیش کیا گیا ہے اس کی تنقید تو ہم اور موقع پر کریں گے فی الحال ہم اس روایت کا امتحان کرنا چاہتے ہیں جس کو انھوں نے عقیدہ مذکور کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ نظامی صاحب وحدت وحدت الوجود کے دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلمۂ توحید کے دو اجزاء ہیں یعنی لا الہ اللہ اور محمد رسول اللہ۔ پہلا جز و ظرف اور مآ خذ ہے علم شریعت کا اور دوسرا جز و مآ خذ ہے علم تصوف وجودی کا، جس کو علم باطن بھی کہتے ہیں اس تشریح کے بعد صاحب موصوف حضرت ابو ہریرہؓ [۲۰] کی مشہور روایت کی تشریح کرتے ہیں۔ وہ روایت یہ ہے: **عن ابی ھریرہ قال حفظت عن**

رسول الله صلی الله علیه وسلم دعائین فاما احد هما ......(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری) یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ "یاد رکھئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن یعنی دو طرح کے علم، ایک علم کو تو میں نے پھیلایا اور دوسرا علم ہے کہ اگر میں اسے پھیلاؤں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے"۔

نظامی صاحب کی رائے میں دو برتنوں میں سے یا دو علموں سے ایک علم تو شریعت کا ہے جس کا مآخذ کلمۂ توحید کا جز واوّل ہے اور دوسرا علم، علم تصوّر وجودی یا علم باطن ہے جس کے ظاہر کرنے سے وہی انجام ہوتا ہے جو حسین بن منصور کا ہوا۔ اس روایت میں لفظ "وعائین" سے دو مختلف اقسام کے مُرتّب و منظم علم مراد لینا محض زبردستی ہے۔ "وعا" کے معنی ابن اثیر[21] نے "نہایہ" میں ظرف اور مجازاً محل علم کے لکھے ہیں۔ بس صاف اور سیدھے معنی اس روایت کے یہ ہیں کہ دو قسم کی باتوں کی آ گاہی حضرت ابو ہریرہؓ کو نبی کریمؐ نے دی۔ ایک تو متفرق احکامِ دین جن کو انھوں نے خوف کے مارے شائع نہ کیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا باتیں تھیں جن کو ابو ہریرہؓ نے خوفِ جان کی وجہ سے شائع نہیں کیا؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے حضرت ابو ہریرہؓ کے دیگر اقوال کو دیکھنا ضروری ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں "اعوذ بالله من راس الستین و امارة الصبیان "یعنی میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں سن ۶۰ کے شروع اور لڑکوں کی حکومت کے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں اوروں کی نسبت زیادہ نبی کریمؐ کی صحبت میں رہے۔ ان کو بعض وہ پیشگوئیاں بھی معلوم تھیں جو رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کی خانہ جنگیوں اور فتنوں کے متعلق کی تھیں جن کا ظہور عنقریب ہونے والا تھا۔ اور چونکہ ابو ہریرہؓ کو ان جلیل القدر لوگوں سے جو بعد میں ان فتنوں میں نمایاں حصہ لینے والے تھے بصورت ان باتوں کا اعلان کر دینے کے جان کا اندیشہ تھا اس واسطے وہ کبھی صریحاً ان باتوں کا ذکر نہ کرتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی اشارۃً ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً "اعوذ بالله من راس السنین ......" ابن حجر عسقلان[22] "فتح الباری"[23] (شرح بخاری) میں فرماتے ہیں (جلد ا۔ صفحہ ۱۹۳) و محل العلما الوعا الذی لم بینه علی الا حادیث النبی فیهایتین اسامی امرا عالسوواحوالهم و زمنهم و قدکان ابوهریره یکتی عن بعضه ولا بصرح به خوفا علیه نفسه منهم کفوله اعوذ بالله من راس السنین وامارة الصبیان بشیر الی خلافة یزید بن معاویه من الهجرة استعجاب الله دعا ابی هریره فمات قبلها"[24]

(ترجمہ) علماء نے اس دعا کا جس کو ابو ہریرہؓ نے شائع نہیں کیا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں بڑے امرا کے نام ان کے احوال اور ان کے زمانوں کے کوائف درج ہیں اور ابو ہریرہؓ کنایۃً ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ڈر کے مارے ان کو مفصل نہ کہتے تھے۔ جیسے ان کا قول ''اعوذ باللہ من راس'' ہے اور اس میں اشارہ ہے یزید ابن معاویہ کی خلافت کی طرف کیونکہ یہ سن ۶۰ ھ میں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہؓ کی دعا قبول کر لی اور وہ خلافتِ یزید سے پہلے ہی رحلت کر گئے۔

اس تشریح کے بعد امام بن حجر عسقلان نے ابن منین [۲۵] کا ایک قول نقل کیا ہے جس پر حضرات صوفیہ وجودیہ کو غور کرنا چاہیے۔

''**قال ابن المنين جعل الباطنية هذا الحديث ذريعه الى تصحيح باطلهم حيث اعقدوان اللشريعة ظاهراوباطنا و ذالک الباطل**'' [۲۶]

(ترجمہ) ابن منین کہتے ہیں کہ اس حدیث (یعنی مذکورہ بالا روایت ابو ہریرہؓ) کو فرقہ باطنیہ نے اپنے باطل عقیدوں کے صحیح ثابت کرنے کا ذریعہ بنایا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ حالانکہ ایسا خیال باطل ہے۔

ابنِ منین [۲۸] کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ روایت ابو ہریرہؓ کی یہ تشریح پہلے پہل فرقہ باطنیہ نے کی اور چونکہ صوفیہ وجودیہ کو فرقہ باطنیہ سے ایک گہرا معنوی تعلق ہے جس کا مفصل ذکر پھر کبھی کیا جائے گا اس واسطے صوفیائے وجودیہ نے طبعی مناسبت کی وجہ سے یا عمداً اس تشریح کو ان سے اختیار کر لیا۔ فرقہ باطنیہ کے لوگ اکثر ایرانی تھے اور ایرانی دماغ اس قسم کی تاویلات و تشریحات میں کمال رکھتا ہے۔

مگر ہمارے خیال کی تائید میں قوی ترین ثبوت بخاری کی ایک اور حدیث ہے جس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

''**حدثنا عبدالعزيز...... عن ابی هريره قال ان الناس يقولان اكثر ابی هريره ولولا ايتان فی كتاب الله ما حديث حدثنا ثم يتلواان الذين يكمتون ماانزلنا من البينات والهدیٰ**'' [۲۹]۔

نوٹ: حدیث مذکورہ میں ایک ہی آیت درج ہے دوسری کا ذکر نہیں مگر دوسری آیت بھی اس سورۃ میں ہے اور یہ ہے ''**ان الذين يكمتون ما انزل الله من الكتب**'' اس روایت سے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ علوم رسالت کو جوان کے دماغ میں محفوظ تھے۔ شائع کرنا آیات مذکورہ کی تعمیل میں اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آیہ کریمہ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ جن امور کا تعلق ہدایت و بیّنات سے ہو ان کا کتمان احکامِ الٰہی کے خلاف ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اس آیت کی وجہ سے علوم رسول سے جو کچھ مجھے معلوم ہے' اس کی اشاعت کرتا ہوں۔ بس نتیجہ بالکل صاف ہے کہ اگر علوم باطن کا تعلق ہدایت دنیا سے ہے اور بقول حضرت صوفیہ وجود یہ ہونا چاہیے تو حضرت ابو ہریرہؓ جو اپنے آپ کو آیت مذکورہ کا عامل بتاتے ہیں ان کا کتمان کر ہی نہیں سکتے اور اگر انھوں نے کتمان کیا ہے تو ضرور ہے کہ جن باتوں کو عامۃ المسلمین سے انھوں نے چھپایا ہے ان کا تعلق ہدایت و بیّنات سے نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ جن باتوں کو حضرت ابو ہریرہؓ نے بخوف جان چھپایا ہے ان کا تعلق حقائق اسلامیہ سے مطلق نہ تھا۔

تعلیقات

۱ مثنوی ''اسرارخودی'' کی اشاعت ستمبر ۱۹۱۵ء میں ہوئی' اس کے بارہ صفحات پر مشتمل دیباچے اور خواجہ حافظ شیرازی کی شاعری پر تنقید جو ۱۳۵ اشعار پر مشتمل ہے' اس پر بعض شخصیات کی جانب سے بہت سخت علمی احتجاج ہوا۔ فریقین میں یہ علمی معرکہ دوسال تک جاری رہا جو بالآخر اکبرالہ آبادی کی مداخلت اور مشاورت سے ختم ہوا۔ مگر اس دوران میں علاّمہ اقبال نے اخبار ''وکیل'' امرتسر میں تصوّف کے چند خاص موضوعات پر اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اور دفاع میں چار مستقل مضامین اردو زبان میں لکھے۔ اسی سلسلے کا یہ مضمون ''علم ظاہر و علم باطن'' ہے۔ اس مضمون کا تذکرہ اقبالؔ کے مکاتیب میں بھی ہوا ہے۔ (بنام خان نیاز الدین خان ۸/جولائی ۱۹۱۶ء) یہ مضمون اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ علاّمہ اقبال نے اس میں شریعت کو ''علم ظاہر'' اور تصوف کو ''علم باطن'' قرار دینے والوں پر ایک تنقیدی اور تحقیقی نظر ڈالی ہے۔

۲ شیخ بدرالدین' ابوالبرکات' امامِ ربّانی' مُجدّدالف ثانی' شیخ احمد سرہندی ۱۵۶۴ء میں سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ اپنے روحانی مقام و مرتبے کے باعث مجدّد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ سترہ برس کی عمر میں علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد آگرہ تشریف لے گئے اور یہاں پر ابوالفضل اور فیضی سے ملاقات ہوئی۔ خلافت حضرت شاہ کیتھلی قادری سے حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد دہلی تشریف لائے اور حضرت باقی باللہؒ کے مرید ہوئے۔ آپؒ

نے تصوف میں پیدا ہونے والے گمراہ کُن نظریات بالخصوص مسئلہ وحدتُ الوجود کے مقابلے میں وحدت الشہود کا تصوّر پیش کیا۔ اپنے عہد کے اکابرین کی اصلاح وتزکیہ کے لیے انھیں مکاتیب لکھے جو صوفیانہ لٹریچر میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ علاّمہ اقبال بھی وحدت الوجود کے بجائے وحدت الشہود کے قائل ہیں۔ ''اسرارِ خودی'' کے ضمن میں پیدا ہونے والے قضیے میں آپؒ نے مجدّ دالف ثانی کے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔ عہدِ جہانگیری میں آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید رکھا گیا مگر آپؒ نے قید میں بھی اصلاح وتبلیغ کا مشن جاری رکھا۔ رہائی کے بعد زیادہ وقت سرہند میں گزارا اور یہیں ۱۶۲۴ء کو تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپؒ سے تصوّف کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا جو مجدّدیہ ہے۔

مآخذ: ۱) ملک حسن اختر، ڈاکٹر: اقبالؔ اور مسلم مفکرین، ص: ۲۱۳-۲۳۳

۲) اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک وہند، ص: ۸۹-۱۰۸

۳) اعجاز الحق قدوسی: اقبال کے محبوب صوفیہ، ص: ۴۴۰-۴۶۸

۳ مجدّد الف ثانیؒ نے تزکیہ وتصوف اور رُشد وہدایت کے سلسلے میں مکتوبات کا اسلوب اختیار کیا۔ آپؒ کے یہ مکاتیب تین جلدوں میں ۵۳۶ کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں، یہ مکاتیب فارسی میں لکھے گئے بعد ازاں اردو میں بھی ترجمہ ہوئے۔ یہ مکاتب ان کی سب سے بڑی علمی، تجدیدی اور اصلاحی کاوش ہے، جس سے تصوّف میں شامل بعض عجمی تصوّرات کی شدّت سے نفی کی گئی ہے۔ یہ مکتوبات اسرارِ تصوّف اور رموزِ شریعت کا مجموعہ ہیں۔

مآخذ: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، جلد: ۲، ص: ۱۶۰۲۔

۴ اسم گرامی معروف اور کنیت ابو محفوظ تھی۔ والد ماجد کا نام فیروزان تھا۔ پہلے اپنے آبائی دین آتش پرستی پر قائم تھے۔ متقدمین مشائخ میں سے تھے اور حضرت شیخ سرّی سُقطی کے استاد۔ عبدالرحمٰن جامیؔ نقشبندی نے آپ کو اپنی کتاب نفحات الانس میں بہترین الفاظ سے یاد کیا ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ بن موسیٰ رضاؒ کے دستِ راست پر اسلام قبول کیا اور پھر اپنے والدین کو بھی اسلام سے مشرف فرمایا۔ علاّمہ عبدالوہاب لکھتے ہیں کہ آپ حضرت امام علیؓ بن موسیٰ رضاؒ کے آزاد کیے ہوئے تھے۔ آپ حضرت داؤد طائی کی بھی صحبت میں رہے۔ آپ مُستجابُ الدّعوات تھے۔ آپ نے علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل حضرت سیدّنا امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہؒ کوفی سے کی۔ بیعت ظاہری حضرت سیدنا حبیب عجمی سے بھی کی، اس طرح آپ تبع تابعین

کی مقرب صف میں شامل تھے۔ وفات بغداد میں ۲۰۰ھ یا ۲۰۶ھ میں پائی۔

مآخذ: ۱)　اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد:۲۱، ص:۳۶۶۔۳۶۷

۲)　محمد دین کلیم قادری: تذکرہ مشائخ قادریہ، ص:۷۹۔۸۰

۵　ابوالفیض، ثوبان بن ابراہیم المصری ابتدائی دور کے صوفی بزرگ ہیں۔ بالائی مصر کے ایک قصبے ''اخمیم'' میں ۱۸۰ھ کے قریب پیدا ہوئے، ان کے والد نوبیہ کے رہنے والے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ایک آزاد شدہ غلام تھے۔ انھوں نے طب اور علم الکیمیا کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہوا تھا۔ ان کے افکار پر یونانی تعلیمات کا اثر بھی موجود تھا۔ ان کے استاد اور مرشد سعدون مصری بتائے جاتے ہیں۔ ذوالنوان نے مکہ مکرمہ، دمشق اور کچھ دوسرے شہروں کی سیاحت کی۔ معتزلہ نے ان سے معاندانہ سلوک کیا۔ آخر عمر میں بغداد میں قید ہوئے خلیفہ متوکل نے انھیں رہا کر دیا، اور مصر واپس آ گئے، جہاں ۲۴۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ذوالنون رئیس الصوفیہ کہلاتے ہیں۔ سحر اور کیمیا کی چند کتابیں ان سے منسوب کی جاتی ہیں۔

مآخذ:　۱)　اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد:۱۰، ص:۶۳۔۶۵

۲)　فریدالدین عطّار: تذکرہ الاولیا، ص:۸۵۔۹۸

۶　مالک بن انسؓ الاصبحی قریشی اور عرب تھے۔ آپ ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ابتدا میں اپنے بھائی کی مدد کرتے رہے، جو بزاز تھے۔ والدہ کی ترغیب و تربیت سے قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید سیکھی، پھر مستقلاً فقہ پر توجہ کی...... ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے فقہ اور حدیث میں استفادہ کیا۔ تعلیم کے بعد درس و تدریس میں مصروف ہوئے۔ صلح کی طرف سخت میلان تھا اور جدال کو ناپسند کرتے تھے۔ امام مالک کو طلاق بالجبر کے موضوع پر جسے وہ ناجائز خیال کرتے تھے، ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی ابتلاء کے اثرات سے ۷۹۱ء میں وفات پا گئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اپنے عہد کے عظیم محدث تھے۔ مؤطا امام مالک حدیث میں آپ کا شاہکار ہے، انھیں امیر المومنین فی الحدیث، امام فی الحدیث اور امام فی السنۃ کہا جاتا ہے۔

مآخذ:　۱)　اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد:۱۸، ص:۳۷۲۔۳۸۶

۲)　ملک حسن اختر: ڈاکٹر: اقبال اور مسلم مفکرین، ص:۱۹۔۲۳

۷　مکاتیبِ اقبال کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ علاّمہ اقبال نے ۱۹۱۵ء کے اواخر سے ۱۹۱۹ء کے اوائل تک ''تاریخِ تصوف'' کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ کیا

(خطوط بنام خان محمد نیاز الدین خان: ۱۳رفروری ۱۹۱۶ء اور مولانا اسلم جیراجپوری: ۱۷رمئی ۱۹۱۹ء) ''تاریخِ تصوف'' پرعلاّمہ اقبالؔ کی یہ کتاب شائع نہ ہوسکی اور نہ ہی یہ مکمل ہوئی۔اس کے ابتدائی دو مکمل ابواب اور بقیہ نامکمل ابواب کو صابر کلوروی صاحب نے مُرتّب کر کے مارچ ۱۹۸۵ء میں شائع کرا دیا ہے۔

۸ ''......**ورھبانیة ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم الا ابتغآء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا......''**

(ترجمہ) ''......اور رہبانیت انھوں نے خود ایجاد کر لی۔ہم نے اسے ان پر واجب نہیں کیا تھا مگر انھوں نے اللہ کی خوشنودی کی طلب میں (یہ بدعت ایجاد کر لی) لیکن جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا نہ نباہ سکے''۔(الحدید: ۵۷: ۲۷)

مآخذ:

القرآن الکریم وترجمہ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردیہ تفسیراز

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے حاشیے میں لکھتے ہیں: ''......حضرت مسیحؑ کے متبعین نے بے دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی' جس کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا' مگر نیت ان کی یہ ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں' پھر اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے......''

مآخذ: القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردّیۃ'' تفسیر اس مولانا سید شبیر احمد عثمانی' ص: ۷۱۸' بحوالہ: عبدالجبار شاکر: اقبال کی غیر مدوّن نثر (مقالہ: ایم فل)' غیر مطبوعہ' ص: ۲۷۳۔

۹ آپ کا نام عبدالقادر' کنیت ابومحمد اور لقب محی الدین تھا۔متاخرین نے فرطِ عقیدت سے غوث الثقلین جیسے متعدد القاب کا اضافہ کیا۔بعض لوگوں کے نزدیک ان کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسینؑ سے جاملتا ہے۔دیباچہ''فتوح'' میں انھیں نہ صرف حسنی بلکہ حسینی بھی لکھا گیا ہے۔طبرستان کے نواح میں قصبہ جیلان (جسے گیلان بھی کہتے ہیں) ۱۰۷۷ء/ ۱۰۷۸ء میں پیدا ہوئے۔نوّے سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔عمر کا بیشتر حصہ بغداد میں گزارا' یہیں وفات پائی اور یہیں پر ان کی تدفین ہوئی۔مسلک کے اعتبار سے حنبلی فقہ سے منسلک تھے۔ان کے تبحرِ علمی کی یادگار''غنیۃ الطالبین'' اور''فتوحُ الغیب'' ہیں۔

آپ کی تصنیف ''فتوح الغیب'' ساڑھے تین سو سال سے پردۂ غیب میں تھی۔ عبدالحق محدّث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۱ء) فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ معظّمہ گئے تو اس کتاب کا ایک نسخہ انھیں شیخ عبدالوہاب المتقی قادری کے ہاں نظر آیا۔ ''فتوح الغیب'' عربی میں تھی، شیخ عبدالحق نے اس کا فارسی میں ترجمہ کر دیا اور ''مفتاح الفتوح'' کے نام سے شرح بھی لکھی۔ یہ کتاب حمد و نعت کے بعد اٹھہتر مقالوں میں منقسم ہے۔ آخر میں چند ورق مصنف کے حالات، مرض اور وفات سے متعلق مُرتّب نے اضافہ کیے ہیں۔

مآخذ: ۱) عبدالماجد دریابادی: تصوفِ اسلام، ص: ۱۰۰۔۱۱۷

۲) شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص: ۱۰۴۱۔۱۰۴۲

۱۰۔ حضرت جنید بغدادی کی کنیت ابوالقاسم اور آپ کا لقب قواریری اور زجاج و خزاز ہے۔ قواریری اور زجاج آپ کو اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد بن جنید آبگینہ فروشی اور شیشے کی تجارت کرتے تھے۔ آپ خود موزہ دوزی کا کام کرتے تھے، اس لئے آپ کو خزاز کہا جاتا ہے۔ آپ کا آبائی وطن نہاوند تھا لیکن آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت سرّی سقطی کے خواہرزادے، مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ نے ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ ابن الاثیر نے انھیں ''امامِ زمانہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ مذہب صوفیہ کے بھی امام سمجھے جاتے ہیں، انھوں نے مسلک صوفیہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں ضبط کیا ہے۔ ذوالنون مصری کے صوفیانہ خیالات کو آپ نے مُرتّب کیا اور اسی میں تصوف کے اصل نظریہ کو پہلی مرتبہ پیش کیا۔

مآخذ: ۱) فریدالدّین عطارؒ: تذکرۃ الاولیا، ص، ۲۱۵۔۲۲۹

۲) اعجاز الحق قدوسی: اقبال کے محبوب صوفیہ، ص: ۲۴۔۲۷

۱۱۔ لوئی میسینؤن (Louis-Massionon) ۲۵/جولائی ۱۸۸۳ء کو پیرس کے نزدیک ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا والد فرڈی نینڈ میسینون ایک ماہر مجسمہ ساز اور مصور تھا۔ میسینؤن ۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۹ء تک پیرس میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ ۱۹۰۱ء میں اسے پہلی مرتبہ مسلم ممالک کے مطالعاتی دورے کا موقع ملا۔ ۱۹۰۶ء میں عربی زبان میں ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد قاہرہ میں ملازمت اختیار کی۔ اسی دوران میں اسے حلاج کی ''کتاب الطّواسین'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹۱۳ء میں اس نے اس کو مفید حواشی اور مقدمے کے ساتھ مُرتّب کر کے شائع کیا۔ اسی کتاب کو مزید تحقیقات کے ساتھ ۱۹۲۴ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے پیش کیا۔

اقبال کو لوئی میسینیوُن کی تحقیقات سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ چنانچہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے انگلستان جاتے ہوئے علاّمہ نے پیرس میں اس سے ملاقات کی۔ میسینیو ن ۱۹۵۳ء میں ہندوستان بھی آیا۔ ۱۹۶۲ء میں پیرس ہی میں اس کا انتقال ہوا۔

مآخذ ۱) محمد صدیق: علاّمہ اوران کے بعض احباب' ص: ۹۶۔۱۰۵

۲) صابر کلوروی' پروفیسر: تاریخِ تصوّف' ص: ۷۹۔۸۰۔

۱۲ حسین بن منصور حلاّج ۸۰۷ء کے لگ بھگ قریہ طور ضلع بیدہ میں پیدا ہوئے۔ جو شیراز سے چھ فرسنگ دور ہے۔ ان کے والد دھنیے تھے جو طور سے واسطہ چلے گئے۔ آپ نے عربی میں مہارت پیدا کی' قرآن حفظ کیا اور اس کے رمزی معانی تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش شروع کی۔ تستر میں آپ سہل تستری کے شاگرد ہوئے اور ان سے تصوف کے رموز سیکھے۔ ۱۸ر برس کی عمر میں بصرہ پہنچے اور عمرو مکی سے خرقۂ تصوّف حاصل کیا۔ چھبیس کی عمر میں پہلا حج کیا اور واپس آ کر وعظ و نصیحت کرنے لگے لیکن معتزلہ اور غالیوں کا ایک گروہ ان سے الجھ پڑا اور انھیں بدنام کیا۔ تیسرا حج کرنے کے بعد بغداد آئے اور گلی کوچوں میں کہتے پھرتے کہ مجھے قتل کر دو۔ میرا قتل تم پر مباح ہے۔ وہ سنی العقیدہ تھے۔ وزیر حامد نے علما کے ایک گروہ سے فتویٰ حاصل کر کے خلیفہ سے ان کے قتل کا حکم صادر کروا دیا' چنانچہ ۹۲۲ء کو انھیں تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

مآخذ: ۱) ملک حسن اختر' ڈاکٹر' اقبال اور مسلم مفکرّین' ص: ۲۵۔۴۲

۲) فریدالدّین عطّار: تذکرۃ الاولیا' ص: ۲۸۲۔۲۹۱

۱۳ ''کتاب الطّواسین'' حسین بن منصور حلاج کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کا مرکزی اور محوری موضوع حضورؐ کی ذاتِ گرامی' واقعۂ معراج اور نورِ محمدؐ کی حقیقت ہے۔ یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے' جس میں پہلا باب ''طاسین السراج'' اور آخری باب ''بستان المعرفۃ'' ہے یہ کتاب حلاج کی ان کتابوں اور رسالوں میں سے ایک ہے' جو اس نے اپنے ایامِ قید میں لکھے۔ اس کتاب کا طرز نگارش قرآنی اسلوب سے بہت متاثر ہے۔ اس کی نثر بہت پر تکلف ہے جس میں شاعری کا اثر بہت نمایاں ہے۔ حلاج کی اس تحریر میں ایک جوش' ولولہ اور روانی ملتی ہے۔ طواسین کے متن کو گیارہ صدیاں گزر چکی ہی۔ اس مدت میں کتاب کا متن بھی اختلاف کا شکار ہوا ہے۔ مگر لوئی میسینیوُن نے ۱۹۱۳ء میں اس کا ایک تحقیق متن پیرس سے شائع کیا۔ اور اسی متن کو علمی دنیا میں فوقیت حاصل ہے۔ علاّمہ اقبال نے جس اقتباس کو نقل کیا ہے' وہ بھی اسی ایڈیشن

سے ماخوذ ہے۔

مآخذ: عبدالجبار شاکر: اقبال کی مدوّن نثر' (مقالہ ایم فل' غیر مطبوعہ) ص: ۲۷۲۔۲۷۷

۱۴؎ اصل نام محمد بن اسحٰق ابی یعقوب الندیم ہے۔ یہ شخص بغداد میں قیام پذیر رہا۔ کتابوں کی تصحیح و ترتیب اور نقل و فروخت اس کا پیشہ تھا۔ یہ غالباً ۲۹۷ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۳۸۵ھ یا ۳۹۰ھ کے دوران میں اس نے وفات پائی۔ ابن الندیم شیعی المذہب ہے' ہم اسے دنیا کا پہلا مستند فہرست ساز یا کیٹا لاگر کہہ سکتے ہیں۔

مآخذ: محمد اسحٰق بھٹی (مترجم): الفہرست' ص: ۳۔۹

۱۵؎ ''الفہرست'' کتابیات اور تراجم کے موضوع پر ایک خاص شہرت کی حامل کتاب ہے۔ عربی زبان میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں اس دور تک کی تمام کتب اور علوم و فنون کا تذکرہ ملتا ہے۔ نیز ان کتب میں موجود اجمالی معلومات کا تذکرہ اس کتاب کی اہمیت کو بڑھا دیتا ہے۔ مستشرقین نے بھی اسے لائق اعتنا سمجھا۔ یہ کتاب ۳۷۷ھ میں تصنیف ہوئی۔ اس کے انگریزی' فارسی اور اُردو تراجم ملتے ہیں۔ (حوالۂ مذکورہ۔ ص: ۳۔۹)

۱۶؎ حضرت علیؓ کا نام علی' کنیت ابوالحسن' ابوتراب اور لقب حیدر ہے۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ فاطمہ بنتِ اسد تھیں۔ آپ حضورؐ کے چچازاد بھائی اور چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ چھوٹی عمر کے لوگوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ان کا عہدِ طفولیت حضورؐ کی تربیت میں گزارا۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ کٹھن سالوں میں آپؐ کے ہمراہ رہے۔ ہجرت کے موقع پر اہل مکہ کی امانتیں آپؓ کے سپرد ہوئیں' پھر مدینہ تشریف لے آئے۔ ۲ھ میں حضورؐ کے داماد ہونے کا شرف حاصل کیا۔ خلافتِ فاروقی میں مدینہ کے قاضی بنے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو ان کی بیعت کی اور آخر تک دست و بازو رہے۔ ان کی شہادت پر خلافت کا بارِ گراں آپ نے سنبھالا۔ آپؓ کا زمانۂ خلافت چار سال اور نو ماہ کا ہے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو آپؓ شہید ہوئے۔

مآخذ: اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ' جلد: ۱۴/۲' ص: ۲۴۔۷۰

۱۷؎ خواجہ حسن بصری (۲۱ھ۔۱۱۰ھ) بزرگ صوفی اور صاحبِ کرامات ولی۔ کنیت ابوسعید' ابومحمد اور ابی البصر ہے۔ آپ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں پیدا

ہوئے۔ ابتدا میں آپ جواہرات بیچا کرتے تھے چنانچہ لوگ آپ کو حسن لولوئی کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ سنت نبویؐ اور مطابعتِ مصطفویؐ کے بڑے پابند تھے۔ آپ مستجاب الدعوات' صاحبِ کرامات' عالی مقامات اور ظاہری و باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔

مآخذ: ۱) اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ' جلد ۸' ص: ۲۶۲۔۲۶۴

۲) سید قاسم محمود (مرتّب) اسلامی انسائیکلوپیڈیا' ص: ۸۴۷

۱۸ سید محمد فایق نظامی نیازی۔ اقبال کے معاصر ہیں اور تصوف کے وجودی نظریے کے حامی دکھائی دیتے ہیں۔

۱۹ وحدت الوجود: دیکھیے: خط نمبر ۳' تعلیقہ نمبر ۴

۲۰ ابوہریرہؓ' عمیر بن عامر بن عبد ذی الشریٰ: رسول اللہؐ کے صحابی تھے۔ آپؓ نے حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ کے طفیل اسلام قبول کیا۔ ان کا شمار ان صحابہؓ میں ہے جو علمِ حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے آپؓ کے متعلق فرمایا: ابوہریرہؓ علم کا ظرف ہے''۔ انھیں ابوہریرہؓ اس لیے کہا جاتا تھا کہ اپنے قبیلے کی بکریاں چراتے وقت وہ دل بہلانے کے لیے اپنے ساتھ ایک بلی کا بچہ رکھا کرتے تھے۔ تقریباً آٹھ سو صحابہ اور تابعین نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ کل ۵,۳۷۵ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ۶۲۹ء میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ چار سال تک آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے۔ فقر و درویشی اختیار کر کے اصحاب صفہ میں شامل ہو گئے۔ ہر وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہتے' احادیث سنتے اور یاد رکھتے۔ خلافتِ فاروقیؓ میں بحرین کے امیر رہے' عہد معاویہؓ میں مدینے کے نائب والی مقرر ہوئے۔ فتویٰ بھی دیتے تھے۔ مدینے میں غالباً ۶۷۸ء میں وفات پائی۔ اس وقت عمر ۷۸ سال تھی۔

مآخذ: اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد: ۱' ص: ۹۲۹۔۹۳۱

۲۱ المبارک بن الاثیر (۵۴۴ھ۔۶۰۶ھ) عربی نثر کے مایہ ناز ادیب اور عالمِ دین تھے۔ تفسیر' نحو' لغت' حدیث اور فقہ وغیرہ میں ماہر تھے۔ جزیرہ ابنِ عمر میں آپ کی ولادت ربیع الاوّل یا ربیع الثانی میں ہوئی اور وہیں آپ کی پرورش ہوئی' پھر آپ موصل چلے گئے۔ یہاں کے امراء کو آپ نے خطوط لکھے۔ یہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ نے بغداد میں علم حاصل کیا۔ ذی الحجہ میں موصل میں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف میں ''النہایۃ فی غریب الحدیث'' ''جامع الاصول فی احادیث الرسول''، ''الانصاف فی الجمع بین الکشف

والاکشاف تفسیری الثعلبی والزمخشری''، ''دیوانِ رسائل'' اور ''البدیع فی شرح الفصول'' مشہور ہیں۔

مآخذ: عبدالجبار شاکر: اقبال کی غیر مدوّن نثر، ص: ۲۸۲۔

۲۲ نام: احمد، ابوالفضل کنیت اور شہاب الدین لقب تھا۔ ابنِ حجر کے لقب سے مشہور ہوئے ۱۸ فروری ۱۳۷۲ء کو قدیم قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ شافعی مذہب کے مشہور و مستند محدث، مؤرّخ اور فقیہہ تھے۔ بچپن میں والدین کے سائے سے محروم ہو گئے۔ حافظِ قرآن تھے۔ اپنے آپ کو حدیث کے مطالعے کے لیے وقف کر لیا اور دس سال تک زین الدّین العراقی (م ۸۰۰ھ) سے حدیث پڑھی۔ ۱۴۲۲ء میں قاضی القضاۃ مقرر ہو گئے اور اکیس برس تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ان کی متعدد تصانیف یادگار ہیں، جن میں ''فتح الباری فی شرح البخاری'' یا ''فتح الباری بشرح صحیح بخاری'' سب سے ممتاز ہے۔

مآخذ: اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد: ۱، ص: ۴۷۹۔۴۸۲

۲۳ ''فتح الباری'' قرآن مجید کے بعد علومِ اسلامی میں جس کتاب کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، وہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (۱۹۴ھ۔۲۵۶ھ) کی ''الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہٗ'' ہے، جو ''صحیح بخاری'' کے مختصر نام سے زیادہ مشہور ہے۔ حدیث کی اس کتاب کی ہر دور میں بہت سی شروح و احواشی لکھی گئی ہیں، جن کی تعداد دو سو سے زاید ہے۔ ابنِ خلدون کی آرزو تھی کہ اس کتاب کی کوئی ایسی شرح لکھی جائے جس سے اس کا علمی اور تحقیقی حق ادا ہو جائے۔ ان کے نزدیک ایسی شرح امت کے ذمّے ایک علمی قرض تھا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی کی شرح ''فتح الباری'' کے بعد یہ قرض ادا ہو گیا۔ علمائے حدیث نے بالاتفاق اس شرح کو سب سے اعلیٰ اور عمدہ قرار دیا ہے۔

مآخذ: اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد: ۴، ص: ۱۲۰۔۱۲۳

۲۴ مذکورہ حدیث کی شرح کا اصل متن یوں ہے:

و حمل العلما الوعا الذی لم یبثه علی الا حادیث التی فیهاتبیین اسامی أمراء السووؤء احوألهم و زمنهم و قدکان ابوهریره یکتی عن بعضه ولا بصرح به خوفاً علی تفسه منهم کفوله أعوذ بالله من رأس السنین وامارة الصبیان یشیر الی خلافة یزید بن معاویة لا نهاکانت سنة سنین من الهجرة واستجاب الله

دعاء أبی هریرہ فمات قبلها بسنة''۔

حوالہ: عبدالجبار شاکر: اقبال کی غیر مدوّن نثر، ص:۲۸۴۔

۲۵ اس کی املا ''ابن المنیر'' ہونا چاہیے۔

۲۶ مذکورہ حدیث کی شرح کا عربی متن اور اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''قال ابن المنیر: جَعل الباطنیه هذا الحدیث ذریعه الیٰ تصیح باطلهم حیث اعتقدوا أن للشریعة ظاهراً و باطناً، وذالک الباطن انما حاصله الانحلال من الدین''۔

(ترجمہ) ابن المنیر کہتے ہیں کہ اس حدیث (یعنی مذکورہ بالا روایت ابو ہریرہؓ) کو فرقہ باطنیہ نے اپنے باطل عقیدوں کے صحیح ثابت کرنے کا ذریعہ بنایا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اور اس باطن کا حاصل تو بس دین سے انحراف ہی ہے''۔

مآخذ: حوالۂ مذکورہ حاشیہ: ۲۴، ص ۲۸۵

۲۷ فرقہ باطنیہ: (الف) اسمٰعیلیوں کو یہ نام خصوصاً اس لیے دیا گیا کہ وہ قرآن مجید اور احادیث ظاہری الفاظ کے ''باطنی'' معنوں پر زور دیتے تھے۔ (ب) عموماً اس کلمے کا اطلاق ہر ایسے شخص پر بھی ہوتا تھا جس پر ایہ الزام ہو کہ وہ قرآن و حدیث میں لفظی معنوں کو رد اور باطنی معنوں کو قبول کرتا ہے۔ اسمٰعیلیہ اور ان سے ملتے جلتے شیعہ گروہوں میں ایک خاص قسم کی تاویل کا ارتقا ہوا، جسے ''باطنی تفسیر'' کہہ سکتے ہیں۔ باطنی نظام کے چار بنیادی تصوّرات ہیں: ۱۔ باطن، ۲۔ تاوی، ۳۔ خاص و عام اور ۴۔ تقیّہ یہ سب بنیادی تصورات کسی بھی عقیدے کی تبلیغ کے وقت لازماً پیشِ نظر رہتے تھے...... باطنی تحریک کے آثار بعد کے گروہوں، مثلاً حروفیوں، روشنیوں اور بابیوں میں ملتے ہیں، جو انھیں کی طرح رمزی تشریحات کرنے کے عادی ہیں۔

مآخذ: اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد: ۳، ص: ۹۴۱۔۹۴۳

۲۸ اس کی املا ''ابن المنیر'' ہونا چاہیے۔

۲۹ اس حدیث کا اصل متن یوں ہے۔

''حدّثنا عبدالعزیز بن عبدالله قال حدّثنی مالک عن ابنِ شهاب عن الاعرج عن ابی هریره قال: ان الناس یقولون: اکثر

ابـوهـريره ولو آيتانٍ فی کتاب الله ما حدثت حديثاً ثم يتلوا (ان الـذيـن يکتمون مآ انزلنا من البينات. ...... الی قوله......(الرحيم) (البقره ۲: ۱۵۹. ۱۶۰)

۳۰ ''ان الذين يکتمون......'' (البقره۲:۱۵۹۔۱۶۰)

۳۱ ان الذين يکتمون ما انزل الله من الکتب......(البقره۲:۱۷۴)

☆☆☆

مسلمانوں کا امتحان

ایک دن محمد دین فوق نے اقبالؔ سے اسلامی تصوّرات سے متعلق چند سوالات کئے۔ اقبال کے جوابات کو انھوں نے مختصراً اپنے ہفتہ وار اخبار کشمیری (۱۴/جنوری ۱۹۱۳ء) میں عنوان بالا سے شائع کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اقبال ''اسرارِ خودی'' کی تصنیف میں مشغول تھے۔ ''ترتیب خودی'' کے دوسرے مرحلے ضبطِ نفس کے عنوان کے تحت اقبالؔ نے ان ہی شعائر اسلام کی افادیت ایک دوسرے رنگ میں بیان کی ہے۔

اگر مذہبی پہلو سے اسلامی زندگی کو دیکھا جائے تو وہ قربانیوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً نماز ہی کو لو۔ یہ بھی ایک قربانی ہے۔ خدا نے صبح کی نماز کا وہ وقت مقرر کیا کہ جب انسان نہایت مزے کی نیند میں ہوتا ہے اور جب بستر سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا خدا کے نک بندے اپنے مولیٰ وآقا کی رضا کے لیے خوابِ راحت کو قربان کر دیتے ہیں اور نماز کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر نماز ظہر کا وہ وقت مقرر کیا جب انسان اپنی کاروباری زندگی کے انتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہوتا ہے یعنی اپنے کام میں نہایت مصرورف ہوتا ہے۔ عصر کا وقت وہ مقرر کیا جب دماغ آرام کا خواستگار ہوتا ہے اور تمام اعضا محنت مزدوری کی تھکاوٹ کے بعد آسایش کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ پھر شام کی نماز مقرر کر دی جب کہ انسان کاروبار سے فارغ ہو کر بال بچوں میں آ کر بیٹھتا ہے اور ان سے اپنا دل خوش کرنا چاہتا ہے۔ عشاء کی نماز کا وقت وہ مقرر کیا جب کہ بے اختیار سونے کو جی چاہتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے دن میں پانچ مرتبہ مسلمانوں کو آزمایا ہے کہ وہ میری راہ میں اپنا وقت اور اپنا آرام قربان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے بعد زکوٰۃ وصدقات مقرر کئے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ میرے بندے میری رضا میں' میری راہ میں اور میری خاطر اپنا مال بھی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جہاں ان کے لیے مختلف قسم کی نعمتیں مہیا کیں وہاں روزوں کی شرط بھی لگا دی کہ یہ لوگ میری خاطر بھوکے بھی رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ میری خاطر ان گوناگوں نعمتوں سے جن کو یہ زبان کا چٹخارہ سمجھتے ہیں منہ موڑ سکتے ہیں یا نہیں؟ پھر یہ دیکھا کہ ان کو ان کے وطن اور ان کے بال بچوں کی محبت نے جکڑ رکھا ہے' گھر سے قدم باہر نکالنا ان کے لیے دشوار ہو رہا ہے۔ کیا میری خاطر

علائق دنیوی کوترک کر سکتے ہیں؟ اس کی آزمایش کے لیے اپنے بندوں پر حج کا اضافہ کر دیا کہ دیکھیں کون کون اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال سے میری خاطر ایک عرصہ تک کی مفارقت اختیار کر سکتا اور رستے کے مصائب برداشت کر سکتا ہے؟ جب دیکھا کہ یہ لوگ اپنے آرام و اسائش، اپنے وقت اور اپنے مال اور اپنے وطن اور اپنے عیال کو مجھ پر قربان کر سکنے کے قابل ہیں تو جہاد مقرر کر دیا یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا اب میری خاطر یہ لوگ اپنی جان بھی جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز عزیز نہیں ہو سکتی قربان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ غرض ارکان اسلام کی پابندی مسلمانوں کا ایک عظیم امتحان ہے اور دراصل اسی کا نام اسلامی تصوّف ہے کیونکہ شعائر اسلام کی پابندی سے روح کو وہ تدریجی تربیت حاصل ہو یت ہے جس کی وجہ سے اس میں تبتیل الا اللہ کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

۴

مکتوب الیہم اور مکاتیبِ اقبال

بنام خواجہ غلام الحسنین

تعارف

یہ دسمبر ۱۸۶۸ء میں پانی پت (ریاست ہریانہ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان تیرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا۔ ان کے مورثِ اعلیٰ خواجہ ملک علی انصاری جو ہرات کے حضرت ابوعلی انصاری کے خاندان سے تھے، ہندستان آئے تھے۔ خواجہ غلام الحسنین نے فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ دہلی سے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ پانچ سال مولانا حالی کی صحبت میں گزارے کہ یہ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ دنیا کے تمام مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا تھا، جس کی وجہ سے مذہب کے معاملے میں ان کا بڑا سیکولر مشرب تھا۔ انھوں نے ہربرٹ سپنسر Herbert Spencer کی مشہور تصنیف "Philosophy of Education" (فلسفۂ تعلیم) کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔

مآخذ: کلیات مکاتیب، اوّل، ص: ۱۰۱۵۔

(۱)

مائی ڈیر خواجہ صاحب! (انگریزی سے)

میں نے سپنسر (Spencer) کی تصنیف ''ایجوکیشن'' (Education) کے آپ کے اردو ترجمے کو جستہ جستہ دیکھا ہے، جب مولانا شبلی نے گزشتہ سال مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا سپنسر کی تصنیف ''سن تھیٹک فلاسفی'' "Synthetic Philosophy" کے کچھ حصوں کا اردو میں ترجمہ ہوسکتا ہے تو میں نے ان کو لکھ دیا تھا کہ یہ کوشش اس بنا پر ناکام رہے گی کہ اس کوزہ میں مواد کا یہ سمندر نہیں سما سکتا، لیکن آپ کے ترجمے نے مجھے قائل کر دیا ہے کہ میرا فیصلہ اس حسین ترین اور ترقی پسند زبان کے تمام تر امکانات کی لاعلمی پر مبنی تھا کہ اس میں عربی زبان کی لچک اور ترکیبیں وضع کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت موجود ہے۔ جو اس میں اور دوسری امتزاجی زبانوں میں قدرِ مشترک ہے۔ اکثر اوقات مغربی سائنٹیفک مباحث پر جدید اردو ترجمے ایک

نوع کے تصنع اور آورد کی غمازی کرتے ہیں۔اس کے برعکس اردو زبان کی ترقی کی ابتدائی منزل کو دیکھتے ہوئے آپ[1] کی عبارت کی بے تکلف روانی بالکل حیرت انگیز ہے۔اگر ہربرٹ سپنسر ہندوستانی ہوتا تو وہ بھی اردو میں اس سے بہتر تحریر اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ امر کہ اس قدر اعلیٰ درجے کا ترجمہ ہو سکتا ہے، آپ کی صلاحیت اور زبان پر قدرت پر دال ہے بلکہ اس نوخیز اور ہونہار زبان کی ہیئت (Genius) اور ممکنات کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

آپ کے بیش بہا ترجمے کی ایک خصوصیت پر اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنی کتاب میں (مصنف کے نظریات و خیالات) پر ایک مسلسل تجزیہ بھی شامل کیا ہے، جس سے کسی مسئلے کے نمایاں نکات پر آپ کی گرفت کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب عام طور پر بھی پڑھی جائے گی اور آپ کا تجزیہ سپنسر کے خیالات کو سمجھنے اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔

آدب و نیاز کے ساتھ

آپ کا مخلص

محمد اقبال (۱۹۰۴ء)

حواشی

[1] ''انوار'' (ص:۲) میں صرف یہ دو جملے بطور رائے درج ہیں۔ڈاکٹر اخلاق اثر نے اس خط کا پورا اصل انگریزی متن فراہم کیا ہے، جو خواجہ غلام الحسنین کی تصنیف ''فلسفۂ تعلیم'' میں شائع ہوا تھا۔ یہ ہربرٹ سپنسر کی تصنیف ''ایجوکیشن'' (Education) کا اردو ترجمہ ہے، جو رفاہِ عام سٹیم پریس لاہور نے ۱۹۰۴ء میں شائع کیا۔''انوار'' میں اس کا سالِ اشاعت ۱۹۰۳ء دیا ہے، جو درست نہیں۔ناشر کا نام مولوی ممتاز علی چھپا ہے۔اس کتاب میں ناشر نے خط کا آخری حصہ (With Regards, Yours Sincerely Mohd. Iaqbal) شامل نہیں کیا۔

مآخذ: کلیاتِ مکاتیب، اوّل، طبع دوم فروری ۱۹۹۱ء ص: ۱۲۱۱۔۱۲۱۲۔

☆☆☆

بنام خواجہ حسن نظامی

تعارف:

اصل نام علی حسن، ۱۸۷۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد سید عاشق علی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی درگاہ کے خادموں میں شامل تھے۔ حسن نظامی نے مولانا رشید احمد گنگوہی سے علوم دینی حاصل کیے۔ ابتدائی زندگی عسرت میں بسر ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں والدین کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے سب سے پہلا مضمون انڈیا گزٹ کے لیے ۱۸۹۸ء میں ''انڈیا کی نازک حالت'' کے عنوان سے لکھا۔ سب سے پہلے کتاب ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔ انھوں نے اردو زبان وادب کی بے پناہ خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد سو سے زاید ہے۔ خواجہ حسن نظامی، علاّمہ اقبال کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ اس کا اندازہ ان کے خطوط سے لگایا جاسکتا ہے، جو اقبال نے خواجہ کو ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۵ء کے درمیانی عرصے میں لکھے (اقبال نامہ، دوم، ص: ۳۵۲ تا ۳۲۸) ان خطوط کے سرنامے اس طرح کے ہیں: خواجہ صاحب مکرم، جناب خواجہ صاحب، مخدومی خواجہ صاحب، اسرارِ قدیم سید حسن نظامی، پُر اسرار نظامی، سرمست سیّاح کو سلام اور ڈیر نظامی...... اقبالؔ نے ایک شعر میں خواجہ حسن نظامی کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا
ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو

(''باقیات اقبال''، ص: ۱۵۸)

مثنوی ''اسرار خودی'' کی اشاعت پر ہندوستان کے بعض اہلِ تصوف نے اقبال کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اس مخالفت میں حسن نظامی اور ان کے مرید پیش پیش تھے۔ اقبال نے اپنے مؤقف کی وضاحت میں متعدد مضامین لکھے۔ ''وکیل، خطیب'' اور ''زمیندار'' میں موافقانہ اور مخالفانہ مضامین کا سلسلہ جاری تھا کہ اکبرالٰہ آبادی نے ثالثی کے فرائض انجام دیتے ہوئے صلح کرا دی اور اقبال کی مخالفت کا طوفان تھم گیا۔ اقبال اور حسن نظامی کے درمیان حسبِ سابق محبت اور خلوص کی فضا بحال ہوگئی۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا ظفر علی خان کے ہفت روزہ ''ستارۂ صبح'' میں تصوف کی مخالفت میں چند مضامین شائع ہوئے تو بعض بدنیتوں نے حسن نظامی کو اقبال کے خلاف بھڑکایا کہ یہ سب اقبال کی شہ پر ہو رہا ہے مگر میر غلام بھیک نیرنگ نے خواجہ کو یقین دلایا کہ

اس میں اقبال کا ہاتھ نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے ایک خط لکھ کر اقبال سے معذرت کی۔ بعد کے عرصے میں اقبال اور حسن نظامی کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں اور خط و کتابت بھی رہی۔ تا حال حسن نظامی کے نام اقبال کے بیس خطوط دستیاب ہوئے ہیں، تفصیل یہ ہے:

(i) اقبال نامہ، حصہ دوم، (ص:۳۵۲۔۳۶۸):۱۴خطوط۔

(ii) خطوطِ اقبال، (ص۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۲۰):۴خطوط

(iii) انوارِ اقبال، (ص:۴، ۱۸۴):۲خطوط

حسن نظامی نے ۳۱ر جولائی ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) مرتضیٰ نقوی، امام، ڈاکٹر، ’خواجہ حسن نظامی۔ حیات اور ادبی خدمات‘‘، ص:۱۶۔۹۲

۲) عبدالقوی دسنوی، ’’اقبالیات کی تلاش‘‘، ص:۱۶۲، ۲۰۴،

۳) فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر، ’’معاصرینِ اقبال‘‘، ص:۲۷۶

(۲)

لاہور[1]

۲۶ر جنوری ۱۹۱۷ء

مخدومی خواجہ صاحب

السلام علیکم۔ میں آپ کے انداز بیان کا عاشق ہوں اور مجھی پر کیا موقوف ہے، ہندوستانی دنیا میں کوئی دل ایسا نہیں جس کو آپ کے اعجاز قلم نے مُسخّر نہ کر لیا ہو۔

پیش پا افتادہ چیزوں میں اخلاقی اور روحانی اسرار دیکھنا اور اس کے ذریعے انسان کے عمیق مگر خوابیدہ جذبات کو بیدار کرنا آپ کے کمال کا خاص جوہر ہے۔ اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ ایسا اندازِ تحریر کوشش سے حاصل ہو سکتا تو قافیہ پیمائی چھوڑ کر آپ کے مقلدین میں داخل ہوتا۔ اُردو لکھنے والوں میں آپ کی روش سب سے نرالی ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ نثر اردو کے آیندہ مؤرخین آپ کی ادبی خدمات کا خاص طور پر اعتراف کریں گے۔

رسالہ ’’بیوی کی تعلیم‘‘[2] جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے، نہایت

دلچسپ اور مفید ہے خصوصاً دمڑی والے سبق نے تو مجھے ہنسایا بھی اور رُلایا بھی۔

باقی سبق بھی نہایت اچھے اور کارآمد ہیں اور عام تمدنی، سیاسی و مذہبی مسائل کو سمجھانے کے لیے خط و کتابت کا طریق بھی نہایت موزوں ہے۔ لڑکیوں کو اس سے بے حد فائدہ پہنچے گا۔

میں نے بھی یہ رسالہ گھر میں پڑھنے کے لیے دے دیا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کو خواجہ بانو[1] کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کی تحریک سے ایسا مفید رسالہ لکھا گیا۔

والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

تحقیق متن:

i یہ خط ''کلیاتِ مکاتیب، اول'' (ص:۵۵۶،۵۵۴) میں بھی شامل ہے۔ غالبًا اس کا مآخذ ''انوار'' ہے، کیونکہ اس کا متن اور ''انوار'' کا متن یکساں ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱ حسن نظامی نے معاشرتی اصلاح سے متعلق چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے۔ ان کے نزدیک غلط اور مہمل رسموں کو تقویت دینے میں عورتوں کا بڑا ہاتھ ہے، کیونکہ وہی مردوں کو ایسا کرنے پر اکساتی ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں کی غمی سال بھر تک گھر میں رہتی ہے۔ چاہے بچوں کے کھانے کو کچھ نہ ہو مگر فصل کی نئی ترکاری پر مرنے والے کی نیاز ضرور ہو۔ پڑوسن کہتی ہیں اے ہے بیچارہ ترستا پھڑکتا گیا ہے، اس کو بھی تو کچھ بھیجو بیلی! اسلام نے پھولوں، دسویں، بیسویں، چالیسویں کا کہیں حکم نہیں دیا۔ یہ سب خدا، رسولؐ کے خلاف رسمیں ہیں۔ بس یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی مرجائے تو اِنّاللّٰہ پڑھیں اور خدا کی مرضی پر صبر کریں''۔

مآخذ: ۱) حسن نظامی ''بیوی کی تعلیم''ص:۸۷بحوالہ:''خواجہ حسن نظامی.....حیات اورادبی خدمات''ص:۱۳۵۔

۲) حسن نظامی کی پہلی بیوی (ان کے چچا معشوق علی کی لڑکی حبیب بانو) کا ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔ سات سال تک انھوں نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ ۱۹۱۵ء میں حور بانو (پہلی بیوی سے بیٹی) کی خالہ کی لڑکی محمودہ خواجہ بانو سے دوسرا عقد کیا۔ یہاں خواجہ بانو سے مراد دوسری بیوی ہیں۔

(۳)

لاہور

۱۱رجنوری ۱۸ء[1]

مخدوم ومکرم جناب خواجہ صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط کئی دن سے آیا رکھا ہے۔ مجھے مصروفیت رہی اس وجہ سے جواب نہ لکھ سکا۔ معاف کیجئے گا۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ میر نیرنگ[1] صاحب نے آپ کو خط لکھا ہے جس نے آپ کو ''بدگمانی کے گناہ'' سے بچالیا۔

الحمد لله علی ذالک

آپ کو معلوم ہے تقریباً دوسال ہوئے میں نے ان اعتراضات کے جواب میں جو آپ نے مثنوی ''اسرار خودی''[۲] پر کیے تھے چند مضامین میں مسائلِ تصوف[۳] پر لکھے تھے۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسئلہ ''وحدت الوجود''[۴] ان معنوں میں کہ ذاتِ باری تعالیٰ ہر شے کے عین ہے قرآن سے ثابت نہیں اور روحانیت میں اسلامی تربیت کا طریق ''صحو''[۵] ہے نہ ''سُکر''[٦]۔ آپ ہی کے اخبار ''خطیب'' میں حضرت صوفی قاری شاہ سلیمان[۷] نے ان دونوں مسائل کے متعلق میرے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ باوجود اس کے کہ مجھے ہمیشہ اس بات کا تعجب رہا کہ آپ اور آپ کے احباب اس اختلاف کی وجہ سے مجھے کیوں دشمنِ تصوف سمجھتے ہیں؟ یہ اختلاف کوئی نئی بات نہیں بلکہ

حضراتِ صوفیہ میں ایک عرصے سے موجود ہے۔ بہر حال جن خیالات کا اظہار میں نے اخبار ''وکیل'' میں کیا تھا ان کی صحت و صداقت کا مجھے اب تک یقین ہے گو ان پر بحث کرنا کئی وجوہ سے غیر ضروری جانتا ہوں۔ عوام بلکہ خواص کو بھی ان اصولی امور میں کوئی دلچسپی نہیں اور نہ اس قسم کے مباحث اخباروں کے لیے موزوں ہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ مولانا اکبر[8] (الٰہ آبادی) نے جن کا ادب و احترام میں اس طرح کرتا ہوں جس طرح کوئی مرید اپنے پیر کا احترام کرے (مجھے لکھا کہ یہ بحث غیر ضروری ہے۔ اس دن سے آج تک میں نے ایک سطر بھی ان مباحث پر نہیں لکھی۔ گو ذاتی فائدے کے خیال سے مطالعہ جاری رکھتا ہوں۔ اب جو مولوی ظفر علی خان صاحب[9] نے اخبار ''ستارۂ صبح'' میں یہ بحث دوبارہ چھیڑی تو بوجہ ان دیرینہ تعلقات کے جو میرے اور ان کے درمیان ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ اس بحث میں مجھے کمال دلچسپ ہے بعض لوگوں کو یہ بدگمانی ہوئی ''ستارۂ صبح'' کے مضامین میں لکھتا ہوں یا لکھواتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرے قلم سے ایک سطر بھی اس بحث پر نہ نکلی اور نہ میں نے مولوی صاحب موصوف (ظفر علی خاں) کو کوئی مضمون لکھنے کی تحریک کی ہے بلکہ پرائیویٹ گفتگو میں کئی امور میں مَیں نے ان سے اختلاف کیا ہے! اس کے علاوہ میں تو اصولی بحث کو جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں اخباروں کے لئے موزوں نہیں سمجھتا چہ جائیکہ کسی اور کو اس کے جاری رکھنے کی تحریک کروں۔ البتہ موجودہ نتائج کے حالات پر لکھنے اور ہمدردانہ لہجے میں ان کے خیالات و رسوم کی تنقید کرنے سے قوم کو ضرور فائدہ ہوگا۔ اگر مولوی ظفر علی خاں یا آپ اس طرف توجہ کریں تو ''چشم ما روشن دل ما شاد'' غرض کہ آپ کو میری نسبت بدگمانی کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اور اگر کسی وجہ سے بدگمانی ہو بھی گئی تو آپ مجھ سے براہِ راست دریافت کر سکتے تھے۔ لوگ تو اس قسم کی باتیں اُڑایا ہی کرتے ہیں۔ دو چار روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اقبال نے اپنی ٹوپی ہمارے قدموں پر رکھ کر ہم سے معافی مانگی ہے اور آیندہ کے لیے توبہ کی ہے۔ میں نے انھیں یہ جواب دیا کہ

جن لوگوں کے عقاید وعمل کا مآ خذ کتاب وسنت ہے' اقبالؔ ان کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے! اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت وآبرو پر ترجیح دیتا ہے لیکن جو بات خواجہ حسن نظامی کی طرف سے منسوب کرتے ہو تو اس کے لغو ہونے میں مجھے ذرا بھی[ii] شبہ نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اگر آپ چاہیں تو یہ خط شائع کر سکتے ہیں[۱]۔ والسلام

محمد اقبال از لاہور

تحقیق متن:

i یہ خط رسالہ ''خطیب'' دہلی (مورخہ ۲۲۔۳۰) جنوری میں شائع ہوا۔ بعدازاں ''قومی زبان''......(۱۹۶۳ء) اور ''کلیاتِ مکاتیب اقبالؔ' جلد اول'' (ص:۶۸۹) میں بھی شائع ہوا...... ''کلیاتِ مکاتیب'' میں ۱۹۱۸ء کے بجائے ۱۸ء ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ علاّمہ اقبال عموماً سنہ اسی طرح لکھتے تھے۔

ii ''قومی زبان'' میں ''مجھے ذرا بھی'' اور ''انوار'' میں ''کوئی'' ہے' زیادہ بہتر ''مجھے ذرا بھی'' ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱ میر نیرنگ دورانہ' تحصیل وضلع انبالہ میں ستمبر ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ اصل نام غلام محی الدین تھا' جسے دورانہ سے قریب ایک مقام ٹھسکہ کے ایک صوفی بزرگ جناب میراں بھیکھ سے عقیدت کی نسبت سے تبدیل کر کے غلام بھیک رکھا گیا۔ نسباً سید تھے اور سلسلۂ نسب امام علی رضا سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم انبالہ میں پائی پھر گورنمنٹ کالج اور لا کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ ۱۹۰۰ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے انبالے میں پریکٹس شروع کی اور بہت جلد چوٹی کے وکلا میں شمار ہونے لگے۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک سرکاری وکیل بھی رہے۔ مگر بعد میں ملازمت چھوڑ کر پریکٹس کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے تعلیمی' اصلاحی اور اسلامی انجمنوں کے صدر اور سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیے۔

میر نیرنگ کی گورنمنٹ کالج لاہور کی متعلمی (۱۸۹۵ء) کے زمانے میں علاّمہ اقبالؔ

سے ملاقات ہوئی جو بعدازاں دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ بقول سرعبدالقادر' اقبالؔ اور نیرنگؔ مولوی ضیاءالدین احمد کے وسیع مکان کے اکھاڑے میں کبھی کبھی لنگوٹ باندھ کر کشتی لڑا کرتے تھے۔ ذہنی ورزش کے لیے اقبالؔ اور نیرنگؔ ایک ہی زمین میں ایک ساتھ طبع آزمائی بھی کیا کرتے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں جب اقبالؔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان جا رہے تھے تو نیرنگؔ انھیں الوداع کہنے دہلی تک گئے۔ پھر ۱۹۰۸ء میں جب اقبالؔ پی۔ ایچ ڈی اور بیرسٹری کی سند لے کر کامیاب و کامران وطن لوٹے تو میر نیرنگ انبالے سے ان کے استقبال کو دہلی پہنچے اور اقبال کی پسندیدہ زمین میں ایک غزل کہی' جس کا مطلع یہ تھا: ؎

فصلِ بہار آئی پھر گلشن سخن میں
ایک جشن ہو رہا ہے مرغانِ نغمہ زن میں

اقبالؔ میر نیرنگؔ کی شاعری کے مداح تھے۔ انھیں اور نادر کاکوری کو اپنا ''ہم صفیر'' قرار دیا ہے:

نادرو نیرنگؔ ہیں اقبالؔ میرے ہم صفیر
ہے اسی تثلیث فی التوحید کا سودا مجھے

علامّہ نے مثنوی ''اسرارِ خودی'' کا ایک نسخہ میر نیرنگؔ کو بھیجا۔ اس میں تصوف اور خواجہ حافظ پر کی گئی سخت گیری انھیں بے حد ناگوار گزری تاہم اس موضوع پر باہمی تبادلۂ خیال سے نیرنگؔ صاحب کا اختلاف دور ہوگیا۔ چنانچہ جب اقبال نے ''رموزِ بے خودی'' لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کا ایک خاکہ نیرنگ کے پاس بھی بغرضِ مشورہ بھیجا۔ اقبال' میر نیرنگ کی قابلیت اور رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ (انوار ص: ۱۹۵)

میر نیرنگؔ نے تحریکِ خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ متحدہ ہندوستان کی مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن تھے' انھوں نے ایک مسوّدہ قانون پیش کیا جسے شریعت بل کہتے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد انبالے سے پاکستان آ گئے۔ یہاں بھی پاک دستوریہ کے رکن کی حیثیت سے تعمیرِ ملت کے ہر منصوبے میں عملاً حصہ لیا۔ ''کلامِ نیرنگ'' اور غبارِ افق'' ان کی شاعری کی یادگاریں ہیں۔ ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۲ء کو لاہور میں انتقال کیا اور یہیں آسودۂ خاک ہوئے۔

مآخذ: ۱) معین الدین عقیل' ڈاکٹر' (مرتب) کلامِ نیرنگؔ' ص: ۹۔۴۴۔
۲) عبداللہ قریشی' ''معاصرین اقبال کی نظر میں' ص: ۶۳۔۸۵۔
۳) گوہر نوشاہی (مرتب)' ''مطالعۂ اقبال' ص: ۱۹۔۴۶۔

۲؎ ''اسرارِخودی'' اقبال کی اولین شعری تصنیف اور فارسی میں پہلا شعری مجموعہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ مثنوی دیباچے میں اقبال نے مختصراً مثنوی کے موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اس مثنوی کے ایک باب بعنوان: ''در بیان اینکہ افلاطونِ یونانی و حافظؔ شیرازی کہ تصوف و ادبیات اقوام اسلامیہ از تخیلات ایشاں اثر عظیم پذیرفتہ بر مسلک گوسفندی رفتہ اند واز ایشاں احتراز واجب است'' میں افلاطونِ یونانی اور حافؔ شیزارزی پر کڑی تنقید ملتی ہے۔ مثنوی ''اسرارِخودی'' کے دیباچے اور حافظؔ پر ان تنقیدی اشعار سے ایک زبردست علمی معرکہ بپا ہوا۔ خواجہ حسن نظامی نے اس کی ابتدا کی اور اپنے ایک مرید و معتقد ذوقی شاہ سے ایک مضمون لکھوایا' جو ''خطیب'' دہلی میں ۳۰ر نومبر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ ذوقی شاہ کے اس مضمون کے جواب میں اقبال کے ایک حامی نے ''کشاف'' کے نام سے ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۵ء کے ''وکیل'' امرتسر میں ایک مضمون لکھا۔ ان کے جواب میں اقبال نے ۱۵ر جنوری ۱۹۱۶ء کو ''وکیل'' امرتسر ہی میں اپنا ایک مضمون ''اسرارِخودی اور تصوف'' کے عنوان سے لکھا۔ یہ قلمی جنگ ''سراج الاخبار'' جہلم' ''وکیل'' امرتسر'' ''خطیب'' دہلی' ''آگرہ'' اخبار' ''اخبار لمحات'' اور راجا غلام حسین کے انگریزی ہفت روزہ نیوایرا (**New Era**) میں ۳۰ر نومبر ۱۹۱۵ء سے ۲۸ر جولائی ۱۸۱۷ء تک جاری رہی۔ حتیٰ کہ اکبر الٰہ آبادی نے خواجہ حسن نظامی اور اقبال کے درمیان صلح کرادی۔

مآخذ ۱) عبداللہ قریشی' معرکۂ اسرارِخودی (مضمون) مشمولہ: ''اقبال'' اکتوبر ۱۹۵۳ء؛ ص:۶۴۔۹۹

۲) مجلّہ ''اقبال'' اپریل ۱۹۵۴ء؛ ص:۴۴۔۶۷

۳) رفیع الدین ہاشمی' ڈاکٹر'' تصانیف اقبال'' (باب: دوم' فارسی کلام کے مجموعے)

۴) گوہر نوشاہی (مرتب)'' مطالعۂ اقبال'' ص:۴۱۴۔۴۵۲

۳؎ ''تصوف'' کا لفظ یا اصطلاح عہدِ رسالت یا عہدِ صحابہ و تابعین میں نہیں ملتی۔ قرآن و حدیث میں اس لفظ کا گزر نہیں مگر آج یہ اسلامی لٹریچر میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی اصطلاح ہے۔ قرآن و حدیث میں تزکیہ و احسان کا ایک مستقل نظام ہے تزکیۂ نفوس فرائضِ رسالت میں شامل ہے۔ اقبال کی تحقیق کے مطابق تصوف کا لفظ ۱۵۰ھ میں پہلی مرتبہ استعمال ہوا۔ اسی طرح 'الصوفی' کا لقب بھی آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں کوفہ کے شیعہ کیمیا گر جابر

بن حیان کے نام کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اس کی جمع ''صــوفیة'' بھی پہلی مرتبہ ۸۱۴ء میں ایک مشہور صوفی ابو ہاشم کوفی کے ساتھ استعمال ہوئی۔ مشہور عالم جاحظ کے مطابق اسی زمانے میں اس کا استعمال نیم شیعی مسلمانوں کی ایک جماعت صوفیہ کے لیے ہوا جو کوفے میں پیدا ہوئی، جس کا آخری امام عبدک الصوفی تھا، جو بغداد میں ۸۲۵ء میں فوت ہوا۔ یوں ابتدا میں یہ لفظ کوفے تک محدود تھا۔

مآخذ: ۱) فیروزالدین، مولوی (مترجم) ''کشف المحجوب''، ص:۳۳۔۶۶

۲) شبلی نعمانی، علاّمہ ''الغزالی''، ص:۱۶۴۔۱۷۱

۳) اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد: ۶، ص:۴۱۸۔۴۳۷، ۴) محمد عرفان، پروفیسر ''اقبال اور تصوف'' ۱۹۸۴ء۔

۴ ''وحدت الوجود'' کے لغوی معنی تو یہ ہیں کہ ''وجود واحد ہے'' منطق کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ ''وجود جزئی حقیقی ہے کلی مشکک نہیں ہے''۔ گویا وجود فردِ واحد میں منحصر ہے۔ اصطلاحِ تصوف میں اس سے مراد یہ ہے کہ وجودِ باری تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی ہستی موجود نہیں ہے۔ کائنات میں چیزیں اگرچہ موجود ہیں لیکن ان کے اندر خداوند تعالیٰ ہی کی صفات پائی جاتی ہیں، اسی کو ''ہمہ اوست'' بھی کہتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک نظریہ وحدت الوجود سرے سے مذہب کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ فلسفے کا مسئلہ ہے۔ اقبال کے مطابق وحدت الوجود کے ڈانڈے یونانی، ویدانتی اور زرتشتی فلسفے سے ملتے ہیں۔ ان کے نزدیک فلسفہ وحدت الوجود انسان کے وجود کی نفی کر کے قوتِ عمل کو ختم کر دیتا ہے اور یہ مقصودِ خداوندی نہیں، اس لیے بر خود غلط ہے۔

مآخذ: ۱) اقبال، علاّمہ ''تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' خطبہ نمبر۲

۲) عبدالواحد معینی (مرتب) مقالاتِ اقبال''، ص:۲۰۳۔

۳) الف۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر ''مسئلہ وحدت الوجود اور اقبال'' ۱۹۹۲ء

۴) عبدالصمد صارم الازہری ''تاریخ تصوف''، ص:۳۸۲۔۳۸۵

۵ ۶ انوارِ غیب کے غلبے سے جو بے خودی طاری ہو ''سُکر'' ہے، پھر اختیاری حالت کے پیدا ہونے کو ''صحو'' کہتے ہیں۔ ''سکر'' ہمیشہ نہیں رہتا۔ حالتِ سکر کے اقوال و افعال کا اعتبار نہیں ہوتا۔ حالتِ سکر میں مستی غالب ہوتی ہے۔ حالتِ صحو میں ضبط واجب ہے۔ حالتِ سکر میں گناہ اور غلطی کا امکان ہے۔ اقبالؔ کے نزدیک ''حالتِ سکر'' منشائے اسلام اور قوانینِ

حیات کے مخالف ہے اور ''حالتِ صحو'' جس کا دوسرا نام اسلام ہے' قوانینِ حیات کے عین مطابق ہے اور رسول اکرمؐ کا منشا یہ تھا کہ ایسے آدمی پیدا ہوں جن کی مستقل حالت کیفیت ''صحو'' ہو۔

مآخذ: ۱) فیروزالدین' مولوی (مترجم) کشف المحجوب'' ص:۲۱۱۔۲۱۴

۲) عبدالصمد الازہری'' تاریخ تصوف'' ص:۲۹۲

۳) رفیع الدین ہاشمی' ڈاکٹر'' خطوط اقبال'' ص:۱۱۷

ے اپنے زمانے کے مشہور عالمِ دین' بلند پایہ صحافی اور بے مثل خطیب۔ صوبہ بہار کے ضلع اعظم آباد پٹنہ کے ایک مردخیز قصبے پھلواروی میں ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ہندوستان کی علمی دنیا جن چراغوں سے تابناک تھی' ان میں فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا عبدالحی' سہارن پور میں مولانا احمد علی اور دلی میں سید نذیر حسین محدث دہلوی علم کے وہ بحرِ ذخار تھے کہ تشنگانِ علم ان چشموں سے فیض یاب ہوتے تھے۔ شاہ سلیمان پھلواروی علوم کے ان تینوں سرچشموں سے مستفیض ہوئے' وہ پہلے فرنگی محل آئے' یہاں سے فارغ ہو کر سہارپور اور دلی آ گئے۔ لکھنؤ کے دورانِ قیام میں انھوں نے علومِ درسیہ کے بعد طب کی تعلیم حاصل کی اور طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا' شروع میں حکیم محمد سلیمان کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے پیشے کے لحاظ سے اپنا تخلص ''حاذق'' رکھا تھا۔ شاعری سے ذوق رکھتے تھے اور لکھنؤ کے مشاعروں میں پڑھتے بھی تھے۔ زیادہ تر اُردو اور عربی میں شعر کہتے تھے۔ اس عہد کے نوجوان علما نے ندوۃ العلما کی بنیاد رکھی تو شاہ سلیمان پھلواروی اس کے بانیوں میں سے تھے۔ اس انجمن کے پلیٹ فارم سے شاہ صاحب کی خطابت کا شہرہ عام ہوا۔ سرسید آپ کی تقاریر سے متاثر تھے۔ ۳۱ رمئی ۱۹۳۵ء کو انتقال کیا۔

''اسرارِ خودی'' کی طباعت پر جب ہنگامہ ہوا تو حسن نظامی نے مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق اقبال کے خیالات سے شدید اختلاف کرتے ہوئے اس سلسلے میں اقبال اور شاہ صاحب کو خطوط لکھے' جن میں اقبال پر اعتراضات کئے گئے تھے۔ خواجہ صاحب اور اقبال کے درمیان اختلافِ رائے شاہ صاحب اور اکبر کی مداخلت سے رفع ہوا۔

مآخذ: ۱) اعجاز الحق قدوسی'' اقبال اور علمائے پاک و ہند' ص:۲۵۶۔۲۶۶

۲) فیوض الرحمٰن' ڈاکٹر'' معاصرین اقبال'' ص:۳۶۱

۳) اعجاز الحق قدوسی'' اقبال کے محبوب صوفیہ''۔ ص:۵۱۶

۴) ''نقوش'' آپ بیتی نمبر' ص:۱۵۱۵

۸۔ سیّد اکبر حسین (۱۸۴۶ء۔۱۹۲۱ء) تخلص اکبرؔ لقب لسان العصر، پیدائش: الٰہ آباد۔ پیشہ: وکالت سرکاری ملازمت میں ترقی کر کے عدالتِ خفیفہ کے جج ہو گئے تھے۔ فنِ شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ وحید الٰہ آباد کے تلامذہ میں تھے۔ مغربی خیالات کو ایشائی لباس پہنانا، انگریزی الفاظ کو اردو میں ضم کرنا اور ظرافت کے پہلو میں مغربی تعلیم وتہذیب کے برے اثرات کا خانہ اڑانا ان کا رنگِ خاص تھا۔ ان سے چار دیوان یادگار ہیں۔ اقبال نے ایک مضمون میں اکبرؔ کو اردو زبان کا ہیگل قرار دیا ہے۔ (''مکاتیبِ اقبال بنام گرامی''، ص: ۱۷۸) اقبال کو اکبرؔ سے دلی عقیدت تھی، یہاں تک کہ ان کا مرثیہ بھی کہا ہے:

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبرؔ
حیاتش بحق بود روشن دلیلے (''باقیاتِ اقبال''، ص: ۱۳۰)

اقبالؔ، اکبرؔ کو پیر و مرشد اور رہبر کہتے ہیں۔ ان کے تتبع میں شعر کہہ کر ''اکبری اقبال'' کہلائے اور ان کے کلام میں تضمین کر کے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے جبکہ اکبرؔ اقبال کو روحانی دوست کہہ کر پکارتے ہیں اور خطوط میں ملاقات پر زور دیتے ہیں اور راز و نیاز کے خواہش مند ہیں: ''امسال ضرور ملنا بعض باتیں ایسی ہیں جو خطوط میں نہیں سما سکتیں''۔

مآخذ: ۱) عبدالماجد دریابادی، علاّمہ۔ ''معاصرین''، ص: ۲۵۔۳۲،
۲) محمد زکریا، خواجہ، ڈاکٹر، ''اکبر الٰہ آبادی۔ تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' ص: ۹۔۵۱
۳) مجلّہ ''اقبال''، اپریل، جولائی ۱۹۷۷ء ص: ۱۶۱۔۲۰۴
۴) عبدالعزیز کمال ''اقبال اور اسلامی روایت''، ص: ۱۰۱

۹۔ مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳ء۔۱۹۵۶ء) جنجوعہ راجپوت، آبائی وطن دارا پور (ضلع جہلم) ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ یونی ورسٹی سے ۱۸۹۴ء میں امتیاز کے ساتھ بی اے کر کے پہلے بمبئی، پھر حیدر آباد پہنچے۔ ریاست میں اعلیٰ منصب پر فائز رہے اور اہم علمی ادبی کام بھی انجام دیے وہیں سے ۱۹۰۵ء میں ماہنامہ ''دکن ریویو'' جاری کیا۔ مولانا صاحبِ طرز شاعر، منفرد صحافی اور یگانہ ادیب تھے۔ برطانوی استبداد کی قید و بند میں رہے، مگر زبان وقلم بند نہ ہوئے۔

اقبال اور ظفر علی خان کے فکر وعمل کے کئی پہلو مشترک ہیں۔ دونوں حضرات ادبیات میں منفرد اسالیب کے حامل تھے۔ دونوں نے قومی وملی امنگوں اور تحریکوں کی تب وتاب کے لیے قلمی جنگ کی۔ عمرانیات وسیاسیات میں عملی طور پر بھی دونوں اکابر نے ملک وملت کے لئے ناقابلِ

فراموش خدمات انجام دیں۔

فکر و نظر اور نصب العین کے اسی اشتراک کے باعث دونوں کے مابین قربت و رفاقت کے گہرے اور موثر رشتے کا استوار ہونا بعید از فہم نہیں۔

مآخذ: ۱) ''ناموران علی گڑھ (تیسرا کارواں)'' جلد اول، ص: ۶۳

۲) غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر ''مولانا ظفر علی خان۔ حیات، خدمات و آثار''

۳) جعفر بلوچ ''اقبال اور ظفر علی خان'' ۱۹۹۵ء

۱۰ خواجہ حسن نظامی نے خط لکھ کر اقبال سے معذرت کی: ''میں اپنی بدگمانی کو واپس لے کر آپ سے عذر کرتا ہوں۔ اب مجھے اس تگ و دو میں آپ سے کوئی سروکار نہ ہوگا''۔ (''انوار''، ص: ۱۸۳) اقبال نے اس خط کے جواب میں درج بالا مفصل خط لکھا اور اپنے مؤقف کی وضاحت کی۔

اس مراسلت کے بعد حسن نظامی نے اپنے ایک مضمون ''جناب اقبال و حسن نظامی'' مطبوعہ ہفت روزہ ''خطیب'' میں بھی وضاحت کی کہ وہ مسئلۂ تصوف کے سلسلے میں اختلافی گفتگو سے دستبردار ہوتے ہیں۔

---

(۴)

خواجہ حسن نظامی کا مرتبہ ''قرآن آسان قاعدہ'' شائع ہوا تو اس کے بارے میں متعدد اکابر نے اپنی آرا، خواجہ صاحب کو لکھ بھیجیں۔ علاّمہ اقبالؔ نے اپنی رائے کا اظہار مندرجہ ذیل خط کے شکل میں کیا:

جناب خواجہ صاحب، السلام علیکم ورحمتہ اللہ

قرآن آسان قاعدہ بظاہر خوب معلوم ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ضرر کرنا چاہیے گو مجھے اندیشہ ہے کہ تجربات میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔ کیا آپ نے اپنے بچوں میں سے کسی کو اس قاعدے کے مطابق قرآن شریف پڑھایا ہے؟ اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھے یقین ہے کہ اور مسلمان بھی اس قاعدے سے مستفید ہوں

گے۔ میں نے خود کبھی بچوں کو قرآن شریف نہیں پڑھایا۔ اس واسطے ان مشکلات سے ناواقف ہوں جو استادوں کو پیش آیا کرتی ہیں۔

محمدؐ اقبالؔ

لاہور

۲۷/ دسمبر ۱۹۲۲ء[i]

تحقیقِ متن:

[i] ''انوار'' (ص:۲۸۳) میں یہ خط نامکمل ہے اور القاب وآداب کے بغیر ایک سطری رائے پر مشتمل ہے۔ اس خط کا مکمل متن ''خطوطِ اقبال'' (ص:۱۱۹) میں شائع ہوا ہے، لہٰذا مذکورہ متن ''خطوط اقبال'' سے لیا گیا ہے۔

بنام ثاقب کانپوری

تعارف:

مولوی حاجی سیّد ابومحمد ثاقب کانپوری، تلمیذ احسن اللہ خاں احسن، نہایت خوش گوشاعر تھے۔ اصل وطن کڑا ضلع الہ آباد تھا، مگر یہ ۱۹۰۴ء میں کانپور میں پیدا ہوئے۔ ثاقب کانپوری نے ابتدائی درجوں سے مولانا محمد حسین محوی صدیقی لکھنوی اور اس کے بعد مولانا حافظ عبدالحلیم صدیقی نائب ناظم جمعیۃ العلمائے دہلی سے درسی کتابیں پڑھیں اور آخر میں علم وادب کا درس علّامہ آزاد سبحانی سے لیا۔ حافظ محمد صدیق (ملا رموزی) مولانا سعید رزمی اور پروفیسر محمد طاہر فاروقی ان کے ہم درس تھے۔ سولہ سال (۱۹۱۹ء) کی عمر میں ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا تاجور نجیب آبادی نے انجمنِ اربابِ علم پنجاب کی جانب سے متحدہ ہندوستان کے تمام شعرا کو ایک انعامی مقابلے کی دعوت دی، جس کے لیے بارہ مختلف عنوانات پر نظمیں لکھوائی گئیں۔ ثاقبؔ نے بھی تین نظمیں لکھ بھیجیں، جو اول انعام کی حق دار قرار دی گئیں اور ان کی اڑھائی سو روپیہ نقد انعام اور ''سحر طرز ار'' کا خطاب عطا ہوا۔ ان کی شاعری پر جن شعرا کے کلام نے نمایاں اثر ڈالا وہ میرؔ

غالبؔ اور اقبالؔ ہیں۔ اقبالؔ کی ''زبورِ عجم'' نے تو ان کی دنیائے تخیل ہی بدل ڈالی۔

ثاقبؔ کے دو مجموعۂ کلام ''متاعِ درد'' (۱۹۳۰ء) اور ''روحِ جاوداں'' (۱۹۲۰ء) میں شائع ہوئے۔ ''روحِ جاوداں'' اُردو اکیڈمی سندھ کراچی نے شائع کیا۔ ثاقبؔ نے ۷/دسمبر ۱۹۵۵ء کانپور میں وفات پائی۔

مآخذ: ۱) مظفر حسین برنی، سید، ''کلیات مکاتیب، سوم'' ص: ۷۹، ۷۷، ۸۰

۲) عبداللہ قریشی، ''معاصرین اقبال کی نظر میں'' ص: ۴۴۹۔۴۵۳

(۵)

لاہور

۳۰/جولائی ۱۹۳۰ء[۱]

مخدومی۔ آپ کا مجموعہ[۱] ملا۔ آپ کے کلام میں جو تناسب ہے وہ نوجوان شعرا کے یہاں بہت کم ملتا ہے۔

آپ کے ایک شعر نے مجھے تڑپا دیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

جان دیتا ہوں قفس میں دونوں پَر کھولے ہوئے
حسرتِ پرواز میں بھی شان ہے پرواز کی[۲]

مخلص

محمدؐ اقبالؔ

تحقیق متن:

۱ یہ خط ''چراغ راہ'' مارچ ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں کلیات مکاتیب سوم (ص: ۱۴۴) میں شائع ہوا۔ ''انوار'' میں یہ خط بلا تاریخ ہے۔ صابر کلوروی صاحب نے اس کا سنہ اشاعت ۱۹۳۰ء متعین کیا ہے۔ (اشاریہ مکاتیب'' ص: ۸۹) کلیاتِ مکاتیب' سوم کی فہرست اور متن میں یہ بلا تاریخ ہے جبکہ ثاقب کانپوری کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ یہ خط ۳۰/جولائی ۱۹۳۰ء کو لکھا گیا۔

حواشی وتعلیقات

۱ اس مجموعے کا نام ''متاعِ درد'' ہے (تصانیفِ اقبالؔ ص: ۲۴۹)۔ یہ مجموعہ ۷۴ نظموں'

۵۷غزلوں اور ۴۵ رباعیوں پر مشتمل ہے۔

۲۔ اس شعر کی خوبی بقول عندلیب شادانی مرحوم یہ ہے:

''شاعر کو پہلے سے معلوم ہے کہ طائر جب اُڑنا چاہتا ہے تو اپنے دونوں بازو کھول دیتا ہے۔ اب اس نے دیکھا کہ ایک پرندہ قفس میں بند، دونوں بازو پھیلائے جان توڑ رہا ہے۔ سببِ مرگ خواہ کچھ بھی ہو لیکن اس کی مُتخیّلہ نے ان معلومات کو ایک نئی شکل میں مرتب کر کے پیش کر دیا۔ یعنی اس آخری لمحے میں دونوں کا پھیلا ہونا اس کے نزدیک دلیل ہے اس امر کی کہ طائرِ محبوس کو تمام زمانۂ قید میں آزدی کی تمنا رہی حتّٰی کہ مرتے مرتے بھی قفس سے چھوٹ کر پرواز کر جانے کی حسرت اس کے دل میں موجود تھی''۔

مآخذ: عبداللہ قریشی: ''معاصرین اقبال کی نظر میں''، ص: ۴۵۲

بنام خواجہ وصی الدین

تعارف:

خواجہ وصی الدین ڈپٹی کلکٹر، جو خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے والد کے انتقال کے بعد ان کا ''کلیات'' طبع کرایا اور اس کا ایک نسخہ علاّمہ کی خدمت میں ارسال کیا

(۲)

لاہور ۹ر جون ۱۹۳۱ء

جناب مکرم

السلام علیکم۔ کلیات عزیز[۱] کا ایک نسخہ جو آپ نے بکمال عنایت ارسال فرمایا ہے مجھے مل گیا ہے، جس کے لیے میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ نوازش نامہ میں جو کچھ آپ نے میرے متعلق ارشاد فرمایا ہے وہ آپ کے حسنِ اخلاق کا نتیجہ ہے۔

خواجہ عزیز مرحوم فارسی ادبیات کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس کی ابتداء شہنشاہ اکبر[۲] کے عہد سے ہوئی۔ افسوس کہ [۱] وہ دور ہندوستان میں

ان کی موت[ii] پر ختم ہوا۔ ایرانی تخیل نظم کی شاہراہوں کو چھوڑ کر اب زیادہ تر نثر میں اپنے کمالات دکھا رہا ہے۔ شعرائے متاخرین میں قآنی[۳] کا آوازہ بہت بلند ہوا اور اب تک بلند ہے لیکن خواجہ عزیزم مرحوم کے قصائد اور مخمسات جو انھوں نے قآنی کی زمینوں میں لکھے ہیں۔ وہ فارسی زبان کی موسیقیت اور خواجہ مرحوم کی اس زبان پر قدرت کا بین ثبوت ہیں۔ مثلاً:

سحر گہاں بیادِ حق ز طائرانِ فرق فرق　　　غزل سرابداں نسق کہ کودکان ہم سبق
شفیق، لعلگوں وثق[iii] چنانکہ در افق شفق　　　شگفتہ گُل ورق ورق بسعی ابر درعرق
بہر ورق طبق طبق گُہر کند نثار ہا[۴]

غزل میں ان کی نظر بیشتر روحانی حقائق پر رہتی ہے اور ان حقائق کو وہ نہایت آسانی اور لطافت کے ساتھ ادا کر جاتے ہیں۔ مثلاً

دوغنچہ ہست دو عالم ز گلشنِ صنعش　　　یکے شگفتہ، یکے ناشگفتہ است ہنوز
زِ کوثر آں طرف است آبجوئے مقصدِ تو　　　عنان بجانب ناب از رہِ سراب انداز
برآز پردہ و احوال حبیب و داماں بیں　　　تو مہوشی و تماشائیاں کتاں پوشند
رسولِ ملت منصورم، احوالم چہ می پُرسی　　　رسید ستم بمعراجے کہ نام دیگرش داراست[۵]

خواجہ عزیز کے اس شعر سے ایک اور[iv] ہندی شاعر[۶] کا شعر یاد آ گیا جس کے لطف سے میں آپ کو محروم نہیں رکھنا چاہتا۔

انالحق گفتن منصور تاویلے نمی خواہد　　　گدا گم می کند خود را چو دولت می کند پیدا[۷]

اسی طرح خواجہ مرحوم کے یہ شعر بھی حقائق سے لبریز ہیں

ہنوز لوح و قلم بود در سوادِ عدم　　　کہ نقشِ مہر تو برلوحِ دل نشست مرا
نشاط وصل تو محروم دار دم از وصل　　　کہ درکنار چو آئی، زخود کنارہ کنم[۸]

یہ فیض ظہوری[۹] اور نظیری[۱۰] کا نہیں بلکہ کلام الٰہی کا فیض ہے اور خواجۂ مرحوم کو خود اس کا احساس تھا چنانچہ لکھتے ہیں:

کے از ظہوری و ز نظیری رسد عزیز　　　فیضے کہ از کلامِ الٰہی بمارسید[۱۱]
شفیق، لعلگوں وثق[iii] چنانکہ در افق شفق　　　شگفتہ گُل ورق ورق بسعی ابر درعرق
مخلص

محمدؐ اقبال لاہور[v]

تحقیقِ متن:

یہ خط ''ماہِ نو'' اقبال نمبر' ستمبر ۱۹۷۷ء (ص ۳۵۹) اور کلیاتِ مکاتیب' سوم' (ص:۲۱۶) میں بھی شامل ہے۔کلیاتِ مکاتیب اور ''انوار'' کا متن یکساں ہے' جبکہ' ماہِ نو'' کے متن میں کچھ اختلاف نظر آتا ہے مثلاً:

i ''انوار'' میں ''افسوس ہے کہ'' ہے اور ''ماہِ نو'' میں ''افسوس کہ'' ہے۔

ii 'انوار'' میں ''ذات'' ہے اور ماہ نو'' میں ''موت'' ہے اور یہی صحیح ہے۔

iii 'انوار'' میں ''شق'' ہے اور ماہِ نو میں ''ثق'' ہے۔

iv 'انوار'' میں ''ایک ہندی شاعر'' ہے اور ''ماہِ نو'''' میں ایک اور ہندی شاعر'' ہے۔

v 'انوار'' میں خط کے اختتام پر بھی تاریخ درج ہے جبکہ ''ماہِ نو میں خط کے آخر میں تاریخ تحریر درج نہیں ہے۔

حواشی و تعلیقات

ا خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی ہندوستان کے فارسی گو شعرا میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ان کے والد خواجہ امیر الدین درابوشال اور پشمینہ کی تجارت کے سلسلے میں کشمیر سے لکھنؤ آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ یہ نواب واحد علی شاہ کا زمانہ تھا۔خواجہ عزیز یہیں ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے۔آپ نے عربی فارسی کی تعلیم نہایت فاضل اساتذہ سے حاصل کی۔کیننگ کالج لکھنؤ میں فارسی کے پروفیسر ہو گئے۔اقبال' خواجہ عزیز کی شاعرانہ عظمت سے بخوبی واقف تھے۔ جب انھوں نے اپنی مثنوی ''اسرارِ خودی'' کے کچھ حصوں کی تکمیل کی تو چاہا کہ اسے لکھنؤ جا کر خواجہ عزیز کو سنا آئیں لیکن لاہور کے علائق نے نہیں چھوڑا۔

خواجہ عزیز نے نو سال[9] تک تدریسی فرائض انجام دیے۔ان کے صاحزادے خواجہ وصی الدین نے ان کا مجموعہ کلام ''کلیات عزیز'' ۱۹۳۱ء میں طبع کرایا۔ یہ پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ تشریحات اور مختصر تاریخ کشمیر اس کے علاوہ ہے۔ چار فوٹو بلاک بھی کتاب کی زینت ہیں۔ دیگر تصانیف میں ''یدِ بیضا'' قیصر نامہ'' ''اورنگِ حضوری' او ہفت بند عزیزی'' نسبتاً معروف ہیں۔ مثنوی ''ارمغانِ احباب'' بھی لکھی تھی مگر وہ چھپ نہ سکی۔۱۹۱۴ء میں فوت ہوئے۔

مآخذ:۱) ''نقوش' مکاتیب نمبر' جلد دوم' ص:۹۵۳

۲) عبداللہ قریشی ''معاصرین اقبال کی نظر میں''ص:۹۳۔۱۰۱
۳) عبداللہ قریشی۔(مرتب) ''اقبال بنام گرامی''ص:۱۰۵

۲؎ جلال الدین محمد اکبر۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا۔ باپ کی وفات کے بعد ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا۔ پانی پت کی لڑائی میں فتح حاصل کر لینے کے بعد سلطنت کا تزلزل ایک حد تک ختم ہوا۔ جب تک اکبر اٹھارہ سال کا نہ ہو گیا۔ بیرم خاں مختارِ سلطنت رہا۔ جب خود اکبر نے انتظامات سنبھال لیے تو عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اکبر ایک اچھا منتظم تھا' اس نے ملکی اور فوجی نظام کو بہتر بنایا۔ اکبر کے عہد میں علوم وفنون نے بھی بے حد ترقی کی۔ ایران کے بڑے بڑے شاعر یہاں آئے اور اعلیٰ منصب پایا۔ اس کے دربار میں فیضی بہت بڑا شاعر تھا۔ ہندی کے شاعر تلسی داس نے بھی اکبر ہی کا عہد پایا۔ مشہور زمانہ موسیقار تان سین بھی اکبر ہی کے دربار سے وابستہ رہا۔ مذہبی خیالات کے اعتبار سے اکبر کو راسخ العقیدہ مسلمان نہیں سمجھا جاتا اس نے دینِ الٰہی کی بنیاد رکھی۔ علاّمہ اقبال ''رموزِ بیخودی'' میں کہتے ہیں:

ؔ تخم الحادے کہ اکبر پرورید   باز اندر فطرت دارا دمید

(کلیات' فارسی' ص:۱۱۰)

مآخذ: ۱) ہاشمی فرید آبادی' سید' ''محمد بن قاسم سے اورنگ زیب تک'' ص:۴۳۷۔۴۷۸
۲) اکبر حسین قریشی' ڈاکٹر' ''مطالعۂ تلمیحات'' ص:۱۷۷

۳؎ قاآنی کا پورا نام مرزا حبیب اللہ تھا اور قاآنی تخلص۔ وہ ۱۸۰۷ء میں بمقام شیراز میں پیدا ہوئے۔ شاعری ورثے میں ملی۔ حکمت و بلاغت اور علوم وفنون میں کامل دستگاہ پیدا کی۔ علومِ درسیہ کے علاوہ فرانسیسی زبان بھی سیکھی۔ انھوں نے تمام اصنافِ سخن میں زورِ قلم آزمایا۔ ضخیم دیوان کے علاوہ' ایک نثری کتاب ''پریشان'' ان کی یادگار ہے۔ یہ کتاب گلستانِ سعدی کے تتبع میں ہے۔ وہ ماہر موسیقی بھی تھے' اس لیے ان کا کلام مترنم اور موسیقی سے پر ہے۔ وہ آخری ایرانی شاعر ہیں جن کی اقبال نے توصیف کی ہے۔ علاّمہ فرماتے ہیں کہ ایرانی شاعری کا قاآنی پر خاتمہ ہو گیا اور معاصر عہد میں ایرانی تفکر' نثر کے میدان میں جولانیاں دکھا رہا ہے۔ (''اقبال نامہ' دوم'' ص:۱۵۷)۔ علاّمہ نے قاآنی کے ایک شعر کو تضمین کیا ہے۔

شیخ مکتب ہے ایک عمارت گر   جس کی صنعت ہے روحِ انسانی

نکتۂ دل پذیر تیرے لیے　　کہہ گیا ہے حکیم قاآنی
''پیش خورشید برمکش دیوار　　خواہی اور صحن خانہ نورانی''

(کلیات،اردو،ص:۴۵۶)

علاّمہ نے مثنوی ''رموزِ بے خودی'' میں حضرت علیؓ کی تعریف میں ایک مصرع کہا ہے کہ

Å　اللہ اللہ بای بسم اللہ پدر

اس کی سند میں اقبال نے لکھا ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ کو قاآنی نے ''بای بسم اللہ' کہا ہے' اس لیے انھوں نے بھی ایسی ترکیب استعمال کی ہے۔

مآخذ: ۱)امداد اثر امام، سید'' کاشف الحقائق''،ص:۴۹۲۔۴۹۷

۲)محمد ریاض، ڈاکٹر'' اقبال اور فارسی شعراُف''،ص:۳۱۴۔۳۲۰

۳) شبلی نعمانی، علاّمہ''شعرالعجم (حصہ پنجم)''ص:۱۵

۴) عابد علی عابد، سید'' ''تلمیحاتِ اقبال''،ص:۲۳۷

۴ ترجمہ

(۱) صبح کے وقت خدا کی یاد میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اس طرح غزل سرا تھے جیسے ہم سبق بچے (مل کر سبق پڑھتے ہیں)

۲) سرخ لالہ لعل ناب جیسا یوں جھک رہا ہے جیسے افق میں شفق۔ پھولوں کی ہر پنکھڑی شگفتہ تھی اور بادلوں کی مہربانی سے بھیگ رہی تھی۔

(۳) جو ہر پنکھڑی پر طباق بھر بھر کے موتی نچھاور کر رہا تھا۔

۵ ترجمہ

(۱) اس کی صنعت کے گلشن میں دونوں جہان دو کلیوں کی طرح ہیں۔ان میں ایک کھلی ہوئی ہے۔دوسری ابھی کھلی نہیں ہے۔

۲) تمھارے مقصد کی نہر، کوثر کے اس طرف ہے۔خالص پانی کی ظفر سراب کے راستے سے اپنی باگ موڑ کر جاؤ

۳) پردے سے باہر نکلو اور اپنے جیب و دامن کا حال دیکھو تم چاند سا چہرہ رکھتے ہو۔سب کتان پہنے ہوئے ہیں۔(جو چاندنی میں پھٹ جاتا ہے)

۴) میں منصور کی امت کا رسول ہوں۔ میرا حال کیا پوچھتے ہو۔ میں ایسی معراج تک پہنچ گیا ہوں، جس کا دوسرا نام دار (صلیب) ہے

۶۔ ہندی شاعر سے مراد ملا باقر شہید ہیں، جن کے بزرگ طہران سے تعلق رکھتے تھے اور وہ قومِ اتراک سے تھے۔ شہید کا مولد احمد آباد گجرات ہے۔ بعد میں یہ اورنگ آباد میں مقیم ہو گئے تھے۔ حرمین شریفین کا سفر اختیار کرنے سے کچھ پہلے یہ شیخ محمد علی حزیں کی صحبت میں رہے اور ان کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ نوکری ترک کرے خانہ نشین ہو گئے تھے۔ ایک ضخیم دیوان ان کی یادگار ہے۔

مآخذ: عبداللہ قریشی: معاصرین اقبالؔ کی نظر میں، ص:۹۹

۷۔ ترجمہ

منصور کے اناالحق کہنے کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی بھکاری کو دولت مل جاتی ہے تو وہ خود کو بھول جاتا ہے۔

۸۔ ترجمہ

(۱) ابھی لوح و قلم عالمِ نیستی میں تھے، جب تمھاری محبت کا نقش میرے دل کی تختی پر جم چکا تھا۔

(۲) تمھارے وصال کی خوشی ہی مجھے وصال سے محروم رکھتی ہے۔ تم جب میرے پہلو میں آ جاتے ہو تو میں اپنے آپ میں نہیں رہتا (بے خود ہو جاتا ہوں)

۹۔ ملا نورالدین محمد نام اور ''ظہوری'' تخلص تھا۔ اصل وطن اور جائے پیدائش (۱۵۳۷ء) تو قاین تھا لیکن یہاں تعلیمی سہولتیں میسر نہ ہونے کی وجہ سے اس نے ابتدائی تعلیم ترشیز میں حاصل کی، اس لیے ''ترشیزی'' مشہور ہوا۔ شاعر اور نثر نگار تھا۔ جوانی میں ہندوستان پہنچا۔ وہاں سے حج کو گیا۔ اس کے بعد واپس احمد نگر میں وارد ہوا اور پھر ابراہیم عادل شاہ دوم کے پاس بیجا پور (دکن) پہنچا۔ وہیں وفات پائی۔ ''سہ نثر ظہوری'' عادل شاہ کے نام پر اور ''ساقی نامہ'' برہان نظام شاہ والی احمد نگر کے نام پر لکھا۔

علاّمہ اقبال خطوط میں ظہوری کے کلام کا حوالہ دیتے ہیں۔ مثلاً ''اسرارِ خودی'' لکھتے وقت ظہوریؔ کا کلام بھی پیشِ نظر تھا۔ ''ظہوریؔ کے ساقی نامہ کے چند اشعار بھی زیرِ نظر تھے'' (اقبال نامہ اول''، ص:۸۶،۹۳،۹۶)

مآخذ: ''تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند' چوتھی جلد' فارسی ادب (دوم)'' ص:۳۱۳۔۳۲۶)

۱۰) محمد حسین نام' نظیری تخلص اور نیشاپور وطن تھا۔ شاعری کا ابتدا سے شوق تھا۔ خراساں میں جب اس کی شاعری مسلم ہو چکی تو کاشان میں آیا۔ یہاں حاتم' فہمی' مقصود' خردہ' شجاع' رضائی شاعری میں استاد تسلیم کیے جاتے تھے۔ ان کے مشاعروں میں جو طرحیں ہوتی تھیں' نظیری بھی ان میں طبع آزمائی کرتا تھا۔ وطن میں شعر و سخن کے بے قدری اسے برصغیر کھینچ لائی۔ ۱۵۸۳ء میں عبدالرحیم خانخاناں کے دربار سے منسلک ہوا۔ وہیں عرفیؔ سے معرکے رہے۔ خانخاناں کے توسّل سے ۱۶۰۲ء میں حج کیا۔ آخری عمر میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ احمد آباد میں ۱۶۱۳ء میں انتقال کیا۔ شہرت کا باعث غزلیات ہیں۔ دیوان تقریباً دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

علاّمہ اقبالؔ نے ''پیامِ مشرق'' میں نظیریؔ کے مصرعے پر تضمین کی ہے:

بملک جم نہ دہم مصرعِ نظیری را
''کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست''

(''کلیات' فارسی'' ص:۳۲۹)

نظیریؔ کا پورا شعر یوں ہے:

؎ گریز از صفِ ما ہر کہ مرد غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ مانیست

(''مطالعۂ تلمیحات''، ص:۳۰۹)

مآخذ: ۱) صدیق شبلی' ڈاکٹر' فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ' ص:۲۳۴' ۲۳۵

۲) تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند' جلد:۴ (فارسی ادب) ص:۳۰۰۔۳۱۳

۱۱) **ترجمہ** وہ فیض ظہوریؔ و نظیریؔ سے' اے عزیز؛ کب مل سکتا ہے' جو ہمیں کلام الٰہی کے ذریعے سے پہنچتا ہے۔

بنام عبدالعلی شوقؔ سندیلوی

تعارف

محمد عبدالعلی، سندیلہ کے شرفا میں سے تھے۔۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔شوق تخلص تھا۔تعلیم انٹرنس تک پائی۔ پہلے سندیلہ کے بنک گھر میں، پھر میونسپل کمیٹی میں ملازم رہے۔ وہاں سے مستعفی ہوکر ایک مدرسے میں معلمِ اعلیٰ ہوئے۔

شوقؔ نے ادب کی خدمت کرنے اورفنِ غزل گوئی کو ترقی یافتہ صورت میں دیکھنے کا ایک عجیب منصوبہ تیار کیا کہ اپنے عصر کے تمام صاحبِ کمال شعرائے اردو کی شاگردی اختیار کر کے سب سے اصلاح لی جائے، چنانچہ انھوں نے مختلف اوقات میں اپنی پسندیدہ سولہ غزلیں اس زمانے کے پینتیس (۳۵) ناموراور مستند شعرا کی خدمت میں بغرضِ اصلاح بھیجیں۔کچھ عرصہ تو یہ کاروبار چلتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ اس ہرجائی پن کا راز فاش ہوگیا اور بعض اساتذہ نے اصلاح سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس طرح یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔مگر شوق نے غضب یہ کیا کہ نہ صرف ان سب اصلاحوں کو۱۹۲۲ء میں یکجا کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کر دیا بلکہ اس سلسلے میں حضرات اساتذہ کے جونجی خطوط آئے تھے وہ بھی شائع کر دیے۔کتاب چھپنے کے بعد عرصے تک ان اصلاحوں پر نقد ونظر ہوتا رہا اور بعض خطوط کا مذاق اُڑایا جاتا رہا کیونکہ ان میں طرح طرح کی فرمائشیں اور مطالبات تھے۔ اس کتاب کا نام ''اصلاحِ سخن'' ہے۔مشاہیر شعرا میں احسن مارہروی، آرزو لکھنوی، علاّمہ اقبالؔ، اکبرالٰہ آبادی، بیخود دہلوی، سائل دہلوی، ثاقب لکھنوی، جلیل مانک پوری، ریاض خیرآبادی، شاد عظیم آبادی، صفی لکھنوی، عزیز لکھنوی، فانی بدایونی، مضطر خیرآبادی، نظم طباطبائی، وحشت کلکتوی، اور دیگر کئی اہم نام نظر آتے ہیں۔ ہر شعر کی اصلاح متعدد ناقدانِ سخن کے قلم سے پہلو بہ پہلو اور جداگانہ دکھائی دیتی ہے اور مصلحینِ سخن کے متعلق ایک لطیف موازنہ ومقابلہ بھی پیش کرتی ہے۔ اس موازنے اور مقابلے سے اگر کوئی دامن بچا کر نکل گیا ہے تو وہ اکبرالٰہ آبادی اور علاّمہ اقبال ہیں، جو کسی کو شاگرد بنانے کے روادار ہی نہ تھے۔ پھر بھی چلتے چلتے انھوں نے کوئی نہ کوئی مفید مشورہ دے دیا ہے۔اصلاح کا یہ سلسلہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۳ء تک جاری رہا۔

مآخذ: ۱)عبداللہ قریشی، ''معاصرین اقبالؔ کی نظر میں''، ص:۵۶۱۔۵۶۹

۲)مظفر حسین برنی، سیّدؔ، ''کلیاتِ مکاتیب، دوم''، ص:۹۰۸

(۷)

لاہور

۴رنومبر ۱۹ء i

مکرم بندہ

سلام مسنون۔ میں اس رنگ[1] کی شاعری سے بے بہرہ ہوں۔ اس واسطے آپ کی تعمیل ارشاد سے قاصر ہوں۔ بظاہر کوئی غلطی اس میں نظر نہیں آئی۔

مخلص

محمدؐ اقبال

تحقیق متن

i یہ خط سب سے پہلے کتاب ''اصلاحِ سخن'' میں شائع ہوا۔ بعدازاں ''ماہ نو'' اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء (ص: ۳۵۸) اور ''کلیات مکاتیب'' دوم (ص ۱۴۶) میں بھی شائع ہوا۔ ''انوار'' کا متن ''ماہ نو'' اور ''کلیات'' کے مطابق ہے لیکن ''اصلاح سخن'' دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۰ء (ص: ۶، ۱۷۷، ۱۷۷) میں سالِ تحریر ''۱۹۱۹ء'' کے بجائے ''۱۹ء'' ہے اور خط کے آخر میں درج ہے۔

حواشی وتعلیقات:

[1] جیسا کہ مکتوب الیہ کے تعارف میں ذکر آیا ہے۔ انھوں نے تمام معاصر صاحبِ کمال شعرائے اردو کی شاگردی اختیار کر کے اصلاح لینے کا منصوبہ بنایا۔ علامہ اقبال چونکہ روایتی شاعر نہیں تھے اس لیے روایتی شاگرد بنانے اور اصلاحِ سخن سے پہلو تہی کرتے۔ چنانچہ شوق کی پہلی غزل پر ہی جس کا مطلع یہ تھا:

خواب میں ان کا گلے مل کے جدا ہو جانا
دل کے ارمانوں میں اک حشر بپا ہو جانا

(''اصلاح سخن''، ص: ۱۹)

اقبال نے معذرت کرتے ہوئے لکھا کہ میں اس رنگ کی شاعری سے بے بہرہ ہوں۔

(۸)

۱۹ اء[i] مخدومی

السلام علیکم۔ آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ زبان کی اصلاح تو میں کیا دوں گا۔ خیالات ماشاء اللہ خوب ہیں۔ ''اے قافلۂ یاس[1]......الخ'' اس شعر کا پہلا مصرع پڑھ نہیں سکا۔

مخلص

محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i یہ خط اوّلاً ''اصلاحِ سخن (ص:۱۷۷) میں چھپا۔ پھر ماہِ نو'' اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء (ص:۳۵۸) اور ''کلیاتِ مکاتیب' دوم'' (ص:۱۵۶) میں بھی شائع ہوا۔ ''انوار'' کا متن ان تینوں کے مطابق ہے۔ صابر کلوروی صاحب نے اس خط کا سنہ تحریر ۱۹۱۹ء متعین کیا ہے۔ (اشاریۂ مکاتیب' ص:۸۹) جو صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ شوقؔ نے کم و بیش اسی عرصے میں خطوط لکھے۔

حواشی و تعلیقات:

1 شعر اس طرح ہے: ؎

اے قافلۂ یاس گزر دل میں نہ ہو گر
پامال نہ کر گورِ غریبان تمنا

(''اصلاح سخن''، ص:۳۰)

پہلا مصرع بہت گنجلک اور مہمل سا ہے۔ اقبالؔ اس بات کو بہت دبے لفظوں میں کہہ گئے ہیں۔ اساتذہ میں جلیلؔ، سائلؔ۔ صفیؔ، نیازؔ، جگرؔ، ریاضؔ، شفقؔ، نوحؔ، بیخودؔ سبھی نے اسے قابلِ اصلاح سمجھا اور بیباکؔ نے تو یہ کہہ کر قلم زد کر دیا: ''حضرت......میرے خیال میں اس شعر کے کوئی معنی نہیں ہیں''۔

مآخذ: ۱) محمد عبدالعلی شوقؔ سندیلوی ''اصلاح سخن''، ص:۳۱۔۳۷

(۹)

۱۹ء[i] مکرم بندہ۔ تسلیم

مجھے آپ کی غزل میں کوئی خامی نظر نہیں آئی[ii] ......اگر نظر آتی تو کم از کم آپ کی[iii] توجہ ضرور دلاتا۔ ''اے قافلۂ یاس......الخ'' مجھ سے پڑھا نہیں گیا اور نہ مصرع کسی طرح سمجھ میں آتا ہے۔ یہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ باقی اشعار خوب ہیں۔ ''جُز خواب نہیں وعدۂ باطل[۱]......الخ'' پرانا اور متبذل مضمون ہے۔ آپ کے باقی اشعار میں تازگی پائی جاتی ہے۔

مخلص

محمد اقبالؔ

تحقیق متن

i یہ خط اولاً ''اصلاح سخن'' (ص:۱۷۷) میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ''ماہ نو'' اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء (ص:۳۵۸) اور ''کلیاتِ مکاتیب' دوم'' (ص:۱۵۵) میں شائع ہوا۔ اس خط کی تاریخ تحریر ۱۹۱۹ء میں متعین کی گئی ہے جو کہ صحیح ہے۔ (اشاریۂ مکاتیب' ص:۷۹) کیونکہ ''اے قافلۂ یاس......الخ'' کا تذکرہ پچھلے خط میں بھی کیا گیا ہے اور شوق نے اسی دورانیے میں یہ خطوط لکھے۔

ii ''ماہ نو' میں ''کی'' کے بجائے ''کو' ہے' جبکہ ''اصلاحِ سخن' میں ''کی'' ہے اور اسی کو ہم صحیح سمجھیں گے۔

حواشی تعلیقات

۱ شعر اس طرح ہے:

جُز خواب نہیں وعدۂ باطل کی حقیقت
جُز وہم نہیں موجۂ طوفانِ تمنّا

(''اصلاحِ سخن''، ص:۳۰)

(۱۰)

۱۹۲۰ءi مکرم بندہ۔ تسلیم

حسنِ اعتقاد کی داد دیتا ہوں۔ زبانِ غزل[۱] میں فارسیت کی شان نہیں ہے

ہمہ غیر محدود در ملکِ باطن

بظاہر بہ قیدِ تعین اسیرے (خوب شعر ہے)

تحقیقِ متن:

i صابر کلوروی صاحب نے اس خط کی تاریخ تحریر ۱۹۲۰ء متعین کی ہے (اشاریۂ مکاتیب، ص:۸۹) اور یہ درست ہے کیونکہ شوقؔ کی اسی غزل پر اصلاح دیتے ہوئے یکم جولائی ۱۹۲۰ء کے خط میں محمد ضمیر حسن خاں دلؔ از شاہجہاں پور لکھتے ہیں: ''یوں تو اردو اہل زبان بھی نہیں ہوں مگر ٹوٹی پھوٹی اردو سمجھ لیتا ہوں۔ فارسی زبان دانی کا قطعی مدعی نہیں ہوں'' (اصلاح سخن، ص:۱۸۶)...... یہ خط اوّلاً ''اصلاحِ سخن'' (ص:۱۷۷) میں چھپا اور پھر ''ماہِ نو'' اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء (ص:۳۵۸)'' کلیاتِ مکاتیب' دوم'' (ص:۱۵۶) میں بھی شائع ہوا۔ ''انوار'' کا متن مذکورہ حوالوں کے مطابق ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱ یہ غزل سات اشعار پر مشتمل ہے۔ علامہ اقبال نے درج ذیل اشعار پر اصلاح دی۔

بہ حسن و جمالے عدیم المثالے بوصف و کمالے ندارد النظیرے

اصلاح: بہ وصف و کمالے فقید النظیرے

بہ رو ماہتابے بہ ضو آفتابے بہ خو لاجوابے فقید نظیرے

اصلاح: بہ خو لاجوابے ندارد نظیرے

نبی لاجوابے علی انتخابے عجائب شہنشہ غرائب وزیرے (قلمزد)

علامہ اقبالؔ نے اس شعر کو قلم زد کرنے کی تلقین کی۔ (''اصلاحِ سخن''، ص:۱۶۶۔۱۶۷)

۲ **ترجمہ** جو کچھ عالمِ ظاہر میں قیدِ تعین میں اسیر ہے، وہ سب ملکِ باطن میں غیر محدود ہے۔

بنام حاجی محمد احمد خاں سیتا پور

تعارف

حاجی محمد احمد خاں سیتا پور کے ذی علم رئیس تھے۔ انھوں نے ایک شاندار کتب خانہ قائم کیا تھا، جس میں مشاہیر عالم کے آٹو گراف کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ حاجی صاحب نے اکثر مشاہیر سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔ یہ خطوط ایک البم کی شکل میں کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ اس البم میں علاّمہ اقبال کے درج ذیل دو خطوط بھی ہیں۔

(۱۱)

لاہور

۲۹/ مارچ ۱۹۱۹ء

مکرم بندہ تسلیم۔ ''محمل'' [۱] کو مَیں مذکر لکھتا ہوں۔

شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط سے اس کے کلام پر روشنی پڑتی ہے اور اعلیٰ درجے کے شعرا کے خطوط شائع کرنا لٹریری اعتبار سے مفید ہے۔

مخلص

محمدؐ اقبال

تحقیق متن

یہ خط کلیاتِ مکاتیب، دوم (ص: ۶۷) میں شامل ہے اور غالباً ''انوار'' سے نقل کیا گیا ہے، اس لیے متن میں اختلاف نہیں ہے۔

حواشی و تعلیقات:

۱ مَحمِل: عربی زبان کا لفظ ہے اور مذکر لکھا جاتا ہے۔ (''علمی اُردو لغت''، ص: ۱۳۵۷)

(''فرہنگِ عامرہ''، ص: ۵۵۸)

(۱۲)

مکرم بندہ تسلیم

''آبِ رواں'' ان معنوں میں مُہَنَّدْ ہے عام طور پر بغیر اضافت بولا جاتا ہے لیکن فارسی یا عربی الاصل الفاظ کی ترکیب میں اگر اضافت یا واوِ عاطفہ استعمال کریں تو میرے نزدیک غلط ہے۔ خواجہ آتش کے اس شعر میں:

کسی کی محرم آبِ رواں جو یاد آئی[۱]

لفظ ''محرم'' بھی مہنّد ہے جس کو انھوں نے مضاف کیا ہے۔

لفظ ''تنخواہ'' فارسی میں سامان کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اُردو میں اس کا مفہوم بالکل مختلف ہے لیکن چونکہ فارسی الاصل لفظ ہے اس واسطے اُردو میں اگر کوئی شخص تنخواہ ملازم یا تنخواہ تحصیل دار لکھے تو غلط نہ کہنا چاہیے۔

علیٰ ہٰذا القیاس لفظ ''حسین'' (یہ معنی خوب صورت، حور شکل) فارسی میں نہیں آتا لیکن اُردو میں سب لوگ حسین وجمیل و مہ جبیں بولتے اور لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اُردو فارسی کے صدہا الفاظ داخل ہو گئے اسی طرح اضافت و واوِ عطف بھی آ گئی گو اضافت اور عطف کا استعمال صرف ان الفاظ تک محدود ہے جو فارسی ہوں یا عربی ہوں، فارسی یا عربی الاصل ہوں، ہندی الفاظ میں درست نہیں۔ ''آبِ رواں'' کی ترکیب میں چونکہ دونوں لفظ فارسی ہیں اس واسطے اضافت غلط نہیں گو ''مرکب افعال'' کے اعتبار سے اُردو ہے۔ مگر اس بارے میں محققین اُردو کی رائیں مختلف ہیں۔ مزید اطمینان کے لیے کسی صاحبِ زبان کی طرف رجوع کریں۔

محمد اقبال

لاہور۔ ۲۸ر ستمبر ۲۰ء

تحقیق متن:

یہ خط ''کلیاتِ مکاتیب، دوم'' (ص: ۲۰۴) میں بھی شامل ہے اور غالباً ''انوار'' سے نقل گیا

ہے اس لیے متن میں اختلاف نہیں ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱۔ اقبالؔ سے پہلا مصرع سہواً غلط لکھا گیا ہے۔ اصل شعر یوں ہے:

کسی کے محرمِ آب رواں کی یاد آئی
حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا

بنام ابوالمکارم محمد عبدالسلام متخلص بہ سلیم

تعارف:

۱۸۸۹ء کو ریاست امب در بند، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولانا قاضی محمد علی اور دادا کا مولانا سیّد علی تھا۔ درسِ نظامی کی تکمیل اپنے والد صاحب سے کی، پھر مدرسہ عالیہ رامپور سے سندِ فراغت حاصل کی۔ دہلی سے علومِ شرقیہ کی سندات حاصل کیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے بھی فاضل تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد چند سال نمبر ا گورنمنٹ ہائی سکول پشاور میں اسلامیات کی تدریس کی، پھر استعفیٰ دے کر حجاز چلے گئے۔ وہاں چار پانچ سال کے قریب قیام رہا۔ اس اثنا میں مدرسہ 'صولتیہ' مکہ مکرمہ اور ''نظامیہ'' مدینہ منورہ میں ادبِ عربی کی تدریس کرتے رہے۔ حجاز سے واپسی کے بعد ٹیچرز ٹریننگ سکول ریاست میسور میں ادبِ عربی کے استاد مقرر ہوئے اور آخر وقت تک تدریس کرتے رہے۔ ۱۹۴۶ء کے لگ بھگ آپ کا انتقال ہوا۔

محمد عبدالسلام سلیمؔ نے اپنے چند فارسی قصائد مرتب کر کے ''نسیم سلیم'' کے عنوان سے چھپوائے۔ ان قصائد میں **۲۲** اشعار کا ایک قصیدہ ''نامہ بسوئے اقبال'' کے عنوان سے اور ''جوابِ اقبالؔ'' کے عنوان سے اقبالؔ کا درجِ ذیل خط شامل ہے۔

مآخذ: فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر، معاصرینِ اقبالؔ، ص: ۲۳۷۔۶۳۹

(۱۳)

لاہور[i]

۱۵رنومبر ۱۹۳۰ء

مخدوم ومکرم جناب مولانا سلیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے مجھ ہیچ مدان کے متعلق جن اچھے خیالات کا اظہار فرمایا ہے، میں ان کے لیے آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ خدائے تعالیٰ[ii] آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے[iii]۔ آپ کے عربی قصائد بہت دل کش ہیں۔

Å اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ

مخلص: محمد اقبال بیرسٹر لاہور

تحقیق متن:

i یہ خط ''نقوش'' خطوط نمبر، جلد 1 (ص: ۴۳۷) جنگ اقبال نمبر ۱۹۶۵ء کے علاوہ کلیاتِ مکاتیب سوم (ص: ۱۷۳۔۱۷۴) میں شامل ہے۔ ''انوار'' میں یہ خط بلا تاریخ ہے جبکہ ''نقوش'' میں تاریخِ تحریر درج ہے۔ مزید برآں صابر صاحب نے بھی اس خط کا سنہ تحریر ۱۹۳۰ء متعین کیا ہے (اشاریۂ مکاتیب''، ص: ۹۰)

ii ''انوار'' کے متن کا جائزہ ''نقوش'' میں شامل خط سے کیا گیا ہے۔ ''انوار'' میں خدا تعالیٰ ہے اور ''نقوش'' میں ''خدائے تعالیٰ'' اور میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔

iii ''انوار'' میں ''جزائے خیر دے'' ہے جبکہ ''نقوش'' میں ''جزائے خیر عطا فرمائے'' ہے۔

بنام عبدالقوی فانی

تعارف:

مولوی عبدالقوی فانی، چشتی صابری لکھنؤ یونی ورسٹی کے مورس کالج، ناگپور میں عربی اور فارسی کے پروفیسر تھے۔ ان کی کتاب ''لسان وادبیاتِ فارسی مغل دربار میں (بزبانِ انگریزی)

تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ فانی نے متعدد قصائد اور نظمیں اکابر ہند کی مدح وثنا میں فارسی میں لکھیں۔ چند قصیدے نظام حیدرآباد کی شان میں کہئے مجموعے کا نام ''گلزارِ عثمانی'' رکھا۔ یہ سب قصیدے اساتذہ سلف کی زمینوں میں ہیں۔ ان قصائد پر مشاہیر کی آراء ایک الگ رسالے میں شائع ہوئی ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں فانی کا انتقال ہوا۔

مآخذ: عبداللہ قریشی: معاصرین اقبالؔ کی نظر میں، ص: ۲۷۸، ۲۷۹

(۱۴)

لاہور[i] ۲۱ رمئی ۱۹۳۲ء (انگریزی)

ڈیر سر،

چند روز پہلے آپ کے قصائد کا نسخہ موصول ہوا تھا۔ اس کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ اگرچہ مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ میں اس نوع کی شاعری کا اچھا پارکھ نہیں ہوں۔ تاہم ایک نظر دیکھنے کے بعد میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے قصائد بہت شاندار ہیں۔ ایک ایسے زمانے میں، جب ہندوستان میں فارسی ادب کا مطالعہ انتہائی محدود ہو کر رہ گیا ہے، آپ کے قصیدے آپ کا بہت بڑا امتیاز ہے۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبالؔ

تحقیق متن

[i] اصل خط انگریزی میں (متن دیکھیے: خطوط اقبالؔ، ص: ۲۱۳)۔ یہ خط مکتوب الیہ کی مثنوی ''عدلِ جہانگیری'' میں شائع ہوا۔ ''انوار'' میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ انگریزی خط کا ترجمہ ہے۔ علاوہ ازیں ''انوار'' میں یہ خط بلا تاریخ ہے جبکہ انگریزی متن میں تاریخِ تحریر (۲۱ رمئی ۱۹۳۲ء) درج ہے۔ ''انوار'' کا ترجمہ لفظی ترجمہ ہے اس لیے ''خطوطِ اقبال'' (ص: ۲۱۲) کے ترجمے کو صحیح قرار دیتے ہوئے شامل کیا گیا ہے۔ ''کلیات مکاتیب' سوم' (ص: ۲۸۲) میں بھی ''خطوط اقبالؔ'' ہی کا ترجمہ شامل ہے۔

بنام اظہر عباس

تعارف:

خواجہ اظہر عباس مولانا حالی کے نواسے، خواجہ غلام الثقلین کے بیٹے اور خواجہ غلام السیدین کے چھوٹے بھائی تھے۔۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ سے بی اے۔ ایل ایل بی کیا اور اس کے بعد دہلی آ کر کئی سال تک حالی پبلشنگ ہاؤس چلاتے رہے۔ جس نے ''مسدسِ حالی اور دیگر شعر و ادب کی اہم کتابیں شائع کیں۔ بعد ازاں خواجہ اظہر عباس حکومتِ ہند کے ڈائریکٹر جنرل آف سپلائی اینڈ ڈسپوزلز میں آفیسر مقرر ہو گئے۔ اور وہاں ۱۹۶۱ء تک کام کیا، پھر بمبئی جا کر سکونت اختیار کر لی، انھوں نے ۱۹۶۸ء میں انتقال کیا۔ شعر و شاعری سے بھی گہرا لگاؤ تھا اور ان کی حسِ ظرافت مشہور تھی۔

مآخذ: کلیاتِ مکاتیب، چہارم، ص: ۶۸۸

(۱۵)

۸ر نومبر ۱۹۳۵ء

ڈیر مسٹر اظہر عباس

آپ کا خط مل گیا۔ اس سے پہلے بھی ایک خط موصول ہوا تھا مگر افسوس کہ میں علالت کی وجہ سے خطوط کا جواب لکھنے میں بہت سست ہو گیا ہوں۔

''مسدس حالی'' نہایت عمدہ چھپی ہے اور اس کے متعدد دیباچے نہایت مفید ہیں۔ میں نے کئی سالوں بعد اسے کل اور پرسوں دوبارہ پڑھا اور نیا لطف اٹھایا۔ امید ہے کہ آپ مرحوم کا باقی کلام بھی اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی اور نفیس جلدوں میں شائع کر سکیں گے۔

محمد اقبال

تحقیق متن:

یہ خط ''چراغِ راہ'' اپریل ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

حواشی وتعلیقات

۱ مولانا حالی (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) کا مشہور مسدس ''مدّ وجزر اسلام'' جو ''مسدسِ حالی'' کے نام سے مشہور ہے' اُردو نظم کی تاریخ کا ایک شاہکار ہے۔ حالی کے متعلق علاّمہ اقبال کا ارشاد ہے۔

آں لالۂ صحرا کہ خزاں دید و بیفسرد سید دگر اُو رانمی از اشکِ سحر داد
حالی زِ نواہائے جگر سوز نیا سود تا لالۂ شبنم زدہ را داغِ جگر داد

سرسید کے نزدیک اس کی اہمت یہ تھی کہ وہ اس کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ مسدس کی رسید میں جو خط سرسید نے شملہ سے مولانا حالی کو لکھا ہے' اس میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ دنیا میں کیا کیا؟ تو جواب دوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں۔ شاید ہی کسی شاعر یا مصنف کو اپنے کلام کی ایسی داد ملی ہوگی......مسدس مسلمانوں کے عروج وزوال کی ایک مؤثر داستان ہے' جس سے مسلمانوں کی پوری تاریخ آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اُردو میں قومی شاعری کی یہ پہلی کوشش ہے جو ادب العالیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ علاّمہ اقبال کے پیشِ نظر بھی مسلمانوں کا عروج وزوال تھا چنانچہ ان کی نظموں بالخصوص ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' میں وہی موضوع ہے جو ''مسدسِ حالی'' کا ہے۔

مآخذ: ۱) رفعت قریشی (مقالہ نگار)' مسدس ''مدوجزر اسلام' تنقیدی وتحقیقی جائزہ (مقالہ: ایم اے)' نگران: غلام حسین ذوالفقار

۲) ابواللیث صدیقی' ڈاکٹر' ''ملفوظاتِ اقبال مع حواشی وتعلیقات''، ص: ۳۲۵-۳۲۶

بنام شاطر مدراسی

تعارف:

شمس العلماء ابوالمعانی محمد عبدالرحمٰن شاطر' مدراس کے رہنے والے تھے' آپ مولوی عبدالغنی خان امیر کے فرزند اور سکندر جنگ بہادر اوّل شہزادہ ارکاٹ کے پوتے تھے۔ شاطر اُردو'

عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں سے واقف تھے۔ مدراس ہائی کورٹ میں مترجم رہے۔ ''کارنامہ دانش'' ان کی نظموں کا مجموعہ ہے' ''اعجازِ عشق'' شاطر کی ایک فلسفیانہ نظم ہے' جو ایک طویل رائیہ قصیدہ ہے' اس میں جدید و قدیم فلسفیانہ مسائل و آرا سے الٰہیات اسلامیہ کی تفسیر و تشریح کی ہے' یہ نظم ۱۹۰۵ء میں لکھی گئی۔ ان کا انتقال ۱۹۴۳ء میں ہوا۔

مآخذ: سید سلیمان ندوی: یادرفتگاں' ص: ۲۴۹۔۲۵۰

(۱۶)

از لاہور گورنمنٹ کالج ۲۴رفروری ۱۹۰۵ء[1]

مخدوم و مکرم جناب شاطر

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مع قصیدہ پہنچا۔ اس قصیدے کا کچھ حصہ مخزن[1] میں شائع ہو چکا ہے اور پنجاب میں عموماً پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ ہمارے ایک کرم فرما جالندھر میں ہیں' میں نے سنا ہے کہ وہ اس کو نہایت پسند کرتے ہیں اور اس کے اشعار کو انھوں نے اتنی دفعہ پڑھا ہے کہ اب ان کو وہ تمام حصہ جو مخزن میں شائع ہو چکا ہے از بر یاد ہے۔ اکثر اشعار نہایت بلند پایہ اور معنی خیز ہیں۔ بندشیں صاف اور ستھری ہیں اور اشعار کا اندرونی درد مصنف کے چوٹ کھائے ہوئے دل کو نہایت نمایاں کر کے دکھا رہا ہے۔ انسان کی روح کی اصلی کیفیت ''غم'' ہے خوشی ایک عارضی شے ہے۔ آپ کے اشعار اس امر پر شاہد ہیں کہ آپ نے فطرتِ انسانی کے اس گہرے راز کو خوب سمجھا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اس کے سقموں سے آپ کو آگاہ کروں۔ میں آپ کے حسنِ ظن کا ممنون ہوں مگر بخدا مجھ میں یہ قابلیت نہیں کہ آپ کے کلام کو تنقیدی نگاہ سے دیکھوں۔

میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ میرے اشعار کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے شاید میرے حق سے بڑھ کر مجھے داد دی ہے۔ میں آپ کے نوازش نامے کا ابتدائی حصہ دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہوں اور آپ کی وسعتِ قلب پر حیران۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور ہمیشہ بامراد

رکھے۔

آپ کے خاندانی تعزز کا حال معلوم کر کے مجھے بڑی مسرت ہوئی۔آپ لوگ گزشتہ کاروانِ اسلام کی یادگار ہیں اور اس وجہ سے ہر طرح واجب الاحترام اور قابلِ تعظیم ہیں۔

جس قصیدے کے ارسال کرنے کا وعدہ آپ فرماتے ہیں اس کا شوق سے منتظر رہوں گا۔والسلام

آپ کا نیاز مند
محمدؐ اقبالؔ از لاہور گورنمنٹ کالج
بھاٹی دروازہ[ii]

تحقیق متن:

(i) ''انوار''(ص:۱۸) میں ''۲۲'' درج ہے۔

(ii)''انوار میں خط تقریظ کی صورت میں ہے' تاہم نامکمل خط ہے اور القاب و آداب درج نہیں ہے۔''خطوطِ اقبال'' (ص:۶۹۔۷۰) میں مذکورہ خط مکمل طور پر شامل ہے۔

تعلیقہ

[ا] مخزن: لاہور سے یہ ادبی و تاریخی رسالہ اپریل ۱۹۰۱ء کو ظہور پذیر ہوا۔۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔اس کے مالک و ایڈیٹر شیخ عبدالقادر تھے۔دو قسم کے کاغذوں پر چھپتا تھا۔رسالہ جاری کرنے کے ساڑھے تین سال کے بعد شیخ عبدالقادر ولایت چلے گئے۔ان کی عدم موجودگی میں ان کے اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد اکرام نے رسالے کا معیار برقرار رکھا ''مخزن'' نکالنے کے چھ سال کے بعد شیخ عبدالقادر ۱۹۰۷ء میں دہلی چلے گئے' وہاں پریکٹس شروع کر دی تو رسالے کا دفتر بھی دریا گنج کوچہ چیلان دہلی میں لاہور سے منتقل ہو گیا۔غرض یہ رسالہ نہیں ایک ایسا ادبی عہد تھا جو بیسویں صدی سے شروع ہوا۔

مآخذ: ۱)امداد صابری: تاریخِ صحافت اُردو' جلد چہارم' ص:۱۱۰۔

۲)مسکین علی حجازی' ڈاکٹر: پنجاب میں اُردو صحافت کی تاریخ' ص:۲۔۱۷۱۔۱۵۸

(۱۷)

سیالکوٹ شہر ۲۹/ اگست ۱۹۰۸ء

مخدومی۔ السلام علیکم۔ میں ایک دو روز کے لیے لاہور چلا گیا تھا۔ کل واپس آیا تو آپ کا نوازش نامہ ملا۔ مبارک باد کا شکریہ قبول کیجیے[۱]۔ اعجاز عشق[۲] کے چند صفحے تو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ باقی اشعار بھی ماشاء اللہ نہایت بلند پایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولتِ شرافت کے ساتھ دولتِ کمال سے بھی مالا مال کیا ہے و ذالک **فضل الله يعطيه من يشا**[۳]۔

میں آپ کی سوانح عمری اور دیگر اشعار دیکھنے کا نہایت مشتاق ہوں۔ جب کبھی شائع ہوں مجھے ایک کاپی عنایت فرما کر سپاس گزار فرمائیں۔ آپ کے کلام میں ایک خاص رنگ ہے جو اردو شعرا میں شاذ پایا جاتا ہے[۴]۔ مولانا حالیؔ،[۵] شبلیؔ، شادؔ جیسے قادر الکلام بزرگوں سے دادِ سخن گوئی لینا ہر کسی کا کام نہیں۔ جو کچھ ان بزرگوں نے آپ کے حق میں تحریر فرمایا ہے وہ آپ کے لئے باعث افتخار ہے۔ میں ایک دو ماہ کے لیے سیالکوٹ مقیم رہوں گا۔ اس کے بعد لاہور بیرسٹری کا کام شروع کروں گا۔ ملازمت کا سلسلہ ترک کر دیا ہے۔

آپ میرے مجموعۂ کلام کی نسبت دریافت کرتے ہیں' میں کیا اور میرا کلام کیا۔ نہ مجھے ان اوراق پریشاں کے جمع کرنے کی فرصت ہے نہ حقیقت میں ان کی ضرورت ہے۔ محض دوستوں کے دل بہلانے کے لیے کبھی کبھی کچھ لکھتا ہوں اور وہ بھی مجبوراً۔ گزشتہ تین سال سے بہت کم اتفاق شعر گوئی کا ہوتا ہے اور اب تو میں پیشہ ہی اس قسم کا اختیار کرنے (کو[ا]) ہوں' جس کو شاعری سے کوئی نسبت نہیں۔

آگر آپ اعجازِ عشق میرے کسی دوست کے نام ارسال کرنا چاہیں تو حضرت مولوی سیّد میر حسن[۶] صاحب پروفیسر عربی سکاچ مشن کالج سیالکوٹ کے نام ارسال کیجئے۔ یہ بڑے بزرگ عالم اور شعر فہم ہیں۔ میں نے انھیں سے اکتسابِ فیض کیا۔ والسلام

آپ کا نیاز مند

محمدؐ اقبال

تحقیق متن:

''انوار'' (ص:۱۸) میں یہ خط' تقریظ کی صورت میں چند سطروں پر مشتمل ہے' مکمل خط ''خطوط اقبال'' (ص:۲۷' ۳۷) میں شامل ہے' چنانچہ مذکورہ خط کا متن ''خطوطِ اقبال'' سے لیا گیا ہے۔

(i) اصل متن میں حرف ''کو'' نہیں۔

حواشی وتعلیقات

۱ اقبال ولایت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۲۷ر جولائی ۱۹۰۸ء کو لاہور پہنچے۔ مکتوب الیہ نے اس پر مبارک باد کا خط لکھا۔

۲ قصیدہ ''اعجاز عشق'' کتابی صورت میں ۱۹۰۵ء میں مطبع نافع الاسلام مدراس سے شائع ہوا تھا۔

۳ قرآنِ حکیم میں اس آیت کی صحیح شکل یہ ہے۔ **ذالک فضل الله يؤتيه من يشآء** (یہ اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) یہ آیت تین مقامات سورہ المائدہ:۵۴' سورہ الحدید:۲۱' اور سورہ الجمعہ' ۴ پر آئی ہے۔ اقبال نے جلدی میں ''يؤتيه'' کو **يعطيهِ**' بنا دیا' اگر چہ یہ قرآن کا متن نہیں ہے مگر مفہوم اس کا بھی وہی ہے۔

۴ علاّمہ اقبال کو جو شعر زیادہ پسند آیا' وہ یہ ہے:

ہم خدائی کرتے ہیں تیری بدولت اے خیال
ایک کُن سے ہوتے ہیں عالم ہزاروں آشکار

۵ مولانا حالؔی کی رائے میں سے افضل شعر یہ ہے:

بے محل اُٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم
کوئی ہے تجھ پر سوار اے ابلقِ لیل ونہار

۶ سید میر حسن: دیکھیے: خط نمبر ۱۴ تعلیقہ نمبر ۱

۷ اقبالؔ نے مولانا سید میر حسن سے کسبِ فیض کا ذکر نظم ''التجائے مسافر'' میں یوں کیا

ہے:

وہ شمعِ بارگہ خاندان مرتضوی — رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھِلی میری آرزو کی کلی — بنایا جس کی مروّت نے نکتہ داں مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوندِ آسمان و زمیں — کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

بنام مولوی کرم الٰہی صوفی

(نومبر ۱۹۱۱ء سے قبل[i])

مخدوم ومکرم جناب مولوی کرم الٰہی صاحب۔ السلام علیکم

میں نے آپ کی کتاب اسلامی تاریخ عہدِ افغانیہ شروع سے لے کر آخر تک پڑھی۔ یہ کتاب نہایت برمحل لکھی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم اس کی بہت قدر کریں گے۔ تاریخی تحقیق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اکثر مقامات اس کتاب کے قابلِ داد ہیں اور آپ کی قوتِ استدلال اور درایت تاریخی کو ثابت کرنے کے علاوہ اس بات پر نہایت قوی حجت ہے کہ ہندوستانی مسلموں میں مذاقِ تاریخ نویسی اب تک زندہ ہے اور ابھی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی تاریخ کو غیر اقوام کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہندوستانی تاریخ کے واقعات کو مؤرخانہ نگاہ سے دیکھنے والے لوگ اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں مگر ان کے علاوہ عام پڑھنے والے لوگ بالخصوص مسلم جن کی قومی روایات کی یہ کتاب ایک نہایت روشن اور صحیح تصویر ہے، اس کتاب کے مطالعے سے اخلاقِ فاضلہ کے وہ گراں قدر اصول سیکھ سکتے ہیں جو ان کی قوم کے مابہ الامتیاز رہے ہیں اور جن پر عمل کرنے سے حجاز کے صحرانشین تیس ہی سال کے اندر شتربانی سے جہاں بانی تک پہنچ کر اقوامِ قدیمہ کی تہذیب کے وارث اور تہذیبِ جدید کے بانی بن گئے۔ تاریخ کا مقصد اگر اخلاقی ہے اور میرے خیال میں تاریخ کا یہی مقصد ہونا چاہیے، تو آپ کی تصنیف اس مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے اور میں یہ

حیثیت ایک مسلم ہونے کے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ کتاب عین ضرورت کے موقع پر لکھ کر اپنی قوم پر احسان کیا۔ قومیت کا احساس جس کو بالفاظ دیگر قومی خود داری کہنا چاہیے قومی زندگی کے لیے ضروری ہے اور جن وسائل سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے وہ بھی قومی حیات کے لئے ضروریات میں سے ہیں۔ پس اس اعتبار سے آپ کی کتاب کا مطالعہ ہر مسلم پر واجب ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں ہر مسلم خاندان اس کتاب کے پڑھنے سے مستفیض ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی محنت اور جانکاہی کا اجر دے اور اس کا انعام آپ کو اس مقدس رسولؐ کی بارگاہ سے ملے جس کے کام سے بنی نوع انسان کی نجات اور جس کے نام سے ہماری قومیت وابستہ ہے۔ والسلام

آپ کا خادم

محمدؐ اقبال بیرسٹرایٹ لاء۔ لاہور

تحقیق متن:

ا ڈاکٹر صابر کلوروی کے مطابق اس خط کا سنہ تحریر ۱۹۱۱ء ہے (اشاریۂ مکاتیب' ص:۹۰) یہ خط مولوی کرام الٰہی صوفی کی کتاب ''ہندوستان کی اسلامی تاریخ'' پر (ریویو کی صورت میں) رسالہ ''مخزن'' کے نومبر ۱۹۱۱ء کے شمارے میں بطور اشتہار شائع ہوا۔ اس لیے یہ خط نومبر ۱۹۱۱ء سے پہلے لکھا گیا ہوگا۔

بنام سر اکبر حیدری

تعارف:

محمد اکبر نذر علی حیدری ۸/نومبر ۱۸۶۹ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ۱۶ سال کی عمر میں میٹرک پاس کیا اور ۱۷ سال کی عمر میں بی اے کے امتحان میں امتیازی حیثیت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں محکمۂ مالیات ہند میں ملازم ہو گئے اور ترقی کر کے صوبجات متحدہ کے اسسٹنٹ اکاؤنٹینٹ جنرل بن گئے۔ اس کے بعد بمبئی اور مدراس میں ڈپٹی اکاؤنٹینٹ جنرل اور کنٹرولر خزانہ کے فرائض انجام دیے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ریاست حیدرآباد نے ان کی خدمات

مستعار لے لیں اور مختلف عہدوں پر مثلاً صدر محاسب، سیکرٹری محکمہ جات عدالت و تعلیمات، امورِ مذہبی اور صنعت و حرفت وغیرہ پر کام کرتے رہے۔ سر اکبر حیدری ایک ماہر نظم و نسق تھے۔ انھوں نے حیدر آباد میں محکمۂ آثار قدیمہ قائم کیا اور ریاست میں دستوری اصلاحات بھی ان کے کارنامے ہیں۔

سر اکبر حیدر کے یوں تو متعدد کارہائے نمایاں ہیں مگر عثمانی یونی ورسٹی کا قیام (۲۲ ستمبر ۱۹۱۸ء) ان کا سب سے بڑا علمی اور تعلیمی کارنامہ ہے۔ سر اکبر حیدری علامہ اقبال کے دوستوں میں سے تھے۔ تعلقات کا آغاز غالباً مارچ ۱۹۱۰ء میں اقبال کے پہلے سفرِ حیدر آباد کے موقع پر ہوا۔ اس زمانے میں سر اکبر حیدری، حیدر آباد دکن میں محکمہ مالیات کے معتمد تھے۔ انھوں نے علامہ اقبال کی بڑی خاطر مدارات کی اور ایک چاندنی شب وہ علامہ کو سلاطین شاہیہ کے مقبرے دکھانے لے گئے۔ اقبال کی نظم ''گورستانِ شاہی'' (کلیات، اُردو، ص: ۱۴۹۔۱۵۳) اسی واقعے کی یادگار ہے۔ علامہ نے اس نظم کو سر اکبر اور ان کی بیگم کے نام نامی سے منسوب کیا۔

۱۹۱۴ء میں علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد پنشن یاب ہونے کے بعد دوبارہ حیدر آباد میں ملازمت کے متلاشی تھے۔ دکن میں سر اکبر حیدری کی بااثر حیثیت کے پیش نظر علامہ نے اس سلسلے میں ان کی مدد چاہی۔ غالباً سر اکبر اس بارے میں کچھ نہ کر سکے۔ اسی دوران حیدر آباد ہائی کورٹ میں عہدۂ ججی کے لیے بہت سے دوسرے ناموں کے ساتھ اقبال کا نام بھی پیش ہوا۔ عدالت عالیہ میں جج کا منصب اقبال کے لیے ایک باوقار ملازمت تھی۔ مہاراجا سر کشن پرشاد شادؔ ریاست حیدر آباد میں اہم عہدے پر فائز تھے۔ اس لیے اقبال کا خیال تھا کہ ان کے تقرر کے سلسلے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ کئی ماہ تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس دوران دو واقعات رونما ہوئے جن سے علامہ قدرے مایوس ہو گئے۔ اوّل: حیدر آباد سے قبال کے نام ایک گم نام خط آیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم تو آپ کے یہاں آنے کے لیے شب و روز دعا کر رہے ہیں مگر بعض آدمی جو بظاہر آپ کے دوست ہیں، حقیقت میں آپ کے یہاں آنے پر خوش نہیں ہیں۔ اس خط میں نام لیے بغیر سر اکبر کی طرف واضح اشارہ موجود تھا۔ دوم: اسی اثنا میں اکبر حیدری نے اقبال کو عثمانیہ یونی ورسٹی میں قانون کی پروفیسری کی پیش کش کی۔ اقبال کو سر اکبر کی یہ پیش کش اچھی نہیں لگی۔ ممکن ہے اس نئی پیش کش کو اقبال نے متذکرہ بالا مخالفانہ خط کے پس منظر میں دیکھا ہو۔ پہلے ''یومِ اقبال'' (یکم جنوری ۱۹۳۸ء) کے موقع پر حضور نظام کی طرف سے، جو صاحب صدر اعظم کے ماتحت ہے، ایک

ہزار روپیہ کا چیک موصول ہوا تو علاّمہ کی خودداری کو ٹھیس پہنچی، چنانچہ آپ نے چند اشعار میں اس کا اظہار کیا:

غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

علاّمہ نے چیک واپس کر دیا۔ اکبر حیدری سے اقبالؔ کے تعلقات کے پورے پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو اقبالؔ کا یہ تلخ ردِعمل فطری معلوم ہوتا ہے۔ یہ واقعہ ۵ رجنوری ۱۹۳۸ء کے آخر یا فروری ۱۹۳۸ء کے اوائل میں پیش آیا۔ اس واقعہ نے اقبال اور سر اکبر کے درمیان رہے سہے تعلقات کو بہت متاثر کیا۔ وفات سے تین چار ہفتے پہلے سر اکبر نے اقبالؔ سے اشعار کی فرمائش کی۔ انھوں نے اشعار براہِ راست سر اکبر کو بھیجنے کے بجائے ڈاکٹر مظفر الدین قریشی کی وساطت سے روانہ کیے۔ سر اکبر اور اقبالؔ کے قدیمی پُر جوش روابط برقرار نہ رہ سکے۔ روابط میں کمی آ گئی تھی، مگر قطعِ تعلق کی نوبت کبھی نہیں آئی۔

ماٰخذ: ۱) نظر حیدر آبادی ''اقبال اور حیدر آبادی''ص: ۲۰۸۔۲۱۴۔
۲) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، ''خطوطِ اقبال''، ص: ۲۷۵

(۱۹)

۱۹۲۴ء[1]

ڈیر مسٹر حیدری۔ آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ جس کے ساتھ مسٹر عبدالرزاق[1] کا خط ملفوف تھا۔ رقم کی ادائیگی کے لئے ان کی مزید مہلت طلبی پر میں رضامند ہوں۔

مجھے افسوس ہے کہ مجھے کتاب ''کلیاتِ اقبال'' کی فروخت کو برطانوی ہند سے باہر یعنی مملکت نظام تک محدود رکھنے پر اصرار کرنا پڑا۔ کیونکہ جن لوگوں سے میرا معاملہ ہونا ہے وہ اس قسم کی کسی شرط کے بغیر میرے ساتھ معاہدہ نہیں کریں گے اور ان کے نقطۂ نگاہ سے میں سمجھتا ہوں بات خاصی معقول ہے۔ امید ہے اب یہ لوگ کنٹریکٹ کی تکمیل کریں گے۔ ویسے مجھے اندیشہ ہے کہ ایک ہزار روپے کی رقم معاوضے کے سلسلے میں وہ مجھے ذاتی طور پر

سے ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔

مجھے امید ہے کہ مسٹر عبدالرزاق سمجھ گئے ہوں گے کہ میں اس قرارداد سے جو آپ کی مہربانی سے میرے اور ان کے درمیان طے پائی تھی، کوئی گریز نہیں کر رہا۔

آپ کی زحمتوں کے لیے شکر گزار

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

تحقیق متن:

ا؎ اصل خط انگریزی میں ہے۔ نادم سیتاپوری نے اس کا اردو ترجمہ ''ہماری زبان'' (علی گڑھ) جولائی یا اگست ۱۹۲۰ء میں شائع کیا۔ اس خط کا سنہ تحریر ڈاکٹر صابر کلوروی نے ۱۹۲۴ء متعین کیا ہے۔ (اشاریۂ مکاتیب، ص: ۹۰)

حواشی و تعلیقات

ا؎ علامہ اقبالؔ کا پہلا اُردو شعری مجموعہ ''بانگ درا'' ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا اور اسی زمانے میں مولوی عبدالرزاق حیدرآباد دکن سے ''کلیات اقبال'' شائع کرنے کے انتظامات میں مصروف تھے۔ بیک وقت دو مجموعوں کی اشاعت کا مطلب یہ ہوسکتا تھا کہ مولوی عبدالرزاق علامہ اقبال کو بغیر اطلاع کیے اپنے طور پر ''کلیات'' کی تیاری میں دکن میں مشغول تھے۔ ''کلیات'' کی اشاعت کے بعد سر اکبر حیدری کے نام علامہ کے ایک خط میں اس خواہش کا اظہار ملتا ہے کہ سر اکبر حیدری، عبدالرزاق کو اس پر راضی کرلیں کہ وہ ''کلیات'' کو ریاست حیدرآباد سے باہر فروخت نہ کریں اور جب عبدالرزاق نے سر اکبر کی تحریک پر علامہ کی یہ تجویز منظور کر لی تو علامہ نے سر اکبر حیدری کو درجِ بالا شکریہ کا خط لکھا۔

مآخذ: ۱) عبدالواحد معینی، ''نقشِ اقبالؔ''، ص: ۶۵-۷۴۔

بنام محمد دین فوق

تعارف:

منشی محمد دین فوقؔ، علامہ اقبالؔ کے لڑکپن کے دوست تھے۔ علامہ نے انھیں ''مجددِ

کتا مرہ'' کا خطاب دیا تھا۔فوقؔ ۱۸۷۷ء میں موضع کوٹلی ہرنارائن (نزدیک شہر سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔فوقؔ کی ابتدائی تعلیم موقع گھڑتل کے پرائمری اسکول میں ہوئی اور اُردو مڈل جاکے ضلع سیالکوٹ سے پاس کیا۔ وہیں شعر گوئی کی ابتدا ہوئی۔۱۸۹۵ءمیں انگریزی مڈل کا امتحان اپچی سن اسکول میں دینے کے بعد سیالکوٹ میں پٹوار کا کام سیکھنا شروع کیا۔ پھر جموں میں ملازمت کر لی۔ جنوری ۱۸۹۶ء میں لاہور میں اپنے بڑے بھائی منشی رحیم بخش شیدا کے پاس چلے آئے۔علاّمہ اقبالؔ اس زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔انجمن اتحاد کے زیر اہتمام بھاٹی دروازے میں ہفتہ وار مشاعرہ منعقد ہوتا تھا۔فوقؔ نے ۱۸۹۵ء میں علاّمہ اقبالؔ کی تقلید میں نواب مرزا داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کر لی اور ان مشاعروں میں غزلیں پڑھتے رہے۔فوقؔ نے غزلیں، قطعات، قصیدے، رباعیات اور قومی نظمیں غرض بہت کچھ لکھا۔اس دوران میں وہ کئی اخبارات کے ایڈیٹر رہے۔۱۸۹۶ء میں لاہور آ کر ''پیسہ اخبار'' میں ملازم ہوئے۔۱۹۰۱ء میں اپنا ہفتہ وار اخبار ''پنجۂ فولاد'' جاری کیا جو ۱۹۰۶ء میں بند ہو گیا۔اس کے بعد ماہنامہ ''کشمیری میگزین'' جاری کیا جو بعد میں ہفتہ وار اخبار ''کشمیری'' بن گیا۔۱۹۱۴ء میں رسالہ ''طریقت'' نکالا، جو چھ سال تک چلتا رہا۔ ۱۹۱۸ء میں رسالہ ''نظام'' شروع کیا جو جلدی بند ہو گیا۔ان کئی تصانیف میں سے یادِ رفتگاں''، ''وجدانی نشتر'' ''رہنمائے کشمیر''، ''حریت اسلام''، تذکرہ شعرائے کشمیر''، ''شبابِ کشمیر''، وہ کتابیں ہیں جن کا تذکرہ اقبالؔ نے ان خطوط میں کیا ہے۔فوقؔ نے علاّمہ کی حالاتِ زندگی پر سب سے پہلے مضمون تحریر کیا، مثلاً لکھتے ہیں: ڈاکٹر اقبالؔ کے مختصر حالات ان کی چند غزلوں کے ہمراہ ان کی اجازت سے سب سے پہلے میں نے ''بہارِ گلشن'' کے نام سے ایک مختصر مجموعۂ اشعار میں چھاپے تھے، یہ ۱۸۹۸ء کا ذکر ہے''۔(سرگذشتِ فوقؔ (قلمی) ص:۱۳۲)......
فوقؔ نے ۱۴ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو بروز جمعہ انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) روزنامہ ''امروز'' ۲۸ر اکتوبر ۱۹۷۳ء
۲) مجلّہ ''اقبال''، اپریل ۱۹۸۲ء، ص:۱۷۔۳۵
۳) اجمل نیازی، ڈاکٹر ''فوق الکشمیر''، ص:۱۳۱۔۹۴
۴) افتخار احمد ''اقبالیاتِ محمد الدین فوقؔ'' (مقالہ: ایم فل، اقبالیات) ص:۲۔۱۷

(۲۰)

ڈیرفوقؔ

اہلِ اللہ کے حالات نے، جو آپ نے بنام ''یادرفتگاں''[1] تحریر فرمائے ہیں، مجھ پر بڑا اثر کیا اور بعض بعض[2] باتوں نے تو، جو آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں درج کی ہیں، مجھے اتنا رلایا کہ میں بے خود ہو گیا۔ خدا کرے آپ کی توجہ اس طرف لگی رہے۔ زمانۂ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے حیرت ناک تذکروں کو زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت حسنِ ظن کا دور جانا ہے۔

بھائی فوقؔ! خود بھی اس گوہر نایاب کی تلاش میں رہو جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں مل سکتا بلکہ کسی خرقہ پوش کے پاؤں کی خاک میں اتفاقیہ مل جاتا ہے۔ والسلام

از سیالکوٹ — آپ کا دوست

۷/اکتوبر۱۹۰۴ء — (شیخ محمد اقبالؔ (ایم اے۔ پروفیسر گورنمنٹ کالج۔ لاہور)

تحقیق متن:

[1] یہ خط ''سرگزشتِ فوقؔ'' (قلمی، ص:۴۵)، اخبار کشمیری، ۸/جنوری ۱۹۱۶ء اور ''نقوش'' مکاتیب نمبر جلد اول (ص:۲۹۳) میں شامل ہے۔ ''سرگزشتِ فوقؔ'' کے مطابق ''بعض بعض'' ہے جبکہ ''انوار'' میں ''بعض باتوں'' ہے۔

حواشی تعلیقات

[1] یادِ رفتگاں: فوقؔ نے ۱۹۰۴ء میں لکھی جسے سٹیم پریس لاہور نے شائع کیا۔ یہ کتاب لاہور کے صوفیا کے بارے میں ہے۔ ان صوفیا میں حضرت شاہ ابوالمعالی، شاہ چراغ، موج دریا، شاہ محمد غوث، شاہ جمال، درس میاں وڈا، بی بی پاک دامن، طاہر بندی، شاہ بلاول، سید جان محمد حضوری، گھوڑے شاہ، پیر مکی میراں شاہ، حضرت ایشاں، حضرت لال حسین، حضرت شیخ مادھو، داتا گنج بخش، حضرت میاں میر اور دوسرے کئی مسلم صوفیا کے علاوہ گورو ارجن، چھجّو بھگت اور گورو سری چند کا احوال بھی تحریر کیا ہے۔ اس کتاب سے متاثر ہو کر علامہ اقبالؔ نے اپنی یہ مشہور غزل کہی

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

(کلیات' اُردو' ص:۱۱۴)

مآخذ: اجمل نیازی' ڈاکٹر' ''فوق الکشمیر''، ص:۱۴۱۔۱۴۴

(۲۱)

۱۹۰۶ء[i]

ڈیئر فوق

آپ کا خط[ii] ملا! الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ مجھے بھی یہ خیال تھا کہ جاتی دفعہ[۱] آپ سے ملاقات نہ ہوسکی' افسوس ہے مجھے اس موقع پر فرصت کم تھی ورنہ کہیں نہ کہیں آپ سے ملنے کو آ جاتا۔ اچھا ہوا کہ [iii] آپ نے وہ پرچہ[۲] اپنی ذمہ داری پر چلانا شروع کیا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ یہاں کے مشاغل سے مطلق فرصت نہیں ملتی۔ ایسے حالات میں مضامین لکھنے کی کہاں سوجھتی ہے۔ البتہ شعر ہے جو کبھی کبھی خود موزوں ہو جاتا ہے' سو شیخ عبدالقادر[۳] (ایڈیٹر مخزن) لے جاتے ہیں۔ ان سے انکار نہیں ہوسکتا' آپ سے بھی انکار نہیں۔ اگر کچھ ہوگیا تو حاضر[iv] ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

ٹرینٹی کالج۔ کیمبرج انگلینڈ

تحقیق متن:

i یہ خط چونکہ اپریل ۱۹۰۶ء کے ''کشمیری میگزین'' میں شائع ہوا تھا' لہٰذا اس کی تاریخ مارچ ۱۹۰۶ء ہوئی (تصانیف اقبال'' ص:۲۴۳)

ii عکس کے مطابق ''کارڈ'' کے بجائے ''خط'' ہے۔

iii عکس کے مطابق ''اچھّا ہوا کہ'' ہے۔

iv عکس میں ''کروں'' کے بجائے ''ہو'' ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ علاّمہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۰۵ء میں لندن تشریف لے گئے۔سفر کی تیاری کی مصروفیات کے باعث وہ محمد دین فوق سے نہ مل سکے۔
(مزید دیکھیے: ''عروجِ اقبال''، صح ۲۹۱۔۳۴۰)

۲۔ پرچہ جس کی طرف اشارہ ہے، وہ ''کشمیری میگزین'' ہے جو لاہور سے جنوری ۱۹۰۶ء میں شروع ہوا۔رسالے کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا:

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید
گرمرغ کباب است بہ بال و پر آید

''کشمیری میگزین'' کا سب سے پہلا پرچہ پانچ سو چھپا تھا۔بعد میں اس کی اشاعت تیرہ سو تک ہوگئی تھی۔۱۹۱۲ء میں بارہ سو تھی۔فوقؔ نے جنوری ۱۹۱۳ء سے میگزین کو ہفتہ وار کر دیا تھا۔یہ پرچہ مصور تھا۔ہر ایک پرچے میں کسی نہ کسی مشہور آدمی کی تصویر چھپتی تھی۔

مآخذ: ۱) امداد صابری، ''تاریخ صحافت اُردو' جلد:۴، ص:۱۱۰۔۱۲۴
۲) اجمل نیازی، ڈاکٹر''فوق الکشمیر''، ص:۴۸۷۔۴۸۹

۳۔ شیخ عبدالقادر ۱۸۷۴ء میں بمقام لُدھیانہ پیدا ہوئے۔آبائی وطن قصور تھا۔۱۸۹۴ء میں فورمن کرسچن کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ ۱۸۹۵ء میں لاہور کے انگریزی اخبار آبزرور (Observer) کے اسسٹنٹ ایڈیٹر اور تین سال بعد چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔اپریل ۱۹۰۱ء میں ماہنامہ''مخزن'' جاری کیا۔۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کے لیے لندن گئے۔واپس آ کر دلی میں وکالت شروع کی۔۱۹۰۹ء میں لاہور چلے گئے۔۱۹۱۲ء میں لائل پور اور جھنگ سرکاری وکیل کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔جون ۱۹۱۹ء میں''خان بہادر'' کا خطاب ملا۔۱۹۲۲ء کے اوائل میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن اور ۲۰/اپریل ۱۹۲۲ء کو قائمقام جج ہائی کورٹ پنجاب مقرر ہوئے۔ جنوری ۱۹۲۴ء میں کونسل کے ڈپٹی پریذیڈنٹ اور ۱۹۲۵ء میں پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ستمبر ۱۹۲۵ء سے نومبر ۱۹۲۵ء تک وزیر تعلیم پنجاب کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ستمبر ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے نمائندہ ہو کر جنیوا گئے۔۲۹/دسمبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی کی صدارت کی۔۱۹۲۷ء میں''سر'' کا خطاب ملا۔ ۱۹۲۸ء میں پنجاب ایگزیکٹو کونسل کے رکن اور ۱۹۲۹ء میں مرکزی پبلک سروس کمیشن کے رکن بنے۔فروری ۱۹۳۰ء میں آپ کا تقرر بحیثیت ایڈیشنل جج لاہور ہائی کورٹ ہوا۔مئی ۱۹۳۲ء میں انجمن حمایت اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔مئی

۱۹۳۴ء میں ممبر انڈیا کونسل (وزیر ہند) کی حیثیت میں لندن تشریف لے گئے اور ۱۹۳۹ء تک خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۹ء میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ کا تقرر بحیثیت چیف جسٹس بہاول پور ہوا اور ۱۹۴۵ء تک بہاول پور میں مقیم رہے۔ ۱۹۴۸ء میں لاہور منعقد ہونے والی اُردو کانفرنس کی صدارت کی۔ ۹ر فروری ۱۹۵۰ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

شیخ عبدالقادر نے متعدد نمایاں اعزاز حاصل کیے۔ علاّمہ اقبال سے آپ کے قریبی تعلقات اور ذہنی ہم آہنگی کا اندازہ اس قطعہ سے ہوتا ہے جو ''عبدالقادر کے نام'' کے عنوان سے ''بانگِ درا'' (کلیات، اُردو، ص:۱۴۲) کی زینت ہے۔ ''بانگ درا'' کا دیباچہ شیخ عبدالقادر کی اقبال شناسی اور مزاج دانی کا ثبوت ہے۔ اُردو تصنیف ''مقامِ خلافت'' اور انگریزی کتاب ''ادبیات اردو کا دبستان جدید'' کے علاوہ متعدد مضامین و مقالات شیخ صاحب کے علمی و ذہنی مشاغل کی یادگار ہیں۔

مآخذ: ۱؎ محمد حنیف شاہد، ''سر شیخ عبدالقادر (کتابیات)''، ص:۵۔۱۵

۲؎ عبداللہ قریشی، ''حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں''، ص:۸۱

۳؎ اکبر حسین قریشی، ڈاکٹر، ''مطالعہ تلمیحات''، ص:۴۱۱، ۴۱۲

۴؎ یہ کالج کیمبرج یونی ورسٹی دریائے کیم کے کنارے پر لندن کے شمال مشرق کی جانب ۵۶ میل دور واقع ہے۔ اس کا آغاز ۱۲۰۹ء میں ہوا۔ ۱۲۲۶ء میں اسے یونی ورسٹی کا درجہ دیا گیا۔ ٹرینٹی کالج کا سنگ بنیاد ۱۳۵۰ء میں رکھا گیا۔

"The New Caxton Encyclopedia", 1973 P:999

(۲۲)

از سیالکوٹ شہر۔ ۲۹ر اگست ۰۸ءi

ڈیر فوق۔ السلام علیکم۔ آپ کا نوازش [نامہ] مجھے کل ملا۔ میں ایک دو روز کے لیے بغرض مشورہ لاہور گیا ہوا تھا کیونکہ وہیں کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ میگزین میں جو کامیابی آپ کو ہوئی اور ہو رہی ہے اس کے لیے مبارکباد دیتا ہوں اور جو کچھ آپ گا ہے گاہے میری نسبت اپنے کالموں میں تحریر

فرماتے ہیں[1] اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ جموں کے رستے جائیں تو ضرور سیالکوٹ تشریف لائیں تا کہ مجھے آپ کی دوستانہ قدر ومنزلت کرنے کا موقع ملے۔ افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ عرصے تک آپ کے لیے کچھ نہ لکھ[ii] سکوں گا کیونکہ ہمہ تن قانون کی کتب کی طرف متوجہ ہوں۔ چونکہ اس کام کو شروع کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے' میری آرزو ہے کہ میں اس فن میں کمال پیدا کروں۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شاملِ حال ہو۔ ان شاء اللہ نومبر میں لاہور چلا جاؤں گا اور مستقل طور پر کام شروع کروں گا۔ اس وقت آپ سے ملاقات ہوا کرے گی جیسے کبھی کبھی پہلے ہوا کرتی تھی اور میں کشمیری گوت[2] کے متعلق بھی چند باتیں آپ سے کروں گا۔

باقی خیریت ہے۔ اللہ یار صاحب جوگی[3] کی خدمت میں میرا شکریہ پہنچائیں[iii] علاوہ ازیں تاراچند صاحب[4] کی خدمت میں۔ والسلام

محمدؐ اقبال

تحقیق متن:

[i] انوار:۱۹۰۸ء [ii] انوار: کر۔ [iii] انوار پہنچایے۔

حواشی وتعلیقات

[1] میگزین سے مراد ''کشمیری میگزین'' ہے، جس کے مختلف پرچوں میں فوقؔ علاّمہ کے متعلق لکھتے رہتے تھے۔ (کشمیر میگزین' ۱۹۰۸ء، ۱۹۰۹ء)

۲) فوقؔ کے استفسار پر ۱۶/جنوری ۱۹۳۴ء کے ایک خط میں علاّمہ اقبال نے اپنے والد ماجد کے حوالے سے ''سپرؔو'' فرقے کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے:

''جب مسلمانوں کا کشمیر میں دَور دورہ ہوا تو براہمۂ کشمیر' مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف قدامت پرستی یا کسی اور وجہ کے باعث توجہ نہ کرتے تھے۔ اس لیے جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومتِ اسلامیہ کا اعتماد حاصل کیا' وہ ''سپرؔو'' کہلایا۔

اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے۔ ''س'' تقدیم کے لئے زبانوں میں آتا ہے اور ''پڑ'' کا روٹ وہی ہے جو ہمارے مصدر ''پڑھنا'' کا ہے۔ والدِ مرحوم کہتے تھے یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو از راہِ تعریض و تحقیر دیا تھا' جنھوں نے قدیم رسوم و تعصّبات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا' جو رفتہ رفتہ ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا''۔

علّامہ اقبالؔ کے اجداد براہمۂ کشمیر کے اسی ''سپرو'' فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔

مآخذ: ۱) اعجاز احمد' شیخ ''مظلوم اقبال'' ص:۱۹۔۲۱

۲) افتخار احمد صدیقی' ڈاکٹر ''عروج اقبال'' ص:۵

۳؎ منشی اللہ یار جوگی کا خاندان پنجاب کا رہنے والا تھا۔ ان کے والد میجر خان محمد خان نے فوج میں ملازمت کر لی تھی اور دکن چلے گئے تھے' دکن میں ان کا عرصے تک قیام رہا' وہیں پونا میں ۱۸۸۷ء کے لگ بھگ منشی اللہ یار جوگی پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت لاہور میں پائی۔ اسلامیہ اسکول لاہور سے انٹرنس کرنے کے بعد شاعری کی جانب متوجہ ہوئے اور آغا شاعر قزلباش کی شاگردی اختیار کی۔ اصلاح شدہ غزلوں کا معیار کافی بہتر ہوتا۔ ''پنجۂ فولاد'' میں سنگ سازی اور کتابت کا کام کیا کرتے تھے۔ پریس چھوڑ کر حکمت شروع کر دی۔ حکیم مرزا اللہ یار جوگی دکنی کاشمیری کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک رسالہ ''گئو ماتا'' کے نام سے جاری کیا۔ ہندوؤں میں بھی ان کی کافی قدر و منزلت تھی۔ ۱۹۴۰ء سے پہلے انتقال کر گئے۔

علّامہ اقبالؔ جب یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں لاہور پہنچے تو استقبال کرنے والوں میں منشی اللہ یار بھی شامل تھے۔ اس موقع پر انھوں نے ایک نظم ''خیر مقدم'' پڑھی: ؎

کدھر ہے کیفِ مسرت مجھے سنبھال سنبھال
کہ ہو کے آئے ولایت سے ڈاکٹر اقبالؔ

مآخذ: ۱) ''نقوش'' لاہور نمبر' ص:۹۲۵' ۹۲۶۔

۲) عبدالرؤف عروج (مرتّب): ''رجالِ اقبال'' ص:۱۷۶۔۱۷۷'

۳) محمد دین فوق: سرگزشتِ فوق (قلمی)' ص:۱۱۵

۴؎ تاراچند تارا' منشی الٰہی بخش رفیق کے شاگردوں میں ایک اچھے شاعر تھے۔ دہلی دروازے کے اندر سوہن حلوہ بیچا کرتے تھے۔ ان کا یہ مصرع اس بات کا مظہر ہے:

Å تارا نہ ہو تو حلوائے سوہن کھلائے کون

داغؔ جب ایک دفعہ لاہور آئے تھے تو تارا کی دکان پر بھی گئے تھے۔ مولانا حالیؔ' مولانا آزادؔ اور علامہ اقبالؔ سے بھی ان کے مراسم بہت اچھے تھے۔ اقبالؔ جب تعلیم حاصل کرنے کے لئے ولایت گئے تو اپنے خطوں میں تارا کو بھی یاد کرتے رہے۔ ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔

تاراچند نے آنحضورؐ کی شان میں قصیدے اور نعتیں کہیں:

ہیں جہاں میں گو بظاہر مائلِ زنّار ہم — دل سے ہیں مفتونِ حسنِ احمدؐ مختار ہم
اس تمنّا میں درِ دیدہ سدا رہتے ہیں وا — شاہدِ مقصود کا دیکھیں کہیں دیدار ہم
گر مدینہ کی طرف جائے تو لکھ بھیجیں وہاں — دامنِ بادِ صبا پر اپنا حالِ زار ہم

تاراچند نے اپنے کلام کے ساتھ اپنے استاد رفیق کا کلام بھی چھپوایا تھا' مگر اب نایاب ہے۔ یہ ہندو مسلم تعلقات اور رواداری کی ایک بے نظیر مثال ہے۔

مآخذ: عبداللہ قریشی۔ ''حیات اقبالؔ کی گم شدہ کڑیاں''، ص: ۱۱۱۔۱۱۳۔

(۲۳)

ڈیر فوق۔ مرزا[i] فضل احمد صاحب[۱] کا خط ملفوف ہے وہ اس خط کو کمیٹی[۲] میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور کارڈ آیا ہے۔ مہربانی کر کے اس [کی] تعمیل بھی کریں۔ جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں (اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو) مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کر دیں۔

غلام محمد ڈار متصل گھنٹہ گھر۔ گجرانوالہ۔ یہ صاحب آپ کے خریدار ہیں۔ اگر علیحدہ شایع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب [ii] لکھ دیں۔ راقم

۱۱رمئی ۱۹۰۹ء

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i خط کا متن عکس کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔ عکس، اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ انوار = افضل۔ ii دے دیں۔ iii عکس میں تاریخِ تحریر درج نہیں ہے۔ علاّمہ نے یہ خط مرزا افضل احمد کے خط محررہ ۹ر مئی ۱۹۰۹ء کے جواب میں تحریر کیا تھا۔ چنانچہ قیاس ہے کہ علاّمہ نے مذکورہ خط ۱۱ر مئی ۱۹۰۹ء کو تحریر کیا ہوگا۔

حواشی و تعلیقات

ا مرزا افضل احمد بیگ: خان صاحب مرزا قطب الدین وکیل راولپنڈی، جاگیردار و مالک اخبار ''رہنما'' راولپنڈی، کے والدِ بزرگوار تھے۔ موضع سوُاں والا ضلع گجرات کے رئیس و جاگیردار تھے۔ نقلِ مقامی کر کے راولپنڈی میں رہایش اختیار کر لی۔ مآخذ: محمد دین فوق، ''سرگزشتِ فوق (قلمی)''، ص: ۴۶۔

۲ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۹ء کو کشمیر مسلمانانِ لاہور کا ایک اجلاس بلایا گیا، جس میں اقبالؔ بھی ایک رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ ۲۲ر جنوری کو سب کمیٹی کا ایک اجلاس بلایا گیا، جس میں ایک انجمن بنام ''انجمن کشمیری مسلمانانِ لاہور'' قائم کی گئی۔ ۶ر فروری کو انجمن کے عہدہ داروں کا انتخاب ہوا اور اقبالؔ اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ انجمن کے سامنے سب سے اہم مسئلہ پنجاب کے زراعت پیشہ کشمیری مسلمانوں کا تھا۔ اس سلسلے میں وہ گورنر جنرل کے پاس وفد لے کر جانے پر غور کر رہے تھے۔ مرزا افضل احمد کا خط اسی سلسلے میں تھا۔

مآخذ: رئیس احمد جعفری، ''اقبالؔ اور سیاستِ ملّی''، ص: ۱۴۹۔۱۵۹، ۲۹۳۔۳۰۵

(۲۴)

برادر مکرم و معظم[i]

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ ہمارے مربی و محسن جناب نواب سر آنرایبل خواجہ محمد سلیم اللہ صاحب[ا] نواب بہادر، نواب ڈھاکہ نے ۵ر فروری ۱۹۰۹ء کو وائسرائگل کونسل میں کشمیریوں کے متعلق فوج اور زمینداری کی بابت سوالات پیش کئے تھے۔ فوج کے متعلق تو

لارڈ کچنر[2] کمانڈر انچیف افواجِ ہند نے فرمایا کہ ’کشمیری مسلمانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر چہ کشمیریوں کی کوئی کمپنی یا سکوارڈن علیحدہ موجود نہیں۔ اِس امر کے متعلق انجمن کشمیری مسلمانانِ لاہور[3] علیحدہ کوشش کر رہی ہے۔ مگر فیِ الحال میں آپ کی توجہ دوسوالوں کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں۔ زراعت پیشہ اقوام کے متعلق جو جواب نواب صاحب کے سوال کا دیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ لوکل گورنمنٹ جس قوم کو مناسب سمجھتی ہے اقوام بندی زمینداری میں شامل کر لیتی ہے۔ گورنمنٹ پنجاب کو یہ دونوں سوال اور جواب زمینداری کے متعلق حضور وائسرائے بہادر نے بھیج دیے تھے۔ گورنمنٹ ممدوح نے حکم جاری فرمایا ہے کہ کمشنر اپنے اپنے علاقے کی مفصل رپورٹ کریں کہ آیا کشمیری مسلمان اقوام بندی زمینداری میں شامل کر لیے جائیں یا کیے جانے کے لائق ہیں۔ کمشنر صاحب بہادر نے ڈپٹی کمشنروں کے نام حکم صادر فرمایا ہے کہ وہ ان کو اس معاملے میں مدد دیں۔ ڈپٹی کمشنروں نے تمام کشمیری زمینداروں کی ایک فہرست مرتب کرائی ہے جس سے ان کو معلوم ہو گا کہ پنجاب میں کتنے کشمیری زراعت پیشہ ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب سیالکوٹ کا حکم نہایت صاف ہے۔ انھوں نے تحصیل داروں سے چار امور دریافت فرمائے ہیں یعنی (۱) قوم کشمیری کے افراد عموماً کیا پیشہ ہے (۲) کس قدر کشمیری ایسے ہوں گے جن کا گزارا صرف زراعت کاری پر ہے۔ (۳) اگر وہ مالکانِ اراضی ہیں تو کب سے انھوں نے زمین حاصل کی ہے (۴) کوئی کشمیری دخیل کار ہے یا نہیں۔ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ مفصلات اور شہروں میں بودوباش رکھنے والے زراعت پیشہ کشمیریوں کی جو فہرست تیار ہو گی اس میں مندرجہ بالا چار امور کا خیال کیا جاتا ہے۔

آپ مہربانی فرما کر تحصیل دار صاحبوں کو اس فہرست کے مرتب کرنے میں خود بھی امداد دیں اور دیکھیں کہ یہ فہرست بموجب حکم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے تیار کی جاتی ہے یا نہیں؟ تمام اہلِ خطہ کو جو آپ کے علاقے میں رہتے ہیں، ان کو مفصل طور پر یہ سمجھا دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے گاؤں میں

بھی فہرست کے تیار کرنے میں امداد دیں تا کہ مکمل فہرست تیار ہو اور ہماری عادل گورنمنٹ کو معلوم ہو جائے کہ کشمیری کس قدر پنجاب میں زمیندار ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔ اگر آپ کو معلوم ہو کہ یہ فہرست بموجب حکم صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر تیار نہیں ہوئی تو صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست کریں کہ وہ ان کو بموجب حکم کے تیار کرانے کا حکم صادر فرمائیں۔

جو نقشہ کہ تیار ہو رہا ہے اس کی ایک نقل انجمن کشمیری مسلمانانِ لاہور کے پاس جس قدر جلد ممکن ہو سکے ارسال فرمانے کی کوشش کریں۔ یہ چٹھی اپنے بھائیوں کو جو مفصلات میں رہتے ہیں جلدی بھیج دیں تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کس قسم کی فہرست تیار ہونی چاہیے۔ اگر وہ دیکھیں کہ فہرست بموجب حکم بالا تیار نہیں ہوئی یا ہوتی تو وہ آپ کی معرفت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے خط و کتابت کریں۔ اس غرض کے لیے مندرجہ بالا امر میں تمام قوم کے افراد متفقہ طور پر اپنی بہبودی کے لیے کوشش کر سکیں اور نیز دیگر امور کے لیے جو قوم سے بحیثیت مجموعی تعلق رکھتے ہوں، میں تحریک کرتا ہوں کہ آپ اپنے سنٹر میں ضرور کشمیری مجلس قائم کریں۔ اس کے علاوہ ہر ایسے مقام میں جہاں آپ کا اثر ہو اپنے دیگر بھائیوں کو کشمیری مجلس قائم کرنے کی ترغیب بھی دیں کیونکہ اس طریق سے نہ صرف قوم کے افراد میں اتحاد و یگانگت کی صورت پیدا ہوگی بلکہ قومی حقوق کی حفاظت اور توسیع میں بھی سہولت ہوگی۔

خاکسار محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا

جنرل سیکرٹری انجمن کشمیری، مسلمانانِ لاہور

تحقیقِ متن:

i یہ ذاتی خط نہیں ہے بلکہ ایک مراسلہ ہے (جس کا حوالہ علاّمہ کے ۱۱ رمئی ۱۹۰۹ء کے خط میں ملتا ہے)۔ جس میں ہندوستانی فوج میں کشمیری بھرتی اور حصولِ اراضی کی ضرورت اور اہمیت، برادری اور حکام دونوں پر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مراسلہ ''کشمیری میگزین'' لاہور، مئی

۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔

''حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں'' (ص: ۱۴۸۔۱۵۱) میں بھی شامل ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱؎ نواب سر سلیم اللہ تحریکِ آزادی کے ممتاز رہنما تھے۔ ۱۸۷۱ء میں ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سر احسن اللہ تھا۔ والد کی وفات (۱۹۰۱ء) کے بعد خواجہ سلیم اللہ ڈھاکہ کے نواب ہوئے۔ حکومت کی طرف سے ان کو پہلے ''نواب بہادر'' اور پھر ''کے سی آئی ای'' کا خطاب دیا گیا۔ جب لارڈ کرزن اور اس کے مشیروں نے تقسیم بنگال کی کوشش کی تو نواب صاحب نے مسلم مفاد کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط سیاسی پلیٹ فارم کی ضرورت محسوس کی اور اس سلسلے میں نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے مشورے سے کل ہند مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا۔ اسی زمانے میں انھوں نے علی گڑھ کالج کے لیے بھی ایک بہت بڑی رقم کا عطیہ دیا، جس کے نتیجے میں مسلم یونی ورسٹی کے قیام کی راہ ہموار ہوگئی۔

۱۹۰۸ء میں علاّمہ اقبالؔ کو انجمن کشمیری مسلمانان کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ ابھی ان کو جنرل سیکرٹری بنے چند ہی مہینے گزرے تھے کہ امرتسر میں آل انڈیا محمڈن کانفرنس سالانہ اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں شرکت کے لیے نواب سلیم اللہ ڈھاکہ سے امرتسر پہنچے۔ اقبال نے بھی اپنی انجمن کے عہدیداروں کے ساتھ ان سے سرکٹ ہاؤس میں ملاقات کی اور فارسی میں ایک سپاس نامہ پیش کیا، جس میں ان سے درخواست کی گئی کہ وہ انجمن کی سرپرستی قبول فرمائیں۔ نواب صاحب نے سپاس نامے کا جواب انگریزی میں دیا اور انجمن کی سرپرستی قبول کی۔

نواب صاحب نے اس واقعے کے ایک سال بعد، اقبالؔ کی تحریک پر وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل کے ایک اجلاس میں کشمیریوں کے بارے میں استفسار کیا: کیا کشمیری فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہو سکتے ہیں تو پھر ابھی تک ان کو فوج میں ملازمت کیوں نہیں دی گئی؟ نواب صاحب کا یہ استفسار اس قدر مؤثر ثابت ہوا کہ اس اجلاس میں لارڈ کچنر کو حکومت کی طرف سے یہ وضاحت پیش کرنی پڑی کہ کشمیریوں کے فوج میں بھرتی ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہے مگر جہاں تک رجمنٹوں کا تعلق ہے، ان کی کلاس کمپوزیشن نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے ان کو کسی ہندوستانی رسالہ، پلٹن میں بھرتی نہیں کیا جاتا ہے۔ نواب صاحب کی ملّی اور قومی خدمات کا دائرہ

خاصا وسیع ہے۔ آپ نے ۱۶؍جنوری ۱۹۱۶ء کو کلکتہ میں انتقال کیا اور ڈھاکہ میں اپنے خاندانی قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔

مآخذ: ۱

"Muslims in India, A Biographical Dictionary" Vol-II, P:133,134

۲۔ عبداللہ قریشی (مرتّب) ''اقبال بنام شاد'' ص: ۱۱۰۔۱۱۱

۲ لارڈ ہربرٹ کچنر ۲۴؍جون ۱۸۵۰ء کو آئر لینڈ میں پیدا ہوا۔ رائل ملٹری اکیڈمی میں تعلیم پائی اور اکیس برس کی عمر میں افسر بن گیا۔ بحیثیت کیپٹن مصری فوج کے ساتھ منسلک ہوا۔ ۱۸۸۴ء میں برطانوی فوج کے ساتھ دریائے نیل مہم میں شامل رہا۔ ۱۸۸۶ء سے ۱۸۸۸ء تک شمالی سوڈان کا گورنر جنرل رہا۔ ۱۸۹۲ء میں مصری فوج کا سردار بنا۔ ۱۸۹۸ء میں مہدی کو شکست دی۔ ۱۸۹۹ء میں چیف آف سٹاف بنا کر جنوبی افریقہ بھیجا گیا۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۹ء تک ہندوستان کا کمانڈر انچیف رہا۔ یہاں اسے فیلڈ مارشل بنا دیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں مصر میں کونسل جنرل بنا دیے گئے۔ خدمات کے پیشِ نظر ۱۹۱۴ء میں "Earl Kitchener of Khartoum" (ذوالخرطوم) کا خطاب دیا گیا۔ پہلی جنگِ عظیم میں اسے وزیرِ جنگ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۱۶ء میں اسے زارِ روس نے روس بلایا لیکن وہ راستے ہی میں جہاز کے ڈوب جانے سے مر گیا۔ سمندر گیا میں ڈوب مرنے کی بناء پر علاّمہ اقبالؔ نے ''جاوید نامہ'' (کلیاتِ فارسی ص: ۵۶۶) میں اسے ''فرعونِ صغیر'' کہا ہے۔

مآخذ: 1- "The New Caxton Encyclopaedia Vol:II" P"3503-3504

۲) اکبر حسین قریشی، ڈاکٹر ''مطالعۂ تلمیحات'' ص: ۴۳۲

۳) عابد علی عابدؔ، سید ''تلمیحاتِ اقبال'' ص: ۴۴۹

۳ لاہور میں مقیم کشمیری برادری کے چند سربرآوردہ اصحاب نے برادری کے اصلاحِ احوال کے لیے فروری ۱۸۹۶ء میں ''انجمن کشمیری مسلمانان'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ اقبالؔ اس زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے کے طالب علم تھے۔ کشمیری ہونے کے ناتے سے ان کا تعلق انجمن مذکورہ سے قائم ہوا اور انجمن کے ''کشمیری گزٹ'' میں ان کا کلام بھی شائع ہونے لگا۔ ایم اے کے بعد جب وہ اورینٹل کالج میں استاد مقرر ہوئے تو انھیں انجمن کا سیکرٹری بنا دیا گیا۔ ۱۹۰۸ء میں اعلیٰ تعلیم کے بعد یورپ سے واپسی پر انھوں نے وکالت شروع کی تو انجمن کی ازسرِ نو تجدید ہوئی اور اقبالؔ جنرل سیکرٹری بنائے گئے۔ انجمن کے ایک وفد نے علاّمہ اقبالؔ کی قیادت

میں دسمبر ۱۹۰۸ء میں امرتسر میں نواب سلیم اللہ سے ملاقات کی اور نواب موصوف نے انجمن کا سرپرست (Patron) بننا منظور کرلیا۔ الغرض اس زمانے میں اقبالؔ نے کشمیری مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے بڑی سرگرمی اور تندہی کے ساتھ مختلف کارروائیوں میں حصہ لیا۔
مآخذ: رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، ''خطوطِ اقبالؔ''، ص:۱۰۶

---

(۲۵)

بصحنِ گلشنِ ما صورت بہار بیا
کشادہ دیدۂ گل بہر انتظار بیا[۱]

۷/ مارچ ۱۹۱۲ء[i] اقبالؔ

تحقیق متن: یہ شعر پوسٹ کارڈ پر ہے اور مہر ۷/ مارچ ۱۹۱۲ء کی ہے۔ کلیاتِ مکاتیب، اول، (ص:۱۷۰) کے حاشیے میں اسے ۱۱/ مئی ۱۹۰۹ء کے مراسلے کا حصہ قرار دیا ہے۔ جبکہ اس شعر کا ۱۹۰۹ء کے خط سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (دیکھیے عکس ص ۴۸ الف)

حواشی و تعلیقات:

۱۔ **ترجمہ:** ہمارے صحنِ گلشن میں بہار کی طرح آ جا، پھولوں کی آنکھیں انتظار میں کھلی ہیں، آ جا۔

(۲۶)

ڈیر فوقؔ

السلام علیکم۔ کیا آپ آج کل لاہور میں ہیں یا[i] میراں کدل[۱] میں؟ ایک دفعہ آپ نے کشمیری میگزین میں میرے حالات شائع کیے تھے اگر اس نمبر کی کوئی کاپی آپ کے پاس رہ گئی ہو تو[۲] ارسال فرمایئے پھر واپس کر دی جائے گی۔ اگر پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجیے۔ زیادہ کیا عرض کروں آپ کبھی ملتے ہی نہیں۔ اب تو آپ پیرِ طریقت بھی بن گئے۔ خدا کرے کہ جلد

حافظ جماعت شاہ صاحب[۳] کی طرح آپ کے ورودِ کشمیر کے متعلق اطلاعیں شائع ہوا کریں۔ والسلام اس کارڈ کا جواب جلد ملے۔

آپ کا خادم اقبالؔ لاہور

۲۳ر جولائی ۱۹۱۵ء

تحقیق متن: اس خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

انوار: میرا کدل

عکس: میراں کدل۔ دراصل یہ ''امیرا کدل'' ہے

۱۔ سری نگر، صوبہ کشمیر کا سب سے بڑا شہر اور ریاستی حکومت کا گرمائی دارالخلافہ ہے، جو دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ سری نگر میں آج جہاں شیر گڑھی آباد ہے وہاں ملک سیف کا تعمیر کردہ ایک عالی شان باغ تھا جو ڈارہ باغ کہلاتا تھا۔ عہدِ افاغنہ میں امیر خاں جوان شیر تھا جس کے نام سے دریائے جہلم کا مشہور پُل امیرا کدل اب تک موجود ہے۔ دریائے جہلم کے دائیں اور بائیں کناروں پر امیرا کدل سے اوپر کی طرف آبادی نئی طرز کی ہے اور اس حصے میں فراخ سڑکیں اور رہائشی مکانات وکوٹھیاں ہیں۔ شہر اور اس کے نواحی محلوں میں جانے کے لئے موٹر، ٹانگہ اور چھوٹی کشتیاں (جنھیں شکارہ کے نام سے پکارا جاتا ہے) استعمال کی جاتی ہیں۔

مآخذ: ۱) محمد سلیم (شیخ) ''طبعی اور جغرافیائی حالات جموں وکشمیر'' (مضمون) مشمولہ: ادبی دنیا (کشمیر نمبر) ۱۹۱۶ء، ص: ۴۷

۲) عبداللہ قریشی'' شاعر کشمیر''ص: ۱۵

۲۔ فوقؔ نے اپنے رسالے'' کشمیر میگزین'' لاہور کے اپریل ۱۹۰۹ء کے پرچے میں اقبالؔ کے بارے میں ایک مضمون تحریر کیا تھا۔ ''نیرنگِ خیال'' لاہور کے ستمبر، اکتوبر ۱۹۳۲ء کے اقبالؔ نمبر میں بھی فوقؔ کا مضمون شائع ہوا تھا۔ فوقؔ کی تصنیف ''تاریخِ اقوامِ کشمیر'' (جلد اوّل، ۱۹۳۴ء) میں بھی اقبال کے آباء واجداد ان کے خاندانی حالات اور ذات، گھر کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۳۔ حافظ جماعت علی شاہ (۱۸۴۱ء......۳۰ر اگست ۱۹۵۱ء) ممتاز صوفی بزرگ، علی پور سیداں (سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب ۳۸ واسطوں سے حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ

سے جاملتا ہے۔قرآنِ پاک حافظ شہاب الدینؒ کشمیری سے اور دیگر ابتدائی کتب مولانا عبدالرشید اور مولانا عبدالوہاب امرتسری سے پڑھیں۔مولانا غلام قادر بھیروی' مولانا فیض الحسن سہارنپوری' مولانا محمد علی مونگیری (کانپور)' مولانا احمد حسن کانپوری' مولانا عبدالرحمٰن پانی پتی اور مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے بھی استفادہ کیا۔سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرات خواجہ فقیر محمد (چورہ شریف) کے مرید ہوئے اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعویٔ نبوّت کی زبردست تردید کی۔شاہی مسجد لاہور میں مرزا غلام احمد کی موت کی پیش گوئی کہ جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک کے وقت شاہی مسجد لاہور میں ولولہ انگیز تقریر کی' جس کی بنا پر انھیں ''امیرِ ملت'' کا خطاب ملا.....تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے۔علی گڑھ کالج کو یونی ورسٹی کا درجہ دینے کے تحریک چلی تو انھوں نے نواب وقارالملک کی اپیل پر لاکھوں روپیہ چندہ جمع کرا دیا۔ علامہ اقبالؔ بھی ان کے معتقدین میں سے تھے۔۱۹۰۴ء میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد رکھی۔آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں بحیثیت سرپرست شرکت کی۔ضرورتِ شیخ' یارانِ طریقت' اطاعتِ مرشد جیسے اہم رسائل تصنیف کیے۔مرزا علی پورسیداں میں ہے۔

مآخذ ۱) عبداللہ قریشی' ''اقبال بنام شاد''، ص:۱۹۹۔۲۰۱

۲) عبداللہ قریشی (مرتب)، حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں''، ص۲۸۷۔

۳) ماہنامہ ''زینت'' لاہور' ۱۹۹۱ء، ص: ۶۷۔۶۴ آفتاب احمد قریشی' حکیم (مرتب)''کاروانِ شوق''ص:۲۳۳۔۲۳۵

(۲۷)

ڈیر فوقؔ

السلام علیکم۔آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔

بھلا آپ کو کیوں کر آنے کی ممانعت ہوسکتی ہے۔میں نے اس خیال سے لکھا تھا کہ آپ مصروف آدمی [ہیں] اس لیے آنے میں ہرج ہوگا اور تکلیف مزید کہ انارکلی شیراں والے دروازے سے دور ہے۔

کتاب جب آ جائے تو ضرور ہمراہ لایئے بلکہ اس کے آنے میں دیر ہوتو بلا کتاب تشریف لائیں۔

۲۱ر دسمبر کا 'کشمیری'[۲] اور 'وجدانی نشتر'[۳] میری نظر سے نہیں گزرے

والسلام

آپ کا خادم محمدؐ اقبالؔ

لاہور ۲۱ر دسمبر ۱۵ء[i]

تحقیق متن:

[i] عکس ''کلیاتِ مکاتیب' اوّل'' (ص:۴۳۹) میں شامل ہے۔ انوار: ۱۹۱۵ء

حواشی وتعلیقات

[۱] اس زمانے میں علاّمہ اقبالؔ کی رہایش انارکلی بازار میں تھی۔ شیراں والا دروازہ' شہر کے مشرقی جانب' یکی دروازہ کے درمیان ہے۔ اس کا پہلا نام معلوم نہ ہوسکا۔ رنجیت سنگھ کے زمانے میں اس جگہ دو شیر رکھے گئے تھے۔ اس وجہ سے یہ نام پڑا۔ اس کے اندر کچھ مدت ایوب شاہ (ابن تیمور شاہ والی افغانستان) رہے اور اس مقام کا نام بنگلہ ایوب شاہ مشہور ہو گیا۔ اس دروازے کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد میں حضرت مولانا احمد علی نے درسِ قرآن شروع کیا تھا۔ آخر وہ مسجد اس قدر وسیع ہوئی کہ وہاں ایک عالی شان درسگاہ بھی بن گئی۔ مآخذ: تاریخِ لاہور' ص: ۶۰

[۲] ۲۱ر دسمبر ۱۹۱۵ء کے ''کشمیری'' (ہفتہ وار) میں فوقؔ نے ایک واقعے کا ذکر کیا تھا' جس کا عنوان تھا: ''ڈاکٹر اقبال کی ایک نظم کا اثر'' واقعہ یہ تھا کہ بیگم صاحبہ بہاول پور نے ایک لوکل زنانہ اخبار کی ایڈیٹر صاحبہ سے اثنائے گفتگو میں فرمایا: ''جب سے میں نے

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ   وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا

(کلیاتِ اقبال (اردو) ص: ۵۲)

والی نظم پڑھی ہے' میں نے تیتر' بٹیر اور چڑیوں کا کھانا قطعی چھوڑ دیا ہے بلکہ جب میں کسی بلبل یا چڑیا کو اسیر دیکھتی ہوں تو میرے دل پر بہت چوٹ لگتی ہے۔ اور فوراً مجھے یاد آ جاتا ہے:

آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے   میں بے زباں ہوں قیدی' تو چھوڑ کر دعا لے

("ب۔ا۔ڈار"،ص:۶۱)

۳؎ اقبالؔ نے فوقؔ کی کتاب "وجدانی نشتر" کا نام "سوز وگداز" تجویز کیا۔ یہ کتاب صوفیوں کے حلقے میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کے چھ حصے تھے: 'تجلّی، برقِ طور، پیام وصال، تیرونشتر، دردِ دل اور حال وقال...... اس میں قرآن مجید کی وہ انقلاب انگیز آیتیں اورعربی، فارسی، اُردو، پنجابی کے وہ دلگداز، وجدآفرین، دردانگیز اور پُراثر اشعار مع اپنی پوری کیفیتوں کے جمع کیے گئے تھے، جن کے پڑھنے یا سننے سے صاحب دل بزرگوں اور پاک باطن لوگوں پر خاص اثر ہوا یا جو دمِ واپسیں کی طرح مرنے والوں کے آخری کلمات ثابت ہوئے۔ یہ کتاب مکمل شکل میں پہلی بار دسمبر ۱۹۱۵ء میں گلزار سٹیم پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کی ضخامت ۱۲۷صفحات ہے۔

مآخذ: اجمل نیازی، ڈاکٹر، "فوق الکشمیر"، ص:۱۹۰۔۱۹۷

(۲۸)

لاہور ۲۳/دسمبر ۱۵ء

ڈیئر فوق[i] السلام علیکم

دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت میں تکلیف ہوئی۔

"وجدانی نشتر" خوب ہے مگر تعجب ہے کہ شیخ مُلّا[۱] کے ملحدانہ زندیقانہ شعر "من چہ پروائے مصطفیٰ دارم[۲]" کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں، اور پھر ملّا کی تشریح کس قدر بے ہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود[۳] ہے جس پر خواجہ حسن نظامی[۴] اور اہل طریقت کو ناز ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ریویو دوسرے صفحے پر درج ہے۔[ii]

بسودار[iii]

رات مچھر نے کہہ دیا مجھ سے ماجرا اپنی ناتمامی کا
مجھ کو دیتے ہیں ایک بوند لہو صلہ شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ بسوہ دار بے زحمت — پی گیا سب لہو اسامی کا

iv

اتنی خدمت کی ہے خلق اللہ کی — دیکھیے ہوتے ہیں کب سر مالوی
مسلم نادانوں کو کیا معلوم ہے — کس خدا کے ہیں پیمبر مالوی
خوب تھا یہ خالصہ جس کا بچپن — کب ہے گاندھی کے برابر مالوی
مردِ میداں گاندھیٔ درویش خو — اورکونسل کے سپیکر مالوی

تحقیق متن:

i انوار:عکس کے مطابق القاب وآداب نقل نہیں کیے گئے۔ ii انوار: محمد اقبال۔
iii iv انوار: یہ اشعار متن میں شامل نہیں کیے گئے؛ البتہ اس نظم کا عکس ص:۳۰۶ پر دیا گیا ہے۔

حواشی وتعلیقات

ا آپ کا نام شاہ محمد تھا۔ان کے مرشد حضرت میاں میر ان کو محمد شاہ کے نام سے پکارتے تھے لیکن وہ مُلّا شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ان کا آبائی وطن بدخشاں تھا اس لیے وہ ملا شاہ بدخشی یا بدخشانی بھی کہلائے۔ دوست احباب ان کو حضرت اخوند بھی کہتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو لسان اللہ کے خطاب سے بھی سرفراز سمجھتے تھے۔ وہ موضع ارکسا بلدۂ روستاق میں پیدا ہوئے۔ جہاں آرا کے بیان کے مطابق انھوں نے ۱۰۲۳ھ میں ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور لاہور پہنچے۔اس حساب سے ان کی تاریخ ولادت ۹۹۵ھ ٹھہرتی ہے۔ان کے والد مولانا عبداحمد بن مولانا سلطان علی بن قاضی فتح اللہ تھے۔والدہ کا نام بی بی خاتون تھا۔ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے وطن میں قریہ موسوارک کے ملا خواجہ علی سے حاصل کی۔اکیس برس کی عمر میں علومِ دینی کی تکمیل کے لیے بلخ تشریف لے گئے اور ملا حسین قبادیانی سے استفادہ کیا۔بلخ میں قیام کے بعد جستجوئے حقیقت اور معرفتِ خداوندی کے شوق میں ہندوستان کا رخ کیا۔ وہ سلاطین وامرا سے نذرونیاز قبول نہیں کرتے تھے۔اپنے مریدوں سے معمولی نیاز مثلاً ایک دو روپے قبول فرما لیتے اور اور یہ رقم غرباء و مساکین پر صرف کر دیتے تھے۔

حضرت ملّا شاہ صوفی، عارف اور پیرِ طریقت کے ساتھ ساتھ مصنف اور شاعر بھی تھے۔

ان کی کلیات کا ایک مکمل نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور پٹنہ میں موجود ہے۔

مآخذ:

۱) ظہور الدین احمد، ڈاکٹر ’’پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ‘‘، ص:۱۲۴۔۱۲۳

۲) قاضی جاوید ’’پنجاب کے صوفی دانشور‘‘ ص:۱۷۹۔۱۸۵

۲ ’’وجدانی نشتر‘‘ کے چوتھے باب میں فوقؔ نے مُلّا شاہ بدخشانی سے متعلق یہ واقعہ بھی لکھ دیا کہ ایک دفعہ آپ نے کسی خاص جذبے کے ماتحت یہ شعر کہا:

پنجہ در پنجۂ خُدا دارم — من چہ پروائے مصطفیؐ دارم

شاہ جہان بادشاہ نے علمائے دہلی سے فتویٰ طلب کیا اور مُلّا شاہ کو بلا کر کہا کہ اس شعر سے رسولِ خداؐ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ حضرت مُلّا شاہ نے جواب دیا، توہین تو وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے اور مصطفیؐ اور خدا میں تفریق کرتے ہیں۔ خدا کے پنجے میں آپ بھی ہیں، میں بھی اور مصطفیؐ بھی۔ پھر پروا کس کی اور خوف کس بات کا۔ اس پر بادشاہ خاموش ہو گیا اور لوگوں نے سمجھا کہ مُلّا شاہ کا جادو چل گیا۔ چونکہ اس واقعے کے کتاب سے کوئی خاص تعلق نہ تھا، اس لیے اقبالؔ نے اس کے متعلق فوقؔ صاحب کو خط میں لکھا۔

مآخذ: ظہور الدین احمد، ڈاکٹر ’’پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ‘‘ ص:۱۲۹، ۱۳۰۔

۳ ’وحدت الوجود‘ کے لیے دیکھیے خط ۳، تعلیقہ ۴

۴ ’خواجہ حسن نظامی‘ کے لیے دیکھیے خط ’’۲‘‘ کا تعارف

(۲۹)

مکرم بندہ

کتاب ’’مشاہیر کشمیر‘‘ مل گئی ہے۔ شکریہ قبول کیجیے۔ مولوی محمد دین صاحب کی خدمت میں میرا سلام لکھیے۔ والسلام

خاکسار محمدؐ اقبالؔ لاہور ۲۲ رجولائی ۱۶ء

تحقیقِ متن:

متن عکس کے مطابق ہے۔ (دیکھیے عکس)

حواشی و تعلیقات

۱؎ مشاہیر کشمیر:

ظفر برادرس لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۳۰ء میں دوسری بار شایع ہوئی۔ یہ کتاب ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ''مشاہیر کشمیر'' میں کسی راجا' مہاراجا یا سلطان اور بادشاہ کا ذکر نہیں۔ وہ لوگ جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی محنت اور استعداد کی بدولت اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے' فوقؔ نے ان لوگوں کے حالات اس کتاب میں جمع کر دیے۔ مشاہیر کشمیر میں چالیس شخصیات کے حالات اور کارہائے نمایاں شامل ہیں۔ ان شخصیات میں سب سے طویل مضمون فوقؔ نے علاّمہ اقبال کے بارے میں لکھا ہے جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ فوقؔ کا یہ مضمون اس لیے بھی اہم ہے کہ تفہیم اقبالیات کے لیے ابتدائی تحریروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

مآخذ: اجمل نیازی ڈاکٹر ''فوق الکشمیر''، ص: ۳۰۸۔۳۱۵

۲؎ مولوی محمد دین سے مُراد مدیر ''صوفی'' ہیں۔ (مزید دیکھیے: خط نمبر ۳۲' حاشیہ ۴)

(۳۰)

ڈیر فوقؔ السلام علیکم۔ آپ کا خط دستی[i] مل گیا ہے۔

منشی قمر الدین[۱] جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جائے مجھے یہ بات گزشتہ تجربے سے معلوم ہے۔ ورنہ میری عادت میں کسی کو محروم کرنا داخل نہیں۔ علاوہ اس کے یہ لوگ تجارتی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح۔ اس کے بعد اعتراض مجھ پر ہوتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے اس سے پیشتر میں اس شخص پر نوٹ[ii] دائر کرنے کو تھا مگر مولوی ظفر علی خان[۲] کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے پیشتر میری نظموں کو بغیر[iii] میری اجازت کے شائع کر لیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ[iv] میں نے مولوی احمد دین[۳] وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر[v] اجازت چھاپے تو اس پر دعویٰ کیا[vi] جائے۔

اخباروں میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے میں نے پڑھا ہے مگر سب

اخبار میری نظر سے نہیں گزرے[vii] ''مخبر دکن''[۴] کے لیے شکر گزار ہوں۔ مجھے اس معاملہ کا مطلق علم نہیں۔ نہ میں نے حیدرآباد کسی کو لکھا ہے نہ وہاں سے مجھے کسی نے کہا ہے[viii]۔ میرے خیال میں یہ بات محض اخباری گپ شپ ہے۔ حیدرآباد میں مجھ سے بہت آدمی موجود ہوں گے۔ اودھ پنچ[۵] نے جو اعتراضات مجھ پر کیے ہیں ان کا مجھے علم نہیں۔ وہ پرچہ تلاش کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ ان اعتراضوں میں کوئی کام کی بات ہو۔ لکھنؤ والے یا اور معترض یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبالؔ شاعر ہے۔ مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی اظہار یا مضمون آفرینی نہیں نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے۔ حقیقت میں فنِ شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہوسکتا۔ پھر میں کیوں کر کامیاب ہوسکتا ہوں جسے روزی کے دھندوں سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ میرا مقصود گاہ نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں ان کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس۔
والسلام

امید کہ[ix] آپ میرے اجازت[x] نہ دینے سے ناراض نہ ہوں گے۔ غالباً آپ کو پہلے[xi] حالات منشی قمرالدین کے معلوم نہ تھے جب آپ نے سفارشی خط لکھا۔

مخلص محمدؐ اقبالؔ

کسی روز ضروری ملیے۔ آپ کی فوقیت اس قدر بلند ہوئی[xii] کہ نظر سے غائب ہوگئی۔

محمدؐ اقبال

تحقیق کا متن

''انوار'' کا متن بہت ناقص ہے' درج بالا عکس کے مطابق ہے۔ (دیکھیے عکس)

[i] انوار= دستی خط۔ [ii] انوار= مقدمہ [iii] انوار= میری اجازت کے بغیر [iv] انوار= معاملہ مولوی۔ [v] انوار= میرا کلام میری اجازت کے [vi] انوار کر

دیا جائے۔ vii انور=گزرتے viii انوار=تحریک کی ix انوار=امید ہے کہ x انوار=قمرالدین صاحب کو اجازت نہ دینے سے۔ xi انوار=ان کے حالات کا پہلے علم نہ تھا اور نہ آپ ان کی سفارش نہ کرتے۔ xii اب اس قدر بلند ہو رہی ہے کہ نظر ہی سے۔

حواشی و تعلیقات:

۱ لاہور کے تاجر کتب ۱۹۱۳ء میں ''بے نظیر نظموں کا مجموعہ'' کے نام سے مختلف شعرا کی نظمیں چھپوائیں۔ اس مجموعے میں اقبال کی نظمیں ''دعا''، نوید صبح''، ''شمع و پروانہ''، ''ہمارا دیس''، ''نیا شوالہ''، ''سبز گنبد کے شہنشاہ کے حضور میں''، ''خونِ شہدا کی نذر'' اور ایک ناتمام نظم کے چھ شعر شامل کیے گئے۔ مآخذ: صابر کلوروی ''باقیات اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ'' (مقالہ: پی ایچ ڈی) غیر مطبوعہ

۲ دیکھیے خط نمبر ۳ تعلیقہ نمبر ۹

۳ مولوی احمد دین وکیل کا شمار اقبال کے اوّلین دوستوں اور عقیدت مندوں میں ہوتا ہے۔ بازارِ حکیماں کی محفلوں میں محمدؐ اقبال کا تعارف مولوی احمد دین سے ہوا۔ ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتدا گوجرانوالہ سے ہوئی۔ لاہور آئے' گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کیا۔ مولوی احمد دین دیوانی قانون کے زبردست ماہر تھے۔ انجمن حمایت اسلام کی تعلیمی' اصلاحی اور علمی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سالانہ جلسوں میں لیکچر بھی دیے۔ انجمن کشمیری مسلمانان میں بھی حصہ لیا۔ قلمی زندگی کی ابتدا صحافت سے کی۔ ''پیسہ اخبار'' سے تعلق رہا۔ خود بھی ''غم خوار عالم'' کے نام سے ایک اخبار نکالا۔ جن دنوں اقبال اُردو مجموعۂ کلام ''بانگِ درا'' کی اشاعت کا اہتمام کر رہے تھے' انھی دنوں مولوی صاحب نے ان کا اُردو کلام جمع کر کے ''اقبال'' کے نام سے چھاپ دیا۔ جب کتاب چھپ کر علامہ کے پاس پہنچی تو شیخ گلاب دین سے کہنے لگے: میں تو اپنا کلام خود ہی مرتب کر رہا تھا' نظر ثانی ہو رہی تھی' کیا اچھا ہوتا مولوی صاحب ذرا انتظار کر لیتے۔ مولوی صاحب نے یہ بات سنی تو اس کا کچھ اور ہی مطلب سمجھے۔ انھیں یہ بات گوارا ہی نہیں تھی کہ محمدؐ اقبال کو کسی پہلو سے ناراض کریں یا نقصان پہنچائیں اور سارے کا سارا مجموعۂ کتب جو چھپ کر آیا تھا' صحن میں رکھا اور نذرِ آتش کر دیا۔ محمدؐ اقبال کو معلوم ہوا تو انھیں بڑا صدمہ ہوا۔ دل سے معذرت کی۔ یہ کتاب ''بانگِ درا'' کی اشاعت کے بعد ۱۹۲۶ء میں اگرچہ پھر شائع ہوئی لیکن مولوی صاحب نے بہت سا کلام حذف کر دیا۔ ''سرگزشتِ الفاظ'' بھی ان کی ایک اہم کتاب ہے۔

مولوی احمد دین آخر عمر میں بیمار رہنے لگے تھے۔ اقبالؔ اکثر ان کی تیمار داری کے لیے جاتے رہتے تھے لیکن جب ۱۹۲۹ء میں ان کا انتقال ہو گیا تو اتفاق سے اقبالؔ بیمار ہو گئے اور جنازے میں شریک نہ ہو سکے۔ انھوں نے بڑے افسوس سے اپنی محرومی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے خواجہ بشیر کو ایک خط میں لکھا: ''مجھے یہ افسوس زیست بھر رہے گا کہ مرحوم کے لیے جو آخری دعا کی گئی اس میں شریک ہونے سے محروم رہا''۔

مآخذ: ۱) احمد دین (مولوی) مصنف، مشفق خواجہ (مرتب) ''اقبال''، ص: ۲۳۔۱۰۵

۲) نذیر نیازی، سید، ''دانائے راز''، ص: ۱۶۳۔۱۶۵

۳) محمد عبداللہ چغتائی، ''اقبال کی صحبت میں''، ص: ۴۴۴، ۴۴۵۔

۴ اخبار ''مخبر دکن'' میں یہ خبر چھپی تھی کہ حیدر آباد دکن ہائی کورٹ کی ججی کے سلسلے میں اقبالؔ کا نام اکثر لیا جا رہا ہے۔ علّامہ کے خطوط کے مطالعے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے (''شادؔ اقبالؔ''۔ خطوط نمبر ۱۸، ص: ۳۷، ۲۱، ص: ۴۲، ۲۳، ص: ۴۴)...... مدراس سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۷ر جون ۱۸۹۵ء کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے بانی سید عبدالقادر تھے۔ بارہ صفحات پر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ سلطانی پریس میں چھپتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ ہفتہ وار ہو گیا تھا۔ اس اخبار کی پالیسی انصاف اور حق گوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ابتدا میں ڈھائی سو کے قریب تعداد تھی۔ ۱۹۱۲ء میں دو ہزار ہو گئی تھی۔ مآخذ: ''امداد صابری''، تاریخِ صحافت اُردو، جلد سوم''، ص: ۶۵۴

۵ اودھ پنچ: سید محمد سجاد حسین نے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے جاری کیا تھا۔ جو ۱۹۱۲ء تک جاری رہا۔ ۲۷ر اپریل ۱۸۷۷ء سے پہلے مطبع کایستھ سماچار چھپتا تھا۔ ان ہی تاریخوں میں اخبار کا ذاتی مطبع شامِ اودھ محلّہ گولہ گنج میں قائم ہوا تھا، اس وقت سے اس میں چھپنے لگا تھا۔ یہ بھارتی کانگرس کا حامی، حکمران طبقے کا نقاد و نکتہ چیں اور مغربی تہذیب و روش کے مقابلے میں مشرقیت کا علمبردار تھا۔ اس کی ظرافت اور طنز کی زد میں بڑے بڑے ادیب آئے۔ ۱۹۱۵ء میں سید سجاد حسین کی وفات کے بعد ایک دو مرتبہ اودھ پنچ کے احیا کی کوشش کی گئی اسے پہلی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

مآخذ ۱۔ امداد صابری، ''تاریخِ صحافتِ اُردو، جلد سوم''، ص: ۸۷۔

۲۔ عبدالرزاق فاروقی، محمد ''اودھ پنچ کی ادبی خدمات''، ۱۹۸۸ء۔

۳۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، ''صحافت، پاکستان و ہند میں، ص: ۲۳۳، ۲۵۱

۴۔ ایم ایس ناز ''اخبار نویسی کی مختصر ترین تاریخ''، ص: ۲۱۳، ۲۱۲۔

(۳۱)

لاہور ۸؍جون ۱۷ء

ڈیرفوق۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ کشمیر اور اہلِ کشمیر پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر اور ان کے لٹریچر پر احسان کیا ہے۔ البتہ کشامرہ کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس طرف سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

رسالہ 'رہنمائے کشمیر'[1] جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ طرز بیان بھی دلکش ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ عام لوگوں کے لیے نہایت مفید ہوگا۔ افسوس ہے[1] میں نے آج تک کشمیر کی سیر نہیں کی لیکن امسال ممکن ہے کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی ادھر کھینچے۔

'اسرارِ[2] خودی' کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ مدت ہوئی پہلا ایڈیشن جس کی تعداد بہت نہ تھی ختم ہوگئی۔ میں نے ارادتاً کم تعداد میں چھپوائی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے۔ اس واسطے اس کے مضمون سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔ ممکن ہے کہ دوسری ایڈیشن شائع ہو۔ ایسا ہوا تو سب سے پہلے ایک کاپی آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔ اس مثنوی کا دوسرا[3] حصہ بھی قریب الاختتام ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

تحقیق متن:

[1] عکس ''کلیاتِ مکاتیب' اول'' (ص:۶۰۸، ۶۰۹) میں شامل ہے۔ انوار = افسوس ہے کہ

حواشی و تعلیقات

[2] رہنمائے کشمیر: ایک سو اٹھانوے صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۳ء میں خادم التعلیم برقی پریس لاہور میں شائع ہوئی۔ یہ فوق کے ''سفرنامۂ کشمیر'' کی بنیاد پر لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب اپنے نام

کی مناسبت سے کشمیر میں سفر و سیاحت کے لیے ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ سترہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کشمیر کے ہوٹلوں اور مسافروں کی عام ضرورت کے لیے کئی اہم معلومات کتاب میں موجود ہیں۔(اجمل نیازی، ڈاکٹر، فوق الکشمیر، ص:۵۷۸۔۵۸۱)

۲۔ دیکھیے خط نمبر ۳، تعلیقہ نمبر ۲

۳۔ فارسی مثنوی ''رموزِ بےخودی'' کی طرف اشارہ ہے جو پہلی بار ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔

(۳۲)

ڈیر فوقؔ السلام علیکم!

آپ کا خط مع ملفوف اخبار مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ ہے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (جرنل) کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری[۱] اور شاید یونی ورسٹی لائبریری[۲] میں بھی ہیں۔ آپ کسی روز جا کر خود دیکھیں۔ رسالہ نظام کا اجرا مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ 'طریقت' کو ہی فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوّف کی اشاعت کا صلہ عطا فرماتے۔ محمد دین صاحب صوفی[۴] آپ سے بہتر نہیں[i] لیکن وہ آدمی معاملہ فہم اور کاردان ہے۔ میں بھی آپ کے لیے ان شاءاللہ کچھ لکھوں گا۔

حکیم محمد دین[۵] صاحب کئی روز سے نہیں ملے۔ خدا کرے کہ اچھے ہوں۔ آپ سے ملیں تو میری طرف سے استفسار حال کیجئے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور ۱۴/[ii] دسمبر ۱۸ء

تحقیقِ متن:

خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریر میں بھی موجود ہے۔ [i] انوار = نہیں ہیں۔

[ii] انوار = ۱۶

حواشی وتعلیقات

۱۔ برصغیر پاک و ہند کے کتب خانوں میں ''پنجاب پبلک لائبریری'' ایک منفرد اور ممتاز

مقام رکھتی ہے۔ یہ کتب خانہ ۱۸۸۴ء میں بارہ دری وزیر خان میں قائم ہوا۔ ۱۸۸۴ء میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن کی خواہش سے اس میں پبلک لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ پچھتر کتب سے شروع ہونے والا یہ کتب خانہ اب اڑھائی لاکھ سے زائد کتب، دس ہزار سے زیادہ رسائل وجرائد، اخبارات اور ایک ہزار سے متجاوز قلمی مخطوطات موجود ہیں۔ اس کتب خانے کو لاہور میں بین الاقوامی ادارے یونیسکو کو مخزن (Depository) کے ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ پنجاب پبلک لائبریری کی موجودہ عمارات سولہ کنال رقبے پر محیط ہیں۔

شارعِ قائداعظمؒ پر پنجاب یونی ورسٹی کے سامنے اور عجائب گھر کے پہلو سے ایک سڑک گزرتی ہوئی چرچ روڈ سے جا کر ملتی ہے۔ اسے لائبریری روڈ کا نام دیا گیا ہے، جس کے دائیں جانب عجائب گھر کے عقب میں یہ کتب خانہ واقع ہے۔ اگر شارعِ قائداعظمؒ کی جانب سے داخل ہوں تو دائیں ہاتھ گیٹ سے داخل ہوتے ہی لائبریری کا اورنیٹیل سیکشن دکھائی دے گا، جسے ۱۹۲۷ء میں تعمیر کیا گیا۔ شعبہ السنۃ الشرقیہ میں اس وقت اُردو، عربی، فارسی، پنجابی، ہندی اور پشتو کی اَسّی ہزار کتب موجود ہیں، جن میں اُردو زبان کی کتب کی تعداد ساٹھ ہزار سے زائد ہے۔ مشرقی علوم وفنون میں تحقیقی مقاصد کے لیے یہ شعبہ بہت نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ بارہ دری میں جگہ کی کمی کے پیشِ نظر ۱۹۳۹ء میں شعبہ انگریزی قائم کیا گیا، جس کی تین منزلہ عمارت میں اسوقت ایک لاکھ سے زائد انگریزی زبان میں مختلف علوم وفنون کی کتب موجود ہیں۔ عمارت کے اس حصے میں انتظامی دفاتر کے علاوہ شعبہ خواتین، شعبہ اطفال، شعبہ اسلامیات، رفعت سلطانہ سیکشن، ذخیرہ مخطوطات اور ٹیکنیکل سیکشن قائم ہیں۔ انگریزی زبان میں مختلف علوم وفنون پر یہاں نادر کتب موجود ہیں۔ حکومتِ پنجاب کے محکمہ اسلامیات کی چار ہزار کتب کا ذخیرہ بھی یہیں منتقل ہوا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں بارہ دری وزیر خان کے بائیں جانب اور شعبہ انگریزی کے دائیں طرف متصلاً ایک نئی دومنزلہ عمارت ''بیت القرآن'' کے نام سے تعمیر کی گئی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں اس کتب خانے میں ''شعبہ اطفال'' کا اضافہ کیا گیا۔ اس شعبے میں سات ہزار کتب کے علاوہ چھوٹی عمر کے بچوں کے لیے ان کی دلچسپی کے سامان، تصاویر، کھیلیں، ماڈلز کی شکل میں موجود ہیں۔

مآخذ:

۱) ملک احسن اختر، ڈاکٹر ''ہمارے کتب خانے''، ص: ۳۱-۴۲

۲) ''نقوش' لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲ء' ص:۶۰۱۔۶۰۳

۳) عبدالجبار شاکر' پروفیسر' ''پنجاب پبلک لائبریری۔ ماضی' حال اور مستقبل کے آئینہ میں'' (مضمون) ص ۸۔۱۹' مشمولہ: ''جشنِ صد سالہ تقریبات ۱۸۸۴ء۔۱۹۸۴ء''۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور۔

۴) محمد اسلم: پبلک لائبریری اور اس کا نظم و نسق مع کتب خانوں کی تاریخ' آزاد بک ڈپو اُردو بازار لاہور' ۱۹۹۲ء

۲ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اگرچہ ۱۸۸۲ء میں قائم کی گئی' مگر صحیح معنوں میں اس کی تنظیم ۱۹۱۲ء میں (جب اس کو نئی عمارت میسر آئی) ہوئی۔ اس کی عمارت کا سنگ بنیاد پنجاب یونی ورسٹی کے اس زمانے کے چانسلر لیفٹیننٹ گورنر سر لوئی ڈین نے ۲۷رفروری ۱۹۱۱ء کو رکھا تھا' ماہِ اپریل ۱۹۱۲ء کو پہلے حصے کا افتتاح بھی چانسلر موصوف ہی نے کیا۔ لائبریری کی عمارت کی تکمیل فروری ۱۹۱۷ء میں ہوئی جس پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے صرف ہوئے۔ مسٹر ایم ایچ پرسیول نے ۱۹۱۱ء میں چھ ہزار پانچ سو کتابوں کا ذخیرہ لائبریری کی نذر کیا۔

یونی ورسٹی لائبریری میں کتابوں کی مجموعہ تعداد ایک لاکھ نوّے ہزار ہے۔ متقدر علمی رسائل کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ اس وقت تقریباً ۴۳۲ رسالے پنجاب یونی ورسٹی میں آتے ہیں۔ ان میں اُردو' فارسی' عربی' انگریزی' جرمن' فرنچ وغیرہ زبانوں کے رسائل شامل ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی میں لائبریری میں عربی' فارسی' اُردو اور سنسکرت کے بیش بہا قلمی ذخائر موجود ہیں۔ عربی' فارسی' اُردو کی کم و بیش ۹ ہزار قلمی کتابیں جمع ہیں۔ مخطوطات کا یہ نادر مجموعہ کئی سال کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یونی ورسٹی لائبریری نئے کیمپس (قائداعظم کیمپس) میں ۱۹۸۹ء میں منتقل ہوگئی۔ لائبریری کا انتظام یونی ورسٹی کی مجلسِ حاکمہ یعنی سینیٹ اور سنڈیکیٹ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی عملی تنظیم ایک کمیٹی کے سپرد ہے' جو یونی ورسٹی کے تدریسی شعبوں کے صدر صاحبان اور کالجوں کے مختلف پرنسپلوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

مآخذ: ۱) ''نقوش'' لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲ء' ص:۶۰۸۔۶۱۰

۲) ملک احسن اختر' ڈاکٹر'' ہمارے کتب خانے''' ص:۲۱۔۳۹

۳) غلام حسین ذوالفقار' ڈاکٹر'' صد رسالہ تاریخِ جامعہ پنجاب'' ۱۹۸۲ء

۳ علاّمہ اقبالؔ نے اپنی مثنوی ''اسرارِ خودی'' میں مسلمانوں کو عرفانِ نفس' تعینِ ذات اور

قوتِ عمل کا احساس دلاتے ہوئے فلسفۂ اشراق، عجمی تصوف اور صوفیانہ شاعری پر تنقید کی کہ انھی چیزوں کے اثر سے مسلمانوں کی پوری قوم قوتِ عمل سے یکسر محروم ہو گئی ہے چونکہ یونان میں فلسفۂ اشراق پھیلا اور ایران میں تصوّف اس لیے افلاطون اور حافظ شیرازی کا ذکر بھی آیا۔ اقبال نے تصوّف کے بعض معتقدات سے اختلاف کرتے ہوئے انھیں 'بُز' اور 'گوسفند' قرار دیا۔ اس پر طبقۂ صوفیا بھڑک اٹھا اور ہر طرف سے مثنوی کی مخالفت میں مضامین شائع ہونے لگے۔ اقبال نے اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لیے بہت سے مضامین شائع کرائے۔

اقبال کے گہرے دوست ہونے کی وجہ سے اہلِ 'طریقت' فوق صاحب سے بھی آہستہ آہستہ بدظن ہو گئے اور انھوں نے رسالے کا مقاطع شروع کر دیا۔ جس سے یہ پرچہ ڈولنے لگا۔ انھی دنوں مولوی محمد عظیم گکھڑوی مرحوم، جو سید جماعت علی شاہ کے مریدوں میں بڑے خوش بیان واعظ تھے، حضرت شاہ صاحب کے بعض مشیروں سے کسی بات پر ناراض ہو گئے اور انھوں نے 'طریقت' میں اصلاحی مضامین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آخر یہ رسالہ بند ہو گیا۔ اس کے بند ہوتے ہی فوق صاحب نے اسی قسم کا ایک اور رسالہ 'نظام' جاری کر دیا مگر اقبال کو 'طریقت' کے بند ہونے کا افسوس ہی رہا۔ فروری ۱۹۱۹ء میں رسالہ 'نظام' کا پہلا پرچہ شائع ہوا۔ اس رسالے کا مزاج اور انداز تو وہی تھا جو پہلے رسالے کا تھا مگر اس کو وہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو 'طریقت' کو حاصل ہوئی تھی۔ اس لیے چند ہی ماہ بعد یہ بھی بند ہو گیا۔

مآخذ: ۱) عبداللہ قریشی: حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں، ص: ۲۹۶۔۳۰۲

۲) اجمل نیازی ڈاکٹر: فوق الکشمیر، ص: ۵۱۲، ۵۱۳۔

۴؎ ملک محمد الدین ۹ راگست ۱۸۸۱ء کو مہوٹہ کلاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ جلالپور اور چکوال کے مدرسوں میں تعلیم پا کر مڈل کا امتحان پاس کیا اور سرکاری وظیفہ حاصل کر کے اپریل ۱۸۹۶ء میں لاہور اسلامیہ ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کی طرف طبیعت مائل ہو گئی۔ طالب علمی ہی میں انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں ایک نظم پڑھی اور خوب داد حاصل کی۔ فورتھ ایئر میں مہاراجا رنجیت سنگھ اور امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم آف کابل کی سوانح عمر لکھی۔ ۱۸۹۹ء میں نہر چناب پر پٹواری مقرر ہوئے۔ دو سال بعد نہر جہلم پر تبدیلی ہو گئی۔ نوکری چھوڑ کر تجارت کی طرف توجہ کی۔ جلالپور میں تین سال تک ادویات اور پشمینہ کی تجارت کا کام شروع رکھا لیکن خسارے کے بعد کام کو خیر باد کہہ کر لاہور

آ گئے ''جلوۂ نور'' نامی ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جو تین مہینے کے بعد سرمایہ کی کمی کی وجہ سے بند ہو گیا۔ لاہور سے ۱۹۰۶ء میں حصولِ ملازمت کی غرض سے کشمیر چلے گئے۔ کشمیر سے واپس آ کر سیال شریف ضلع جہلم گئے اور پھر جلال پور شریف میں حضرت قبلۂ عالم جلالپوری سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ لالہ دینا ناتھ' ایڈیٹر اخبار ہندوستان لاہور کے دفتر میں اسسٹنٹ مینیجر کے عہدے پر فائز ہوئے اور ساتھ ہی کارخانہ آبِ حیات چلانا شروع کیا۔

جنوری ۱۹۰۹ء میں 'صوفی' کا پہلا پرچہ پانچ ہزار طبع کرا کے بطور نمونہ مفت تقسیم کیا۔ 'صوفی' کو پنڈی بہاءالدین جیسے ایک چھوٹے سے گاؤں میں وہ مقبولیت حاصل ہوئی جو کسی بڑے سے بڑے شہر میں بھی اردو رسالوں کو میسر ہو سکتی ہے۔

مآخذ: ۱) محمد دین فوق، ''اخبار نویسوں کے حالات''، ص:۶۲-۶۳

۳) امداد صابر، ''تاریخ صحافتِ اُردو' جلد چہارم''، ص:۴۴۷

۵۔ حکیم محمد دین: مولوی انشاء اللہ خاں کے قریبی عزیز تھے۔ بچپن میں اکثر سیالکوٹ جاتے رہتے تھے۔ علاّمہ اقبالؔ کو بچپن سے جانتے تھے۔ ''شفاخانہ طاہری'' کے مالک تھے۔ لاہور میں بھی علاّمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

☆☆☆

(۳۳)

لاہور ۲۸ر دسمبر ۱۸ء

ڈیر فوقؔ! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جس میں اودھ پنچ کا ایک صفحہ ملفوف تھا۔ میں لاہور ہوں، سردی کی وجہ سے بھی[1] باہر نہیں گیا۔

نظم زیر تنقید[1] میری ابتدائی نظموں سے ہے۔ اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجب ہے کہ معترض نے ان میں سے ایک پر بھی اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے، کم از کم مجھے پروف ہی دکھا لیا کریں۔ اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں۔ والسلام

محمد اقبالؔ لاہور

تحقیق متن:

خط کا عکس ''کلیاتِ مکاتیب، اول'' (ص: ۷۹۸) میں شامل ہے۔ [i] انوار = کہیں

حواشی وتعلیقات

[1] فوقؔ نے ۲۱ر جنوری ۱۹۱۹ء کے اخبار کشمیری کے ص: ۲ (کالم ۳) پر ''ڈاکٹر اقبالؔ کی نظمیں اور اودھ پنچ'' کے عنوان سے اس نظم پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اودھ پنچ کو ملک کے مشہور ادیبوں سے ہمیشہ لاگ رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے دورِ اول میں مولانا حالیؔ مرحوم اور مرزا داغؔ دہلویؔ کے کلام پر اعتراضات کر کے خوب شہرت حاصل کی۔ علاّمہ اقبالؔ کی ایک نعت پر اعتراضات کیے ہیں جس کے مقطع کا آخری مصرع حسبِ ذیل ہے:

Å بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر

یہ ان کے ابتدائی دور کی نظم ہے۔ انھوں نے اس نظم کو اپنے مجموعے میں درج کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھا۔ گو نظم ابتدائے مشقِ سخن کا نمونہ ہے لیکن اہلِ اخبار و رسائل بھی بلا اطلاع اور بغیر نظر ثانی کرائے اس کو غلط در غلط چھاپتے رہے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ مصرع ہے

Å اُڑا کے لائی ہے اے صبا تو جو بُو ئے زلفِ معنبر ین کی

یہ مصرع اصل میں اس طرح ہے

Å اُڑا کے لائی ہے اے صبا تو جو بُو کسی زلفِ عنبر ین کی

لیکن اخبارات میں ''بوئے زلفِ معنبر ین''، نقل در نقل ہو رہا ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ یہ ترکیب درست ہے یا نہیں۔ نہ ڈاکٹر اقبالؔ کو علم ہے کہ یہ نظم کہاں کہاں چھپی اور کس کس نے اس کو چھاپا ہے...... یہ نعت ''باقیاتِ اقبال'' (ص: ۴۰۰۔۴۰۲) میں شامل ہے۔ اشعار کی تعداد سترہ ہے یہ نعت ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء کے ''زمیندار'' میں شائع ہوئی اور ''تلاش و تاثر'' (مرتبہ عبدالقوی دسنوی طبع اول نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۷۶ء) ص: ۴۷ میں بھی شامل کی گئی ہے۔

(۳۴)

ڈیر فوقؔ۔ السلام علیکم

خط دستی ابھی موصول ہوا۔ کل گورکھپور سے حکیم برہم[۱] کا خط آیا تھا۔ انھوں نے مجھے ۸/ کا ریاض الاخبار[۲] ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر ابھی پہنچا نہیں۔ اس پرچہ سے حضرت ریاض[۳] کی رائے معلوم ہوگی۔ حکیم برہمؔ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں۔ والسلام

آپ کا اقبالؔ

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ بھی ان شاء اللہ ضرور شائع ہوگا۔ غالباً شیخ عبدالقادر صاحب[۴] کریں گے کیونکہ انھوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری نیوز[۵] کا میری طرف سے شکریہ ادا کر دیں۔

آپ کا اقبالؔ

تحقیق متن:

i خط کا متن عکس کے مطابق ہے۔ ۱۹۱۸ء قیاسی تاریخ تحریر ہے۔ (دیکھیے عکس)

حواشی و تعلیقات

۱ حکیم عبدالکریم خان برہمؔ فتح پور ہسوے کے رہنے والے تھے۔ امیر مینائی کے خاص

عقیدت مندوں اور تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت میں رنگینی اور شوخی تھی۔ نثر نگاری میں دسترس تھی۔ ایک ناول ''کرشن کنور'' آپ کی یادگار ہے۔ زبان کے متعلق ان کی سوجھ بوجھ اور بے لاگ ادبی تنقیدوں سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خان مرحوم نے ایک دفعہ کہا تھا:

Å سلجھا ہوا کوئی نہیں برہم سے زیادہ

گورکھپور سے 'صلح کل' اخبار آپ کی ادارت میں شائع ہوا تھا۔ رسالہ 'فتنہ' کے مالک و مہتمم ہو گئے تھے۔ ہفت روز 'مشرق' ۱۹۰۷ء میں گورکھپور سے نکلنا شروع ہوا۔ عبدالکریم برہمؔ اس کے مالک و ایڈیٹر تھے۔ ریاض خیر آبادی نے ان کی وفات پر قطعہ کہا جو 'مشرق' کی ۲۱؍فروری ۱۹۲۹ء کی اشاعت میں 'بزم ماتم' کے تحت شائع ہوا۔

مُرد افسوس اڈیٹر 'مشرق'	سال فوت ایں زمام اُو گفتم
کردہ شش بگو حکیم ریاضؔ	باز عبدالکریم برہمؔ
	۱۳۴۷ھ

گویا ان کا انتقال ۱۹۲۹ء میں ہوا۔

مآخذ: ۱) ''نقوش'' مکاتیب نمبر (دوم) ص: ۹۳۰

۲) خلیل اللہ ڈاکٹر، ''ریاض خیر آبادی۔ حیات اور ادبی خدمات''، ص: ۱۹۷

۲ ۳ ''ریاض الاخبار'' کے کرتا دھرتا حضرت ریاضؔ تھے۔ حضرت ریاض کی ولادت ۱۸۵۳ء خیر آباد میں ہوئی۔ ریاض احمد نام رکھا گیا۔ آپ کے والد مولوی سید طفیل احمد بڑے پائے کے عالم تھے۔ آپ کا نسب حضرت مخدوم شیخ سعدؒ کے خلیفہ حضرت قاضی سید بخشؒ کے سلسلہ سے حضرت سید شاہ شجاع کرمانی تک پہنچتا ہے۔ حضرت ریاض نے ابتدا میں فارسی اپنے والد سے پڑھی۔ اس کے بعد مولوی حافظ سید نبی بخش کے مدرسۂ عربیہ میں داخل ہوئے۔ وسطی درجوں میں شاعری کا شوق دامن گیر ہوا۔ اسیرؔ کے شاگرد ہوئے۔ شروع میں اپنی مشکل پسند طبیعت کے باعث غالبؔ کے رنگ میں مشقِ سخن کرتے تھے۔ بعد ازاں امیر مینائی سے کلام میں اصلاح لیتے اور اپنا کلام رام پور بھیجتے۔

ریاض خیر آبادی کا اُردو شاعری میں وہی رتبہ ہے جو عمر خیام کا فارسی ادب میں ہے۔ ریاضؔ کو ''خیام الہند'' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ شاعری کی طرح انھوں نے ناول نویسی میں بھی نام کمایا۔ انھوں نے کوئی ناول نہیں لکھا لیکن ''رینالڈس' کے انگریز ناولوں کا اُردو ترجمہ کیا۔ Loves

Harm of کا ترجمہ ''حرم سرا'' اور Miss Ellin Pirsy کا ترجمہ ''نظارہ'' Branze Statue کا ترجمہ 'تصویر' جو کہ ادھورا ہی رہ گیا۔ اس کے علاوہ ریاض کا ایک چوتھا ناول ''ناشاد'' ہے جو کم یاب ہے۔ ''نظارہ'' کی تو یہ خوبی ہے کہ پوری کتاب میں فارسی کی اضافت استعمال نہیں کی گئی ہے۔

ریاض الاخبار ۱۸۷۲ء میں ''لمعۂ رخشاں'' کے تاریخی مطبع خیر آباد سے جاری ہوا۔ یہ ہفتہ وار اخبار تھا ارقریب ۱۸۸۱ء تک خیر آباد سے نکلتا رہا۔ خیر آباد کے لوگ اس کا دوسرا نام 'نظام الآ ثار'' بھی بتاتے ہیں۔ ریاض الاخبار' کے پہلے صفحے پر یہ شعر درج رہتا تھا۔

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی　　　ترا شباب بڑھے عمرِ جاوداں کی طرح

ریاض الاخبار ۱۸۸۱ء میں گورکھپور آیا۔ ۱۹۰۷ء میں مہاراجا محمود آباد کے اصرار پر لکھنؤ آ گئے اور ریاض الاخبار یہاں سے نکلنا شروع ہوا۔ لکھنؤ میں ریاض الاخبار ۱۹۱۰ء کے آغاز تک نکلتا رہا۔ ۱۹۱۰ء کے قریب ریاض لکھنؤ سے خیر آباد آ گئے۔ ریاض الاخبار کے علاوہ ''تار برقی''، ''صلح کُل'' اور ''فتنہ وعطر فتنہ'' بھی جاری کیے۔ ریاض نے ''گلکدۂ ریاض'' جنوری ۱۸۹۷ء میں خیر آباد سے نکالا۔ یہ شعر وسخن کے کلام کا ایک ماہنامہ تھا۔ اس کے بعد ریاض نے ایک گلدستہ ''گلچیں'' نکالا جس میں مشہور شعراء کا کلام ایک ہی دی ہوئی طرح پر شائع ہوتا تھا۔

۲۸ رجولائی ۱۹۳۴ء کو ۸۱ سال کی عمر میں ریاض نے انتقال کیا اور خیر آباد میں سپردِ خاک کیے گئے۔

مآخذ: ۱) ''نگار'' (ریاض نمبر) جنوری فروری ۱۹۴۳ء لکھنؤ' ص: ۹۔۱۲

۲) ''ساقی'' (سالنامہ) جنوری ۱۹۳۵ء ص: ۱۰۰۔۱۱۹

۳) خلیل اللہ' ڈاکٹر'' ریاض خیر آبادی۔ حیات اور ادبی خدمات'' ص: ۶۱۔۹۳' ۲۷۴۔۲۸۲

۴) مرتاض خیر آبادی (مرتب)'' ریاض خیر آبادی اپنے آئینے میں' جلد اول'' ص: ۱۸۔۶۴

۴ دیکھیے خط نمبر ۲۱ تعلیقہ نمبر ۳

۵ سول اینڈ ملٹری نیوز: لدھیانہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۰ رمئی ۱۸۹۳ء کو نمودار ہوا۔ ہر چہارشنبہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ ماسٹر غلام محی الدین نے بھی اس اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیے تھے۔ اس اخبار کے جاری کرنے کی وجہ اس اخبار کے ۱۰ رمئی ۱۸۹۳ء کے شمارے میں یوں ہے:

''انگریز افسروں اور عام رعایا ہندو مسلمانوں اور عیسائیوں کے حقوق کی

حفاظت کے لیے علیحدہ علیحدہ اخبار جاری ہیں۔لیکن نہایت ضروری گروہ جس کی ذات پر ملک کے امن وامان اور جان و مال کی سلامتی کا دار و مدار ہے‘اب تک بے حمایت ہے۔ وہ بے شمار ہندوستانی فوجی افسر اور سپاہی جنھوں نے ملک کی حفاظت کے لیے سر پیچ دیے‘ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے یہ اخبار جاری کیا جاتا ہے‘‘۔

مآخذ: امداد صابری ’’تاریخ صحافت اُردو، جلد سوم‘‘ ص: ۶۳۵۔۶۳۶

(۳۵)

میں ایڈیٹر صاحب سول اینڈ ملٹری نیوز کا دل سے ممنون ہوں۔ جو رائے انھوں نے میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی نسبت اپنے قیمتی اخبار میں ظاہر فرمائی ہے۔حقیقت میں‘ میں اس کے قابل نہیں۔

حق تو یوں ہے کہ وہ ہیں سب شعرا سے بدتر
آپ اچھے ہیں جو کہتے ہیں جلال[۱] اچھا ہے‘‘

میں ایڈیٹر صاحب کو اطمینان دلاتا ہوں کہ ان شاء اللہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر ’’مخزن‘‘ کریں گے۔

اقبالؔ

تحقیقِ متن

خط کا متن عکس کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔خط پر اگرچہ تاریخ درج نہیں لیکن مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں تحریر کیا گیا ہے کیونکہ بعد میں شیخ عبدالقادر کو ’’سر‘‘ کا خطاب دیا گیا تھا۔

حواشی وتعلیقات

۱ نام سید ضامن علی تخلص جلالؔ...... والد کا نام حکیم اصغر علی تھا۔ خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ حضرت جلالؔ ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی درسی کتابیں مکمل پڑھیں اور عربی میں بقدرِ ضرورت استعداد پیدا کی۔اپنا آبائی پیشہ طبابت بھی نظر انداز نہیں کیا۔چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے

نے جب لکھنؤ کی بساطِ سخن اُلٹ دی اور شعروشاعری کی محفل درہم برہم ہوگئی تو جلالؔ نے لکھنؤ میں ایک دواخانہ کھول کر کسبِ معاش کے لیے اس سے کام لیا۔ نواب یوسف علی خاں کو خبر ہوئی تو انھوں نے رام پور بلالیا۔ بیس سال تک دربار سے تعلق رہا۔ نواب کلب علی خاں کی وفات کے بعد رئیس منگرول کی طلبی پر وہاں چلے گئے۔ مگر آب و ہوا راس نہ آئی۔ لکھنؤ واپس چلے آئے۔ جہاں ۲۰/ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو انتقال کیا۔ مشہور تصانیف یہ ہیں۔ چار دیوان اُردو (اوّل)' شاہدِ شوخ طبع (۱۸۸۴ء) دوم' کرشمہ گاہِ سخن (۱۸۸۴ء) سوم' مضمون ہائے دلکش ۱۸۸۸ء (چہارم)' نظم نگاریں' سرمایہ زبانِ اُردو' افادۂ تاریخ' منتخب القواعد' تنقیح اللغات' گلشنِ فیض' دستور الفصحا' مفید الشعرا وغیرہ۔ شاگردوں میں میرزا کرحسین یاسؔ آرزو لکھنوی' احسان شاہ جہان پوری۔

مآخذ: ۱) ''نقوش'' آپ بیتی نمبر' ص: ۹۲۵' ۹۲۶

۲) ''نقوش'' آپ بیتی نمبر' ص: ۱۵۰۶' ۱۵۰۷

۳) ابواللیث صدیقی' ڈاکٹر' لکھنؤ کا دبستانِ شاعری'' ص: ۴۵۷

(۳۶)

لفافہ پر نوٹ[1]

علی گڑھ منتھلی[۴] کا آخری نمبر ضرور دیکھیے' اس میں حسرتؔ موہانی[۲] نے ایک نہایت بزدلانہ حملہ آپ پر کیا ہے۔

اقبالؔ

تحقیق متن

[۱] اقبالؔ نے ایک دستی خط کے لفافے پر اپنا نام و پتا کاٹ کر فوقؔ کا پتا لکھا...... اور درجِ بالا خط لکھا۔ اقبالؔ اس وقت بھاٹی دروازہ لاہور میں رہایش پذیر تھے کیونکہ رقعہ پر بھاٹی دروازہ کا پتا درج ہے اور نام شیخ محمد اقبالؔ ایم۔ اے درج ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط اقبالؔ کے انگلستان جانے سے پہلے کا ہے۔ (دیکھیے: عکس)

حواشی وتعلیقات:

[۴] یہ ماہانہ رسالہ علی گڑھ سے جنوری ۱۹۰۳ء میں جاری ہوا۔ یہ اُردو انگریزی زبان میں نکلتا تھا۔

انگریزی کا حصہ مختصر ہوتا تھا اور اُردو کے حصے میں کافی صفحات تھے۔ سید ولایت تحسین اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ انگریزی کا حصہ سی' سی مشن پریس کانپور میں اور اُردو کا حصہ ریاض ہند پریس علی گڑھ میں طبع ہوتا تھا۔ اس رسالے میں تاریخی' علمی اور ادبی مضامین شائع ہوتے تھے۔

مآخذ: امداد صابری' ''تاریخ صحافتِ اُردو' جلد چہارم''، ص:۲۱۷۔۲۱۸

۲؎ اصل نام سید فضل الحسن' ۱۸۷۶ء میں ضلع اناؤ کے ایک قصبہ موہان میں پیدا ہوئے۔ وہیں سے مڈل پاس کیا۔ ۱۸۹۵ء میں انٹرنس کرنے کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ ۱۹۰۳ء میں بی۔ اے کیا اور ''اُردوئے معلیٰ'' نکالنے لگے۔ یہ دور اقبالؔ کی شاعری کے آغاز کا تھا۔ ان کا کلام ''مخزن'' میں شائع ہو کر مقبول ہو رہا تھا۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں 'ترانۂ ہندی'' شائع ہوا۔ جس پر مولانا عبدالحلیم شررؔ کے رسالہ ''دلگداز'' میں زبان و بیان کے سلسلے میں شدید اعتراضات کیے گئے۔ حسرتؔ موہانی نے اس بات کا سختی سے نوٹس لیا اور ''دلگداز'' کے روّیے پر کڑی نکتہ چینی کی۔

انھوں نے عملی سیاست میں بھی حصہ لیا اور طویل عرصے تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی۔ قید کے حالات ''نقوشِ زنداں'' کے نام سے تحریر کیے...... وہ اقبالؔ کی شاعرانہ عظمت کے زبردست مدّاح تھے۔ اقبالؔ کے انتقال پر پانچ شعروں کی ایک نظم بھی کہی جس کا نام انھوں نے ''اشکِ خونیں'' رکھا تھا۔ اس کا پہلا شعر ہے:

؎ عاشقی کا حوصلہ بیکار ہے تیرے بغیر　　　آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر

حسرتؔ نے اپنی پوری زندگی قلندرانہ انداز میں گزاری۔ ۱۹۴۷ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔ ۱۳ رمئی ۱۹۵۱ء کو ۷۵ سال کی عمر میں بہ مقام لکھنؤ انتقال کیا۔ ان کی تصانیف میں کلیات کے علاوہ' نکاتِ سخن' ''معائبِ سخن'' جیسے رسالے بھی اہم ہیں

مآخذ: ۱) اشتیاق اظہر، سیّد، ''سیّد الاحرار''، ص:۳۱۔۷۰

۲) حامدؔ سید' ''نگارخانۂ رقصاں''، ص:۱۲۰۔۲۱۹

۳) محمد ایوب قادری' ڈاکٹر'' کاروانِ رفتہ''، ص:۲۷۔۷۵

(۳۷)

ڈیر فوق! السلام علیکم

ایک کاپی اس نظم [1] کی مجھے بھی ارسال کیجئے جو میں نے آپ کو 'نظام' [2] میں شائع کرنے کے لیے بھیجی تھی۔ اس کا مسوّدہ بھی میرے پاس موجود نہیں۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبالؔ از [1] لاہور

۲۵رفروری ۱۹ء

تحقیق متن:

خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ [1] انوار= اقبالؔ لاہور

حواشی و تعلیقات

[1] ''نظام'' کے پہلے شمارے (فروری ۱۹۱۹ء) میں اقبال کی درج ذیل نظم شائع ہوئی تھی۔

ہر عمل کے لیے ہے ردِّ عمل — دہر میں نیش کا جواب ہے نیش
شیر سے آسمان لیتا ہے — انتقام غزال و اشتر و میش
سرگزشتِ جہاں کا سرِّ خفی — کہہ گیا ہے کوئی تکو اندیش
شمع پروانہ رابسوخت ولے — زود بریاں شود بہ روغن خویش

(''باقیاتِ اقبال''، ص: ۲۲۰)

[2] دیکھیے خط نمبر ۳۲ تعلیقہ نمبر ۳

(۳۸)

ڈیر فوق! السلام علیکم

دونوں کتابوں کا پیکٹ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ نے ''تاریخ حرّیتِ [2] اسلام'' بھی لکھی ہے۔ یہ کتاب لاجواب ہوگی اور مسلمانوں کے لیے تازیانے کا کام دے گی۔ آپ بڑا کام کر رہے ہیں۔ اس کا اجر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے ملے گا۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

۲۷راکتوبر ۲۰ء

تحقیقِ متن:

خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں بھی موجود ہے، متن عکس کے مطابق درست کیا گیا ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱؎ اس کا پہلا ایڈیشن ۷/مارچ ۱۹۲۱ء اور دوسرا ۱۹ء دسمبر ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں زمانۂ رسالت، عہد خلافتِ راشدہ، دورِ خلفائے بنی امیہ وعباسیہ، عہدِ بنی بویہ وسلجوقیہ، دولتِ ہسپانیہ وغزنویہ کے علاوہ ترکی ومصر، الجزائر ومراکش، فرماں روایانِ ہند اور مسلمان بادشاہان دکن، سندھ وکشمیر کے عہدِ گزشتہ کے راست گو اور حق پرست بزرگوں کے حرّیت آموز حالات وواقعات درج ہیں۔ اس پر اقبال نے رائے بھی دی ہے۔

مآخذ: اجمل نیازی، ڈاکٹر ''فوق الکشمیر''، ص: ۱۸۴۔۱۸۷

(۳۹)

بنام غلام احمد مہجور

تعارف:

کشمیری زبان کے مشہور شاعر پیرزادہ غلام احمد مہجور ۱۸۸۸ء میں تحصیل پلومہ کے گاؤں تری گام میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام پیر اسداللہ شاہ تھا۔ جو اپنے حلقے میں، اپنی بزرگی اور پرہیزگاری کی وجہ سے بہت ممتاز تھے، مگر غلام احمد مہجور نے پیری مریدی کا شغل اختیار نہ کیا بلکہ ذریعۂ معاش کے لیے ملازمت اختیار کر لی۔ ''مہجور'' کشمیری کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ انسانوں سے پیار، آزادیٔ فکر وعمل اور مناظر فطرت ان کی شاعری کے موضوعات ہیں۔ کلام کے دو مجموعے ''کلام مہجور'' اور ''پیام مہجور'' چھپ چکے ہیں۔

مہجور کو علمِ جدید، سیاسیات اور اقتصادیات سے بھی واقفیت تھی۔

علّامہ اقبالؔ، پیرزادہ غلام احمد مہجور کی شخصیت سے واقف تھے۔ اقبالؔ کی شاعری اور پیام نے مہجور کی زندگی اور شاعری میں انقلاب پیدا کیا۔ اقبال جب کشمیر گئے۔ (جون ۱۹۲۱ء) تو مہجور

سے بھی ملے اور انھیں ''بزم ادیبانِ کشمیر'' بنانے کا مشورہ دیا تھا تا کہ کشمیری زبان کے شاعر و ادیب نئے نئے رجحانات اور خیالات سے واقف ہو کر اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کریں۔ مہجور نے اقبالؔ کی نظموں: غنی کاشمیری، ساقی نامہ اور کشمیر کا سب سے زیادہ اثر قبول کیا۔ مہجور نے اقبالؔ کے طرزِ فکر کو اپنایا اور اگر یہ کہا جائے کہ مہجور علاّمہ اقبالؔ کے کلام و پیام کے کشمیری زبان میں ترجمان ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ مہجور نے ۹/اپریل ۱۹۵۲ء کو انتقال کیا اور وزیرِ اعظم شیخ عبداللہ کی خواہش پر سرکاری اعزاز کے ساتھ سری نگر میں حبّہ خاتون کے مزار کے متصل دفنایا گیا۔

مآخذ: ۱) سلیم خان گمی ''اقبال اور کشمیر''، ص: ۱۴۹۔۱۵۰

۲) محمد عرفان (مقالہ نگار)، ''اقبال اور کشمیر'' (مقالہ: ایم۔فل اقبالیات) ص: ۲۱۵۔۲۱۸

۳) کلیم اختر، ''اقبال اور مشاہیرِ کشمیر''، ص: ۱۲۵۔۱۳۴۔

☆☆

لاہور ۱۲/ مارچ ۲۲ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

مجھے معلوم کر کے کمال مسرت ہوئی کہ آپ تذکرۂ شعرائے کشمیر [i] لکھنے والے ہیں۔ میں کئی سالوں سے اس کے لکھنے کی تحریک کر رہا ہوں مگر افسوس کسی نے ادھر توجہ نہ کی۔ آپ کے ارادوں میں اللہ تعالیٰ برکت دے۔

افسوس ہے [ii] کشمیر کا لٹریچر تباہ ہو گیا۔ اس تباہی کا باعث زیادہ تر سکھوں کی حکومت اور موجودہ حکومت کی لاپروائی اور نیز مسلمانانِ کشمیر کی غفلت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وادیٔ کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر کی تلاش و حفاظت کے لیے ایک سوسائٹی بنائیں؟ ہاں تذکرۂ شعرائے کشمیر لکھتے وقت مولانا شبلی [۲] کی شعر العجم آپ کے پیشِ نظر [iii] ہونی چاہیے۔ محض حروف کی ترتیب سے شعرا کا حال لکھ دینا کافی نہ ہوگا۔ کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر میں فارسی شعر کی تاریخ لکھیں۔

مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بار آور ہوگی اور اگر کبھی خود کشمیر میں یونی ورسٹی بن گئی تو فارسی زبان کے نصاب میں اس کا کورس ہونا یقینی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ کشمیر کی قسمت عنقریب پلٹا کھانے والی ہے۔ امید کہ [iv]

جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ میرے پاس کوئی مسالہ تذکرہ شعرا کے لیے نہیں ورنہ آپ کی خدمت میں ارسال کرتا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

تحقیق متن:

i اس خط کے مکتوب الیہہ محمد دین فوق نہیں بلکہ غلام احمد مہجور ہیں (''حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں''، ص:۳۲۱۔۳۲۲) اکبر حیدری کاشمیری لکھتے ہیں:

''بشیر احمد ڈار کو اس خط کے متعلق غلط فہمی یوں پیدا ہوگئی کہ فوق نے اس کا عکس 'تاریخ اقوام کشمیر' جلد دوم کے ص:۳۳۲۔۳۳۳ کے درمیان اقبال کے حالات زندگی کے تحت اقبال کی تصویر کی پشت پر شائع کیا چونکہ خط کا عکس نام اور پتے کی طرف سے نہیں چھپا بلکہ نفسِ مضمون کی طرف سے چھپا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو اصل مکتوب الیہ کے بارے میں غلطی ہوئی۔
(''شاعر'' اقبال نمبر' جلد اوّل' ص:۴۷۵)

ii انوار=افسوس ہے کہ iii انوار=زہنی iv انوار=امید ہے کہ۔

حواشی وتعلیقات:

۱ غلام احمد مہجور تذکرۂ شعرائے کشمیر نہ لکھ سکے اور یہ کام فوق ہی نے مکمل کیا۔ (صابر کلوروی' ''اقبال کے ہم نشین''، ص:۲۰۰)

۲ مولانا شبلی مئی ۱۸۵۷ء میں شہر اعظم گڑھ کے نواحی گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تحریروں میں اپنا نام محمد شبلی ہی لکھتے تھے' بعد میں صرف شبلی کر دیا اور نام کے ساتھ نعمانی لکھنے لگے۔ تعلم بندول' اعظم گڑھ' جونپور' چڑیا کوٹ' غازی پور' لاہور' دیوبند' رام پور اور سہارن پور میں ہوئی۔ اساتذہ میں مولانا محمد فاروق' مولانا فیض الحسن' مولانا ارشاد حسین اور مولانا احمد علی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۸۹۸ء میں سر سید احمد خان کے انتقال کے بعد اعظم گڑھ آ کر نیشنل اسکول کی بنیاد رکھی اور اپنی تصنیف ''الفاروق'' کو مکمل کیا۔ علی گڑھ میں دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی......۱۹۱۱ء میں آل انڈیا محمڈن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ دہلی میں اقبال مدعو کیے گئے اور اس اجلاس میں شبلی نے اقبال کو پھولوں کے ہار پہنائے اور ان کی شاعری پر تبصرہ کیا۔ اقبال کی پہلی تصنیف ''علم الاقتصاد'' (۱۹۰۴ء) کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال' شبلی کی علمی قابلیت کے معترف تھے کیونکہ

انھوں نے ''علم الاقتصاد'' کے بعض حصوں میں زبان کے متعلق قابلِ قدر اصلاح دی (''علم الاقتصاد''،ص۳۴)

شبلی کی اہم تصانیف میں فارسی غزلوں کا مجموعہ ''دستۂ گل''، شعرالعجم'' (۵ جلدیں)' ''الفاروق''،سوانح مولانا روم''، ''سیرۃ النعمان''، ''الغزالی''، ''موازنۂ انیس ودبیر''اورنگ زیب عالمگیر پرایک نظر''،سفرنامۂ روم ومصروشام''اور رسائلِ شبلی'وغیرہ شامل ہیں۔آخری تصنیف ''سیرۃ النبیؐ،تھی جسے سید سلمان ندوی نے تکمیل کو پہنچایا۔

مآخذ:۱) سلیمان ندوی،سید''حیاتِ شبلی''،ص:۱۴۲۔۱۶۵

۲) ایس ایم۔اکرام''یادگارِشبلی''،ص:۱۷۔۸۱

۳) اعجازالحق قدوسی''اقبال اورعلمائے پاک وہند،ص:۱۶۸۔۱۹۱

بنام محمد دین فوق

(۴۰)

لاہور۱۹/دسمبر۲۲ء

ڈیرفوق صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔آپ کے مصائب[۱] کا حال سن کر بہت افسوس ہوا۔اللہ تعالیٰ صبرِ جمیل عطا فرمائے مولوی عبداللہ[۲]غزنویؒ[۱] حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کی خبر موصول ہوئی۔ایک منٹ تامل کیا پھر طلبا کو مخاطب کر کے۔''مابرضائے او راضی ہستیم'' بیائید کہ کارخود بکنیم[۳]'' یہ کہہ کر پھر درس میں مصروف ہو گئے۔مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خداتعالیٰ کے قُرب کا ذریعہ بنالیتا ہے۔

شبابِ کشمیر[۴]ضرور لکھیے۔بہت مفید کتاب ہو گی۔اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے۔میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی[۵] مجموعے میں شائع ہو گی۔افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر سے بہت کم آگاہی ہے۔ممکن ہے پنڈت شونرائن[۶] آپ کی مدد کر سکیں۔راج ترنگنی[۷] غالباً ان کے پاس ہے۔اگر نہ

ہوئی تو پنجاب پبلک لائبریری[8] سے ضرور مل جائے گی۔ ''اسلام میں سیاست'' ۱۴/سال ہوئے انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب ہو رہا تھا جس کا نتیجہ آخر کار ۱۹۰۹ء میں عبدالحمید خاں[9] کی معزولی ہوا۔ یہ مضمون لندن کے سوشیالوجیکل ریویو میں شائع ہوا تھا۔ پیسہ اخبار[10] نے اس کا ترجمہ بہت غلط شائع کیا ہے۔ صحیح ترجمہ زمیندار[11] میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ چودھری محمد حسین[12] صاحب ایم۔اے سیکرٹری نواب سر ذوالفقار علی صاحب نے کیا تھا معتبر ہے اگر آپ چھاپنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پمفلٹ فارم میں شائع کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ چودھری صاحب سے بھی اجازت لے لیں تو بہتر ہے وہ ایک آدھ روز کے لیے سیالکوٹ جانے والے ہیں۔ وہاں سے جنوری کے شروع میں میں واپس آئیں گے۔ ان کو اجازت دینے میں مجھے یقین ہے تامل نہ ہوگا۔ انگریزی اصل چند روز ہوئے مسلم آؤٹ لک میں چھپا تھا۔ وہ مطلوب ہو تو مسلم آؤٹ لک[14] سے طلب فرمائیں۔

باقی رہے میرے حالات سوان میں کیا رکھا ہے۔ میرا طرزِ رہایش مشرقی ہے آپ شوق سے تشریف لا سکتے ہیں والسلام

محمد اقبال

تحقیق متن:

۱ انوار=مولوی عبداللہ غزنوی آج۔ (دیکھیے عکس)

حواشی و تعلیقات

۱ اقبال نے یہ خط فوق کے لڑکے ظفر الاحسن کی وفات پر تعزیت کے لیے لکھا۔ فوق اکتوبر ۱۹۲۲ء کے آخری دنوں میں بھوپال گئے تھے۔ ۵/نومبر ۱۹۲۲ء کو تار کے ذریعے سب سے چھوٹے بیٹے ظفر الاحسن کی بیماری کی اطلاع ملی؛ جس کی عمر گیارہ سال تھی۔ ۸/نومبر کی شام کو بیٹے کے انتقال کا تار ملا۔ فوق ماتمِ فرزند میں خون کے آنسو بہاتے گاڑی میں سوار ہو گئے۔ جب گاڑی بلب گڑھ ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو یہ شعر بے ساختہ زبان پر آ گیا۔

کچھ لڑکے چلے آتے ہیں اسکول سے پڑھ کر دیکھو کہیں ان میں مرا احسن تو نہیں ہے

اس کے بعد دہلی، سہارن پور اور جگادھری کے درمیانی اسٹیشنوں پر اور بھی شعر ہو گئے۔ یہ اشعار پہلے پہل ۲۱، ۲۸ر نومبر ۱۹۲۲ء کے ''کشمیری میگزین لاہور'' (ص:۴) میں شائع ہوئے۔ مزید کلامِ فوق، طبع دوم ص:۱۹۲، ۱۹۷ پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ مآخذ: اجمل نیازی ڈاکٹر، فوق الکشمیر، ص:۸۵

۲ مولوی عبداللہ غزنوی توحید و سنت کے علم بردار تھے۔ انھوں نے ساری عمر بدعت کے خلاف جہاد کیا اور اسی وجہ سے انھیں افغانستان سے ہجرت کرنا پڑی۔

مآخذ: ۱) محمد اسحاق بھٹی، ''فقہائے پاک و ہند (تیرہویں صدی ہجری) جلد دوم''، ص:۱۴۷۔۲۱۹

۲) محمد اسحاق بھٹی، ''فقہائے پاک و ہند (تیرھویں صدی ہجری) جلد سوم''، ص:۶۰۔۶۵

۳ **ترجمہ** ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں، آؤ اپنا کام کریں۔

۴ شبابِ کشمیر فوق نے اپنی کتاب ''تذکرہ سلطان زین العابدین'' کی بنیاد پر تحریر کی۔ اس کی ضخامت ۵۲ صفحات سے ۲۸۸ صفحات تک بڑھا دی اور اپنے اشاعتی ادارے ''ظفر برادرس لاہور'' کے زیر اہتمام ۱۹۲۹ء میں شائع کی۔ یہ کتاب کشمیر کی مٹی ہوئی شان و شوکت اور اس کے گم شدہ عروج و اقبال کی ایک ولولہ انگیز کیفیت اور روشن تصویر ہے۔ ''شبابِ کشمیر'' کے نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فوق نے لکھا ہے کہ تذکرہ بڈ شاہ کا نام میں ''شبابِ کشمیر'' رکھا ہے۔ بڈ شاہ کے زمانے میں کشمیر کو جو عروج و اقبال حاصل تھا اس کی رو سے یہ نام غیر موزوں نہیں۔ ''شبابِ کشمیر'' کے مطالعے سے اس وقت کی علمی، ادبی، سیاسی، روحانی، صنعتی، تجارتی، معاشرتی اور تمدنی ترقیوں کی کیفیت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

مآخذ: محمد دین فوق، ''شبابِ کشمیر''، طبع دوم، ۱۹۸۷ء۔

۵ فارسی مجموعے سے مراد ''پیام مشرق'' ہے جو پہلی بار ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں کشمیر کے عنوان سے ایک نظم ہے۔ (ص:۲۸۳) جس کا مطلع ہے:

رخت بہ کاشمر کشا، کوہ و تل و دمن نگر سبزہ جہاں جہاں ببیں، لالہ چمن چمن نگر

اس کے علاوہ ''ساقی نامہ'' (کلیات فارسی، ص:۲۶۹) ہے جو نشاط باغ کشمیر میں لکھا گیا۔ اس کی تشبیب میں انھوں نے بہار کا منظر پیش کیا ہے۔ اس کے بعد گریز کی ہے اور ساقی (خدا) سے دعا کی ہے کہ شرابِ حرّیت کے چند قطرے ٹپکا کر کشمیریوں کے دلوں کو گرما دے تا کہ اس خاکستر سے چنگاریاں پیدا ہو جائیں۔ مردہ جسموں میں سوز کی لہر دوڑ جائے اور ہر بے خود و بے جان، خودی اور

زندگی کی لذت سے آشنا ہو جائے۔

۶؎ پنڈت شونرائن لاہور کے مشہور وکیل، ادیب اور اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ ۱۸۵۹ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۱ء میں لاہور ہی سے وکالت کی سند حاصل کی۔ حکومت نے رائے بہادر کا خطاب دیا۔ ۱۹۰۵ء تک جالندھر میں وکالت کرتے رہے پھر لاہور چلے آئے۔ اُردو ادب کا بھی بڑا شوق رکھتے تھے۔ تاریخ سے دلچسپی تھی، اسی ذوق اور شوق کے باعث یہ پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ انھوں نے ہندو مذہب کو چھوڑ کر بدھ مت اختیار کر لیا اور پنجاب میں اس مذہب کے زبردست مبلغ رہے۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں یہ حیات تھے۔ اس کے بعد کی کسی تاریخ میں وفات پائی۔ ان کی اہم تصانیف یہ ہیں: ''کشمیر پنڈت (کشمیری پنڈتوں کی سوشل اصلاح کے متعلق)، ''تحفۂ شمیم'' (اصلاحی حکایات کا مجموعہ) ''بدھ مت'' (بدھ کے حالات اور تعلیمات)......۱۹۰۱ء میں انھوں نے ''شمیمِ ہند'' کے نام سے ایک اخبار جالندھر سے جاری کیا تھا، جو ڈیڑھ سال بعد بند ہو گیا۔

مآخذ: ۱) ''نقوش'' لاہور نمبر: ۹۳۴

۲) امداد صابری ''تاریخ صحافتِ اُردو، جلد چہارم، ص: ۱۶۹، ۱۷۰

۷؎ راج ترنگنی (مصنف پندت کلہن) راجگانِ کشمیر کی نہایت قدیم اور مستند تاریخ ہے۔ یہ راجا جے سنگھ والیٔ کشمیر کے عہدِ حکومت میں تصنیف ہوئی اور تاریخِ برِ عظیم ہندوستان کے بہترین مآخذوں میں شمار کی جاتی ہے۔ مستشرقین کے خیال میں سنسکرت زبان میں جس قدر تاریخی سرمایہ ہے اس میں یہ کتاب بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

پنڈت کلہن ایک شاعر تھا جو کشمیر کا رہنے والا تھا۔ اس کے آبا وَاجداد کو کشمیر کے شاہی دربار میں غیر معمولی رسوخ حاصل تھا۔ راج ترنگنی سنسکرت نظم میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ہندو دکن اور جنوب کے تقریباً ان تمام راجے مہاراجاؤں کا ذکر ملتا ہے جو راجگان کشمیر کے ہمعصر، ان پر حملہ آور یا ان کے ماتحت رہے ہیں۔ کلہن نے تاریخ کشمیر کی ابتدا راجا گونند کے عہدے سے کی ہے جس کا زمانہ تخت نشینی تین ہزار سال قبل مسیح تصور کیا جاتا ہے۔ اس حساب سے یہ کتاب چار ہزار دو سو پچاس برس کے واقعات کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ راج ترنگنی کی ترتیب مصنف نے آٹھ ابواب میں کی ہے اور اس کے ہر باب کو ''ترنگ'' کہتے ہیں۔

مآخذ: ۱) ادبی دنیا لاہور (کشمیر نمبر) مارچ، اپریل ۱۹۶۶ء، ص: ۴۵۷۔۴۵۹

۲) ''کشمیر سلاطین کے عہد میں''، معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء، ص: ۲،۳

۸۔ دیکھیے خط نمبر ۳۲، تعلیقہ نمبر ۱

۹۔ عبدالحمید خاں (۱۸۴۲ء۔۱۹۱۸ء): خلافت عثمانیہ کا تاجدار، جو سلطان عبدالحمید ثانی کے نام سے معروف ہے۔ ۳۱ر اگست ۱۸۷۶ء کو اپنے بھائی سلطان مراد خامس کا جانشین ہوا جسے ''نوجوان ترکوں'' نے معزول کر دیا تھا۔ عبدالحمید نے پہلی جنگ روس کے خلاف لڑی (۱۸۷۷ء۔۱۸۷۸ء)، دوسری یونان کے خلاف (۱۸ر اپریل ۱۸۹۷ء سے ۵ر جون ۱۸۹۷ء تک) اس کے دورِ حکومت میں نوجوان ترکوں (Young Turks) کی تحریک زور پکڑ گئی اور سلطان کو مجبوراً اصلاحات نافذ کرنی پڑیں۔ برسرِ اقتدار آنے پر نوجوان ترکوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو برطرف کر دیا اور ۱۸ر اپریل ۱۹۰۹ء کو مجلس ملی (پارلیمانی) نے اس کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے بھائی محمد ارشاد محمد خامس کو جانشین بنایا۔ عبدالحمید ثانی یہودیوں کا سخت مخالف تھا اور اس نے یہودیوں کی بڑی بڑی پیش کش ٹھکرا دیں اور انھیں کسی قسم کی مراعات دینے سے انکار کر دیا۔ نوجوان ترکوں نے برسرِ اقتدار آنے پر نہ صرف یہودیوں کو بعض رعایات دیں بلکہ تین یہودیوں کو وزارت میں بھی شامل کیا۔ برطرفی کے بعد سلطان کو سیلونیکا Saolonica میں جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ حالت نظر بندی ہی میں ۱۹۱۸ء میں انتقال کر گیا۔

مآخذ: ۱) اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۲، ص: ۸۴۹

۲) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، ''خطوط اقبال''، ص: ۸۲

۱۰۔ ''پیسہ اخبار''، منشی محبوب عالم نے گوجرانوالہ سے ۱۸۸۷ء میں جاری کیا۔ یہ ہر ہفتے آٹھ چھوٹے صفحات پر نکلتا تھا۔ اس اخبار کی قیمت ایک پیسہ تھی اور اس کا سالانہ چندہ صرف بارہ آنے تھا، البتہ محصول ڈاک کے لیے تیرہ آنے مزید وصول کیے جاتے تھے۔ بعد ازاں یہ اخبار لاہور سے شائع ہونے لگا اور انیسویں صدی ختم ہونے سے پہلے پہلے اس نے روزنامے کی شکل اختیار کر لی۔ یہ اخبار زیادہ تر روزمرہ زندگی کے مسائل پر اداریے اور تبصرے لکھتا تھا۔ اس نے صحافت میں تجارت کے اصولوں کی بنیاد رکھی، قیمت کم تھی اور تعداد اشاعت بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ اشتہارات کے حصول پر توجہ صرف کی۔ اس نے نصف صدی سے زیادہ عمر پائی۔ ۱۹۲۴ء میں پیسہ اخبار بند ہو گیا۔

مآخذ: ۱) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، ''صحافت، پاکستان و ہند میں''، ص: ۳۱۶۔۳۲۲

۲) مسکین علی حجازی ڈاکٹر'' پنجاب میں اُردو صحافت''ص:۱۸۴۔۱۹۸

۳) ایم۔ایس۔ناز'اخبارنویسی کی مختصر ترین تاریخ''ص:۲۵۹۔۲۶۲

۱۱ زمیندار: مولوی سراج الدین احمد خاں نے ۱۹۰۳ء میں لاہور میں جاری کیا اور ہفت روزہ کے طور پر جاری ہوا۔ دیہاتی آبادی کی اصلاح وترقی اس کا سب سے بڑا مقصد تھا' اگر چہ ۱۹۰۷ء میں اس اخبار کو سیاسیات میں بھی حصہ لینا پڑا جب نہری آبادیوں میں ملکیت اراضی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ زمیندار لاہور سے جاری کیا گیا تھا۔لیکن کچھ مدت بعد مولوی سراج الدین اسے اپنے گاؤں کرم آباد لے گئے جہاں ڈاک خانہ اور پریس قائم کرلیا گیا۔ ۱۹۰۹ء میں مولانا کی رحلت کے بعد ان کے فرزندِ اکبر مولانا ظفر علی خان نے ادارت کے فرائض سنبھال لیے۔ وہ اسے کچھ مدت بعد دوبارہ لاہور لے گئے جہاں یہ ہفتے میں دوبار شائع ہونے لگا۔ پھر روزنہ ہوا۔ اور جنگِ بلقان کے زمانے میں تو دن میں دوبار نکلنے لگا۔ ہفتہ وار اخبار بھی برابر الگ چھپتا رہا۔ جدوجہد آزادی اور اتحاد بین المسلمین کی کوششوں میں ''زمیندار'' مولانا ظفر علی خان اور ان کے شرکائے کار حکومتِ انگریزی کے زیرِعتاب رہے۔ آخر ساٹھ سال کی ہنگامہ جدوجہد کے بعد اخبار بند ہو گیا۔

مآخذ: ۱) عبدالسلام خورشید' ڈاکٹر'' صحافت' پاکستان وہند میں''ص:۳۴۰'۳۴۸۔۳۶۰

۲) مسکین علی حجازی' ڈاکٹر'' پنجاب میں اردو صحافت''ص:۲۷۵۔۳۱۳۔

۳) ایم ایس ناز''اخبارنویسی کی مختصر ترین تاریخ''ص:۲۷۰۔۲۷۵

۱۲ چودھری محمد حسین (۲۸/مارچ ۱۸۹۴ء۔۱۶/جولائی ۱۹۵۰ء)، اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۱۸ء میں بی۔اے کیا۔ ۱۹۲۰ء میں اسی کالج سے عربی میں ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ پرائیویٹ طور پر منشی فاضل بھی کیا۔ اصولِ فقہ اور عربی منطق پر بھی عبور حاصل تھا۔ غزلیں اور نظمیں روزنامہ ''الاثر'' اور ''زمیندار'' میں اکثر شائع ہوتی تھیں۔ نواب ذوالفقار علی خاں کے بچوں کے اتالیق رہے۔

اقبالؔ سے گہرے مراسم تھے۔ چودھری صاحب چونکہ پریس برانچ میں ملازم تھے جہاں پنجاب بھر کے اخبارات و رسائل حکماً آتے تھے اور ان کا مطالعہ ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا لہٰذا وہ حالاتِ حاضرہ سے بخوبی آگاہ رہتے تھے۔ اقبالؔ ان کی آمد کا بطورِ خاص انتظار فرماتے تھے کیونکہ وہ تازہ ترین ملکی حالات اور سیاسی رجحانات سے انھیں باخبر رکھتے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں اقبالؔ کے اصرار پر آپ نے سول سیکرٹریٹ میں ملازمت اختیار کر لی اور ترقی کرتے ہوئے ہوم ڈیپارٹمنٹ

تک پہنچے۔ اقبال نے مدراس میں اسلام پر لیکچر دیے تو چودھری صاحب جنوبی ہند کے دورے پر ان کے ہمراہ گئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور سلطان ٹیپو کے مزارات پر حاضری بھی اقبال کی معیت میں دی تھی۔ اقبال نے اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں انھیں ''ولی'' مقرر کیا تھا۔ انھوں نے اقبال کے انتقال کے بعد بارہ سال تک، خلوص، ہمت اور کمال بے نفسی سے کلامِ اقبال کی اشاعت کے ساتھ ساتھ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے حقوق کی نگہداشت بھی کی۔ مزارِ اقبال کی تعمیر کا فریضہ انجام دیا۔ لاہور میں ۱۶ر جولائی ۱۹۵۰ء کو فالج کے حملے کے باعث انتقال ہوا۔

مآخذ: ۱) ثاقف نفیس (مقالہ نگار) ''چودھری محمد حسین اور علاّمہ اقبال''، (مقالہ: ایم۔اے) ۱۹۸۴ء

۲) جاوید اقبال، ڈاکٹر مئے لالہ فام''ص: ۳۱۱۔۳۲۵

۳) ثاقب نفیس: مکتوباتِ اقبال (بنام چودھری محمد حسین)''، ص: ۹۔۱۲

۱۳؎ ذوالفقار علی خان (۱۸۷۳ء۔۲۶ر مئی ۱۹۳۳ء) مالیر کوٹلہ کے خوانین میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم چیفس کالج سے حاصل کی۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۸۹۷ء میں انگلستان گئے اور کیمبرج یونی ورسٹی سے تعلیم حاصل کر کے ۱۹۰۰ء میں وطن واپس آئے۔ ۱۹۰۹ء میں امپریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں ریاست پٹیالہ کے وزیرِ اعظم مقرر ہوئے۔ انجمن حمایت اسلام کے کاموں میں نمایاں حصہ لیتے رہے۔ مرکزی اسمبلی کے رکن بھی تھے۔ ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن کے سنٹرل کمیٹی میں شامل کیے گئے۔

نواب صاحب، اقبال کے مخلص دوست تھے۔ ان کی کوٹھی ''زرفشاں''، علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہی۔ نواب صاحب نے اقبال پر ایک کتاب: A Voice from the East لکھ کر اقبال کو ایک شاعر اور مفکر کی حیثیت سے انگریزی خوانوں میں پیش کیا اور ان کے ذہنی اور دماغی جوہر آشکار کیے۔ نواب صاحب کی موٹر پر اقبال کی ایک نظم ''بانگ درا'' (کلیات اقبال اردو ص: ۲۰۶) میں موجود ہے۔ آخری عمر میں نواب صاحب اور علاّمہ اقبال میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، جسے دور کرنے کی کوشش ہو رہی تھی کہ نواب صاحب ۲۶ر مئی ۱۹۳۳ء کو انتقال کر گئے۔

مآخذ: ۱) عبداللہ قریشی''معاصرین اقبال کی نظر میں''، ۲۵۵

۲) محمد عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر، ''روایاتِ اقبالؒ ص: ۱۵۷

۳) عبداللہ قریشی (مرتب)، ''اقبال بنام شادؔ''، ص: ۸۴۔۱۰۱

۱۴؎ پنجاب میں مسلمانوں کا کوئی انگریزی اخبار نہیں تھا۔ تحریکِ خلافت کے زمانے میں یہ کمی

بہت بری طرح محسوس کی گئی۔ چند مسلم نوجوانوں نے لاہور سے ''مسلم آوٹ لک'' جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اقبالؔ نے اس پر چند اشعار کہے جو''باقیاتِ اقبالؔ'' (ص:۴۶۰۔۴۶۱) میں شامل ہیں۔

ہند کی کیا پوچھتے ہوائے حسینانِ فرنگ — دل گراں، ہمت سبک، ووٹر فزوں روزی تنگ
لُک وِد ان کا حکم تھا اس بندۂ اللہ کو — اب یہ سنتے ہیں نکلنے کو ہے مسلم آوٹ لُک

مآخذ: صابر کلوروی (مرتب)، ''اقبال کے ہم نشین''، ص:۳۹، ۴۰

(۴۱)

ڈیر فوقؔ۔ السلام علیکم

مخدومی جناب مولوی صاحب[۱] نے جو نام لکھے ہیں ان میں سے میں کسی کو نہیں جانتا سوائے عشق پیچہ[۲] شاعر کے جو کوئی شاعر نہ تھا ہاں تُک بند ضرور تھا۔

سیالکوٹ کے قدیم مشہور شعرا میں سے شیخ محمد علی[۳] رائج تھے۔ ان کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم، میں نے خود دیکھا ہے۔ غالباً شاہ جہاں[۴] یا عالمگیر کے عہد میں تھے۔ ٹیک چند[۶] نے ''بہارِ عجم' میں جا بجا ان کے اشعار کو محاورات فارسی کی سند میں لکھا ہے۔ ایک شعر ان کا مجھے بھی یاد ہے۔

از جوانے سروقد دیگر بہ بند افتادہ اَم
دوستاں، رحمے کہ از بام بلند افتادہ اَم[۷]

غالباً کسی نہ کسی تذکرے میں ان کا ذکر آپ کو ضرور مل جائے گا۔
مولوی صاحب قبلہ میر حسن صاحب کے متعلق جہاں تک مجھے یاد ہے میری کوئی نظم نہیں۔ شاید کوئی شعر اشارتاً کسی نظم میں ہو۔ والسلام

محمد اقبالؔ لاہور

۴/ مارچ ۲۳ء

تحقیق متن:

خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔'انوار' کا متن عکس کے مطابق ہے۔

حواشی وتعلیقات:

ا۔ مولوی صاحب سے مراد شمس العلما مولانا سید میر حسن ہیں۔''بانگِ درا'' کے ایک شعر میں اقبالؔ نے اپنے استاد کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

؎ وہ شمعِ بارگہ خاندانِ مرتضوی رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو

(کلیات' اُردو' ص:۹۷)

مولوی سیّد میر حسن کے والد کا نام سید محمد شاہ اور دادا کا نام سید ظہور اللہ ہے۔ ۱۸/اپریل ۱۸۴۴ء کو فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر ہی میں قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ضلع سکول سیالکوٹ سے ۱۸۶۱ء میں ورنیکلر کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ حصولِ تعلیم کے بعد دو برس تک ضلع سکول کی ملازمت کی۔ ۱۸۶۳ء میں سکاچ مشن کے تعلیمی شعبے میں ملازم ہو گئے اور پہلی تقرری سکاچ مشن سکول وزیرآباد میں ہوئی۔ ۱۸۶۹ء میں آپ سیالکوٹ کے مشن سکول میں تبدیل ہو کر آ گئے۔ سکول میں عربی اور فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ حصہ مڈل' ہائی اور کالج میں اقبالؔ کو ان سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔ ۲۵/ستمبر ۱۹۲۹ء کو وفات پائی۔

اقبالؔ کو اپنے استاد سید میر حسن سے بڑی عقیدت تھی اور ان کے تبحرِ علمی کے بڑے مداح تھے۔ غالباً ۱۹۲۳ء میں گورنمنٹ نے سیّد میر حسن کو شمس العلما کا خطاب دیا۔ خطاب کی شانِ نزول بھی عجیب ہے۔ سر ایڈورڈ میکلیگن سابق گورنر پنجاب نے ایک دفعہ اقبال کو ملاقات کے لیے یاد فرمایا۔ باتوں میں دریافت کیا کہ امسال حکومت کا ارادہ کسی مولوی صاحب کو شمس العلما کا خطاب دینے کا ہے اور آپ کی رائے میں کس کو دیا جائے۔ اقبالؔ نے اپنے استاد کا نام پیش کیا۔ سر ایڈورڈ' مولوی صاحب کو نہیں جانتے تھے۔ پوچھا مولوی صاحب کی کوئی تصنیف۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا' ہاں! ان کی تصنیف ہے۔ گورنر نے نام پوچھا۔ اقبالؔ نے اپنی طرف اشارہ کر کے جواب دیا: ''اقبالؔ''

مآخذ: ۱) فیوض الرحمٰن' ڈاکٹر' ''معاصرینِ اقبال'' ص:۱۱۰۴

۲) محمد حمزہ فاروقی (مرتّب)' ''حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے'' ص:۲۳۹۔۲۴۰

۳) سلطان محمود حسین ڈاکٹر'' اقبال کی ابتدائی زندگی''، ص:۲۳۹، ۲۴۰

۴) افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، ''عروجِ اقبالؒ، ص:۱۹۔۳۱

۵) سلطان محمود حسین، ڈاکٹر: ''شمس العلماء مولوی سیّد میر حسن (حیات وافکار)''، طبع اول ۱۹۸۱ء

۲ اصل نام گلاب اور تخلص عشق پیچہ تھا۔ کشمیری بٹ گھرانے سے تعلق تھا۔ اُردو اور فارسی میں شعر خوب کہتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جوان تھے۔ ہم محلّہ ہونے کی وجہ سے میر حسن نے ان کو عہدِ شباب میں دیکھا تھا۔ عشق پیچہ اس وقت کے مشاعروں کی جان تھے۔ ان کی زیرِ صدارت شعر و شاعری کی محفلیں جمتی تھیں۔ عشق پیچہ نے طویل عمر پا کر ۲۴؍ مئی ۱۸۹۵ء کو سیالکوٹ میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) نقوش، مکاتیب نمبر (جلد دوم)، ص:۸۰۵

۲) سلطان محمود حسین ڈاکٹر، ''اقبال کی ابتدائی زندگی''، ص:۲۶۰

۳) خورشید احمد خان یوسفی: پنجاب کے قدیم اُردو شعراء، ص:۲۶۷۔۲۷۲

۳ میر محمد علی رائج سیالکوٹ کے باشندے تھے۔ وہ آزاد مشرب اور خوش خلق تھے اور قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ شعر و شاعری ان کا خاص مشغلہ تھا۔ انھوں نے لمبی عمر پائی۔ تذکرہ عبدالغنی (ص:۵۶) میں وفات کا حسبِ ذیل مصرع درج ہے:

Å رفت رائج بعالم باقی ۱۱۵۰ھ

(رائج عالمِ باقی کو سدھارا)

مآخذ: مظفر حسین برنی (مرتب) ''کلیاتِ مکاتیب، دوم''، ص:۸۷۸

۴ شہاب الدین محمد بن نور الدین جہانگیر نے میواڑ اور دکن میں کارنامے انجام دے کر شاہ جہاں لقب پایا۔ ۱۱؍ فروری ۱۶۲۸ء کو تخت نشین ہوا۔ شاہ جہاں نے بندھیلوں اور خاں جہاں لودھی کی بغاوتیں فرو کیں۔ بلخ و بدخشاں کی تسخیر کے لیے مہمات بھیجیں۔ قندھار پر ایرانی صوبہ دار علی مردان خاں کے ساتھ جوڑ توڑ کے ذریعے سے قبضہ کیا۔ دکن میں نئے علاقوں کی تسخیر کے بعد وہاں سلطنتِ مغلیہ کے چار صوبے قائم ہوگئے۔ شاہ جہاں نے تعمیرات میں لازوال شہرت حاصل کی۔ آگرے میں ''تاج محل''، اور ''موتی مسجد''، دہلی میں ''لال قلعہ'' اور جامع مسجد'' (جسے ''جہاں نما'' کہتے تھے) لاہور کا ''شالامار باغ'' اور ٹھٹھہ کی ''شاہجہانی مسجد'' دنیا کی بے مثال عمارتیں مانی جاتی ہیں۔ ''تختِ طاؤس'' جیسا تخت بھی کسی دوسرے بادشاہ کو نصیب نہ ہوا۔

مآخذ: سیتارام کوہلی، پروفیسر'' تاریخ ہند (حصہ اول)''، ص:۳۰۳۔۳۱۴

۵۔ نام محی الدین اورنگ زیب، کنیت ابوالمظفر اور لقب عالمگیر تھا۔ شاہ جہاں کا تیسرا لڑکا تھا۔ صحیح تاریخ پیدائش ۱۶۱۸ء ہے۔ عالمگیر ۱۶۵۷ء میں تخت نشین ہوا۔ عالمگیر تفسیر، حدیث اور فقہ کا جید عالم تھا۔ حافظ قرآن بھی تھا اور کامیاب انشاء پرداز بھی۔ ترکی اور ہندی میں مہارت رکھتا تھا۔ اعلیٰ درجے کا خطاط تھا۔ عالمگیر کے عہد میں شریعت کے مطابق جو اصلاحات عمل میں آئیں، ان میں سے چند یہ ہیں: رقص وسرود کا انسداد، محتسب کا تقرر، نشہ آور اشیا کا استعمال موقوف، شرعی وکیل کا ممالکِ محروسہ کی عدالتوں میں تقرر اور سلام مسنون کا جاری ہونا۔ اورنگزیب نے علمائے اسلام کو جمع کر کے فقہ اسلامی پر مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری اپنی نگرانی میں مرتب کرائی تھی۔ اپنی روزی قرآن مجید کی کتابت اور ٹوپیاں سینے سے حاصل کرتا۔ علاّمہ اقبالؔ نے ''رموزِ بیخودی'' میں ''حکایت شیر وشہنشاہ عالمگیرؒ'' کے عنوان سے خراج تحسین پیش کیا ہے:

شاہِ عالمگیر گردوں آستاں اعتبارِ دودمانِ گورگاں

(کلیات، فارسی، ص:۱۱۰)

عالمگیر نے جب وفات پائی تو سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ کابل سے راس کماری تک مغل بادشاہوں کے جھنڈے گڑتے تھے لیکن اس کے جانشین اس وسیع سلطنت کا انتظام نہ کر سکے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا انتشار بڑی تیزی سے شروع ہو گیا۔

مآخذ: ۱) ہاشمی فرید آبادی، سید'' محمد بن قاسم سے اونگ زیب عالمگیر تک (حصہ اول)'' ص:۵۴۶۔۵۷۹

۲) عابد علی عابد، سیّد، تلمیحاتِ اقبالؔ، ص:۴۰۴۔۴۰۵۔

۳) افتخار احمد صدیقی (مترجم)'' شذراتِ فکرِ اقبالؔ''، ص:۹۷۔۱۰۰

۶۔ نام ٹیک چند، بہارؔ تخلص۔ ذات کے کھتری۔ ۱۶۸۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ سراج الدین علی خاں آرزوؔ اور شیخ ابوالخیر خیر اللہ رفاہی کے شاگرد تھے۔ میر تقی میر کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات تھے۔ میرؔ کے تذکرہ'' نکات الشعرا'' میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ میر حسن نے بھی اپنے تذکرہ میں ان کی اصطلاحاتِ فارسی میں معلومات کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ دہلی دربار سے ''راجا'' یا ''رائے'' کا خط پایا۔ ۱۷۶۹ء میں انتقال کیا۔ ''بہارِ عجم'' کے مؤلف ہیں جو فارسی کی ضخیم اور مستند لُغت ہے۔ ان کی دوسری اہم تصانیف: ''نوادر المصادر'' (۱۷۳۹ء) اور

ابطالِ ضرورت''، ''جواہرالحروف''، ''شرح نصاب''، ''بدیع'' اور ''جواہر الترکیب'' ہیں۔ علاّمہ اقبالؔ اشعار کے لیے ٹیک چند بہار کی ''بہارِ عجم'' استعمال کرتے تھے۔ مآخذ: عبداللہ' سید' ڈاکٹر' ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' ص:۱۶۲۔۱۶۹

۷ ترجمہ ایک سرو قد جوان کے ہاتھوں پھر بند میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ دوستو! مجھ پر رحم کرو کہ بامِ بلند سے گرا ہوں۔

(۴۲)

ڈیئر فوق صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ[i] کہ تا حال ہر طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اگر آپ نے خواب میں مجھے دوزخ میں دیکھا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ لاہور[ii] آج کل دوزخ سے کم نہیں۔

باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال لاہور ۳۰؍جون ۲۴ء[iii]

تحقیق متن:

i انوار= الحمدللہ ii انوار= آج کل لاہور iii انوار= ۱۹۲۴ء

(۴۳)

ڈیر فوقؔ

اودھ پنچ کا مضمون ''بیمارانِ لکھنؤ'' کے جواب میں ہے۔ مجھے پہلے سے خیال تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے گا۔ بہرحال موجودہ لٹریری مذاق کی حالت قابلِ ماتم ہے۔

ذخیرۃ الملوک[۲] کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اُردو زبان میں کر رہا ہے۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ

۵؍مئی ۲۶ء[i]

تحقیقِ متن: دیکھیے عکس

i انوار=۱۹۲۶ء

حواشی وتعلیقات

ا دیکھیے خط نمبر۳۰، تعلیقہ نمبر۵

۲ ''ذخیرۃُ الملوک''، امیر کبیر سید علی ہمدانی کی مشہور تصنیف ہے۔ یہ کتاب سید صاحب نے غالباً کشمیر کے سلاطین کی ہدایت کے لیے لکھی تھی۔ اس کا ایک عمدہ خطی نسخہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے جس کے ۲۵۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے پر پندرہ سطریں۔ ۱۳۲۱ھ میں یہ کتاب مطبع افغانی امرتسر نے شائع کی تھی۔ اس میں معرفتِ الٰہی، دینِ حقانی، معرفت بشری، فرائض انسانی، مکارمِ اخلاق، حسنِ معاشرت، لوازمِ حکومت اور جملہ امورِ ضروری پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ بھی ''منہاج السلوک'' کے نام سے ۱۳۳۴ھ میں لاہور سے شائع ہوا تھا۔

سیّد صاحب کے کمالات کا اعتراف اقبالؔ نے ''جاوید نامہ'' میں بھی کیا ہے۔ ''جاوید نامہ'' میں اقبالؔ نے انھیں شاہِ ہمدان کے نام سے پکارا ہے۔ سیّد علی ہمدانی کا تعارف اقبالؔ ان الفاظ میں کراتے ہیں:

سید السادات، سالارِ عجم — دستِ اومعمارِ تقدیرِ امم!
تا غزالی درسِ اللہ ہو گرفت — ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت
مرشدِ آں کشور مینو نظیر — میرودرویش و سلاطین را مشیر!
خطہ را آں شاہِ دریا آستین — داد علم وصنعت وتہذیب و دیں

(کلیات، فارسی ص:۶۳۱)

فوقؔ کے کاغذات میں ایک اشتہار کے حوالے سے ثابت ہوتا ہے کہ فوقؔ اس قلمی نسخہ کو شائع کرنا چاہتے تھے۔ اقبالؔ نے ہی اشتہار دیکھ کر کتاب دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔

مآخذ:

۱) اشرف بخاری، سیدہ: سید علی ہمدانیؒ (مضمون)، مشمولہ: ادبی دنیا (کشمیر نمبر) مارچ واپریل ۱۹۶۶ء ص:۳۰۵۔۳۱۳

۲) محمد ریاض، ڈاکٹر ''حضرت میر سید علی ہمدانیؒ۔ شاہ ہمدان''، ص:۵۳۔۷۲

(۴۴)

لاہور[i] ۳۰/اپریل ۲۹ء

ڈیرفوقؔ صاحب! السلام علیکم

اخبار انقلاب[۱] میں آپ کی اہلیہ[۲] کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خُدا تعالیٰ مرحومہ کو جنت عطا فرمائے اور آپ کو صبرِ جمیل۔ تقدیر الٰہی سے کوئی چارہ نہیں۔ مسلمانوں کے لیے تسلیم کے سوا[ii] اور کوئی راہ نہیں اور یہی راہ انسب واولیٰ ہے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

تحقیق متن:

۱۔ روزنامہ ''انقلاب'' ۴/اپریل ۱۹۲۷ء کو منصۂ شہود پر آیا اور اس کی پیشانی پر یہ شعر رقم تھا:

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا　　آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

اس اخبار کی ضخامت بارہ صفحات تھی، اور یہ دس ہزار کی تعداد میں چھپا۔ اخبار کا نام علاّمہ اقبالؔ کا تجویز کردہ ہے۔ انقلاب، تقسیمِ ہند سے قبل دو قومی نظریۓ، مسلم لیگ کے موقف کا ترجمان اور مسلمانوں کا مشہور اخبار تھا۔

مآخذ: ۱) امداد صابری، ''تاریخ صحافت اُردو، جلد چہارم''، ص: ۴۲۷

۲: ایم ایس ناز: ''اخبار نویسی کی مختصر ترین تاریخ''، ص: ۲۹۵۔۲۹۹

۲۔ فوقؔ نے تین شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد چچازاد عزیزہ بی بی، دختر بڈّا خان مشتاق سے شادی کی۔ اس سے ظفر الحسن پیدا ہوئے جو بارہ سال کی عمر میں تپ محرقہ سے فوت ہو گئے۔ عزیز بی بی اسی بچے کے رنج وغم میں تپ دق کا شکار ہوئی اور ۲۸/اپریل ۱۹۲۹ء کو فوت ہوگئی۔ علاّمہ نے خط میں اسی کا ذکر کیا ہے۔ فوقؔ کی غزل کے مقطع میں بھی اسی بیوی کی طرف اشارہ ہے:

اے فوقؔ میں ہوں اس لیے محتاجِ رفاقت
تنہا رہِ منزل میں کوئی چھوڑ گیا ہے

مآخذ: عبداللہ قریشی: ''شاعر کشمیر''، ص: ۲۳، ۲۴

(۴۵)

ڈیرفوق صاحب!

مجھے معلوم نہیں لفظ سپرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی وہی ہوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں یعنی وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے۔ البتہ کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق میں نے[i] جو کچھ اپنے والد مرحوم سے سنا تھا وہ عرض کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو براہمۂ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے۔ اس قوم میں سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومتِ اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے۔ س تقدم کے لیے کئی زبانوں میں آتا ہے اور پرو کا روٹ وہی ہے جو ہمارے مصدر پڑھنا کا ہے۔ والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو زراہِ عریض و تحقیر دیا تھا جنھوں نے قدیم رسوم و تعصّباتِ[ii] قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ[iii] ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہوا[iv]۔ ٹیک چند[v] جو پنجاب میں کمشنر تھے، ان کو تحقیق لسان کا[vi] شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالے[vii] میں انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاپور[viii][۱] سے ہے اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہوئے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی گھر مسلمان سپرو خاندان کا نہیں ہے۔ اعجاز[۲] کی شادی کے وقت جستجو[ix] کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

محمد اقبال

۱۶؍جنوری ۳۴ء[x]

تحقیق متن:

i انوار: جو کچھ میں نے۔ ii انوار= تعلقات iii انوار= رفتہ رفتہ یہ نام ایک iv انوار: ہو گیا ہے v انوار: دیوان ٹیک چند (ایم۔اے) vi انوار: کا بڑا شوق vii انوار= انبالہ میں viii انوار= شاہ پور۔ ix انوار= وقت اس امر کی جستجو x یہ تاریخ خط کے متن میں نہیں بلکہ لفافے پر درج ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱ شاپورِ اوّل ساسانی دودمان کا مشہور بادشاہ ہے۔ اردشیر نے اپنی زندگی ہی میں اسے نظم و نسق سلطنت میں شریک کر لیا تھا۔ ۲۴۱ء میں اردشیر کی وفات کے بعد شاہ پور تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں ایرانی فوج نے بڑی شاندار فتوحات حاصل کیں بالخصوص رومیوں کے مقابلے میں شاپور ہی کے زمانے میں مانی نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ ۲۷۱ء میں انتقال ہوا۔

مآخذ: عابد علی عابد سید ''تلمیحات اقبال''، ص: ۴۷۸

۲ شیخ اعجاز احمد، اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے بڑے بیٹے تھے۔ یہ ۱۲؍ جنوری ۱۸۹۹ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اسکاچ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ سے میٹرک اور اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے پاس کیا۔ یہیں سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور وکالت شروع کر دی۔ کچھ عرصے بعد محکمہ انکم ٹیکس میں چلے گئے، پھر ان کی خدمات ہائی کورٹ کو منتقل ہو گئیں۔ موگا، حافظ آباد چونیاں اور دہلی میں بھی سب جج رہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت وہ حکومتِ ہند کے محکمہ خوراک میں تھے۔ ۱۹۴۷ء میں کراچی چلے گئے۔ جنوری ۱۹۵۴ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد چار سال تک پاکستان انڈسٹریل ڈیویلپمنٹ کارپوریشن سے وابستہ رہے، پھر ایف۔اے۔او کے نمایندے کی حیثیت سے کام کیا۔

''مظلوم اقبال'' ان کی اہم تصنیف ہے۔ اقبال ان کی تعلیم و تربیت کے بارے میں فکر مند رہتے تھے۔ اقبال نے انھیں اپنے بچوں (منیرہ اور جاوید) کا گارڈین مقرر کیا تھا، لیکن بعد ازاں ان کے قادیانی مسلک کے باعث اپنی وصیت پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کا نام خارج کر دیا۔ ۱۹۹۵ء میں کراچی میں فوت ہوئے۔

مآخذ: ۱) وحید الدین فقیر سید: ''روزگارِ فقیر''، ص: ۲۰۰۔۲۰۲

۲) جاوید اقبال، ڈاکٹر: ''زندہ رُود۔ سوم''، ۲۸۷۔۲۸۸

بنام غلام رسول مہرؔ

تعارف:

غلام رسول مہرؔ ۱۸۹۵ء میں جالندھر کے ایک قصبہ پھول پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دیہاتی اسکول میں پائی۔ مشن اسکول جالندھر سے میٹرک کیا۔ ۱۹۱۰ء میں حصولِ تعلیم کے لیے لاہور آ کر اسلامیہ کالج میں داخل ہوئے۔ مہرؔ ۱۹۰۷ء میں اقبال کے اسم گرامی سے واقف ہوئے۔ مہرؔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک ''زمیندار'' سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد انھوں نے اور عبدالمجید سالکؔ نے بعض اختلافات کی بنا پر ''زمیندار'' کی ملازمت چھوڑ دی۔ بعدازاں ''انقلاب'' اخبار جاری کیا' اخبار کا نام اقبالؔ کی رائے سے طے پایا۔

اقبالؔ' مہرؔ کی سیاسی سوجھ بوجھ کے بہت قائل تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مہرؔ کی موجودگی سے ان کو اپنے سیاسی موقف کے درست ہونے کے سلسلے میں بڑی طمانیت اور تقویت رہتی ہے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس میں مہرؔ' اقبالؔ کے ہمراہ تھے۔ اس کانفرنس میں مہرؔ نے بحیثیت صحافی شرکت کی۔ وہ اس بحری سفر اور کانفرنس کی مکمل روئیداد مولانا عبدالمجید سالکؔ کو ارسال کرتے رہے' جو روزنامہ ''انقلاب'' میں چھپتی رہی۔ اس روداد میں انھوں نے اقبالؔ کی مصروفیات کا ذکر بھی کیا ہے۔ اقبالؔ کے انتقال کے بعد مہر نے نہایت دردمندی اور عقیدت سے بھرپور مضامین تحریر کیے۔ مہرؔ نے اپنی پوری زندگی علم وادب کے خدمت میں گزاری۔ انھوں نے ۱۴ نومبر ۱۹۷۱ء کو انتقال کیا۔

مآخذ:

۱) شفیق احمد' ڈاکٹر: ''مولانا غلام رسول مہرؔ...... حیات اور کارنامے''، مجلس ترقی ادب لاہور' ص: ۱۳' ۸۴۔

۲) غلام رسول مہرؔ (مصنف)' امجد سلیم علوی' (مرتّب): ''اقبالیات''، ۱۹۸۸ء

۳) محمد صدیق: ''علاّمہ اقبال اور ان کے بعض احباب''، ص: ۱۱۸

۴) حق نواز (مرتب): سفرنامۂ اقبال''، ص: ۱۰۸۔ ۱۳۷

(۴۶)

لاہور ۷ ستمبر ۲۴ء

ڈیر چودھری غلام رسول! السلام علیکم

میں نے پرسوں ایک خط ''زمیندار''[۱] میں اشاعت کی غرض سے لکھا تھا۔ اس میں سکرٹری انجمن حمایتِ اسلام لاہور[۲] کا نام لکھنا بھول گیا۔ مہربانی کر کے لفظ سکرٹری انجمن کے آگے ''شیخ عبدالعزیز صاحب''[۳] کے الفاظ بڑھا دیجیے اور خط کے آخر میں یہ فقرہ بھی لکھ دیجیے کہ ''مجھے معلوم نہیں اخباروں میں جو خبر اس وفد کے متعلق شائع ہوئی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے'

مخلص محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ دیکھیے خط نمبر ۴۰ تعلیقہ نمبر ۱۱

۲۔ انجمن حمایتِ اسلام، مارچ ۱۸۸۴ء میں لاہور کے چند دردمند مسلمانوں نے سر سید احمد خان کی تعلیمات کے زیر اثر اس ادارے کی بنیاد رکھی۔ اس کے ابتدائی مقاصد یہ تھے۔

(۱) غیر مسلم تبلیغی اداروں کے شر سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے تحریری وتقریری مہم کا انتظام۔

(۲) مسائلِ اسلامی کی تبلیغ واشاعت (۳) مسلمان بچوں اور بچیوں کو مذہبی تعلیم کے علاوہ جدید دنیوی تعلیم سے بہرہ ور کر کے قوم کو ترقی کی راہ پر لگانا۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء کو انجمن کا پہلا جلسۂ عام منعقد ہوا۔ انجمن کے جلسوں میں اکابرِ قوم ہر سال مسلمانوں کو درسِ بیداری دیتے رہے۔

علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظمیں نالۂ یتیم، اسرارِ خودی، طلوعِ اسلام، شمع وشاعر، خضرِ راہ وغیرہ انجمن ہی کے سالانہ جلسوں میں پڑھیں۔ اس کے علاوہ اقبالؔ ۱۹۲۰ء سے ستمبر ۱۹۲۴ء تک انجمن کے معتمد عمومی اور ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۷ء تک صدر بھی رہے۔ علاّمہ اقبال کی وصیت کے مطابق ان کی نادر کتب کا ایک گراں بہا مجموعہ اسلامیہ کالج کے کتب خانے کو ملا۔ انجمن نے اپنے تعلیمی مقاصد

کے پیشِ نظر بہت سے تعلیمی ادارے قائم کے۔ یتیم بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک الگ دارالشفقت — لڑکوں کے ''دارالشفقت'' کے ساتھ پیشہ ورانہ تربیت کا ایک مرکز۔ معاشرتی خدمات کے باب میں ''درالامان'' کا قیام بھی انجمن کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی ترویج کے لیے انجمن کے پریس نے تاریخ، تفسیر، قرآنِ مجید اور اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق نصابی کتب اُردو میں شائع کی ہیں۔ قرآنِ پاک کا ایک نسخہ بھی شائع کیا ہے۔ قیامِ پاکستان میں انجمن کا حصہ اس لیے اہم ہے کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ نے اس تحریک میں پُر جوش حصہ لیا۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں، اور اس سے پہلے متعدد موقعوں پر قائداعظمؒ بہ نفسِ نفیس طلبہ سے خطاب کرنے کے لیے اس کالج میں تشریف لائے۔ مآخذ: محمد حنیف شاہد: ''اقبال اور انجمنِ حمایت اسلام''، ص: ۲۱۔۴۵

۳۔ شیخ عبدالعزیز (جنوری ۱۸۷۵ء.....ستمبر ۱۹۴۱ء): فارغ التحصیل ہونے کے بعد لاہور کے انگریزی اسلامی اخبار ''آبزرور'' کے نائب مدیر مقرر ہوئے۔ بعد میں مدیر بھی رہے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں معلم بھی مقرر رہے۔ ۱۹۱۴ء میں سرکاری پراپیگنڈے کے لیے اسسٹنٹ سیکرٹری اور اخبار ''حق'' کے ذریعے سے جنگی خبروں کی نشر و اشاعت میں مشغول رہے۔ اسی زمانے میں ''انجمن حمایتِ اسلام'' لاہور کے سکرٹری بنائے گئے۔ انگریزی سرکار نے انھیں ''خان صاحب'' کا خطاب عطا کیا۔ مآخذ: منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر: اقبال اور گجرات، ص: ۲۵۲۔۲۵۳

(۴۷)

۳۰/اپریل ۲۷ء[1]

ڈیر چودھری صاحب! السلام علیکم

''الطرق الحکمیہ فی سیاستہ الشرعیہ[1]، (حافظ ابنِ قیّم) اور 'اعلام الموقعین[2]' مرحمت فرمائیے۔

یہ بھی فرمائیے کہ مولوی عبدالقادر صاحب[3] قصور سے تشریف لائے یا نہیں۔ آج شام آیئے بھی۔ والسلام

محمد اقبالؒ

تحقیق متن:

۱ؔ خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ اقبالؔ نے تاریخِ تحریر درج نہیں کیا۔ تاہم قیاس ہے کہ ۳۰/اپریل ۲۷ء کو یہ خط لکھا گیا کیونکہ اقبالؔ اکادمی لاہور کی خطوط کی فائل میں یہی تاریخِ تحریر درج ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱ؔ ۲ؔ الطریق الحکمہ فی سیاستہ الشرعیہ' اور اعلام الموقعین من رب العالمین' حافظ ابنِ قیّم کی تصانیف ہیں۔ اعلام الموقعین کا اردو ترجمہ ''دینِ محمدی'' کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کا موضوع فقہی مسائل ہیں۔ اقبالؔ نے مدراس میں جو لیکچر دیے ان کی تیاری کے سلسلے میں ان کتب سے استفادہ کیا۔

حافظ ابنِ قیّم (۱۲۹۳ء۔۱۳۵۰ء) دمشق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابوبکر بن ایوب دمشق کے مدرسہ الجوزیہ کے قیّم (مہتمم) تھے۔ اسی بناء پر ابتدا میں انھیں ابن قیّم الجوزیہ کہا جاتا تھا' بعد میں صرف ابن قیّم کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ ابن تیمیہ کے صحیح جانشین اور ان کے علوم کے صحیح معنی میں حامل تھے۔ اپنے استاد (ابن تیمیہ) کی طرح وہ فلسفیوں' معتزلیوں' حشویوں اور وحدت الوجودیوں کے سخت مخالف تھے اور کلام' عقائد اور تصوف کے مسائل میں سلف صالحین کے نقطۂ نظر کے حامی تھے۔ ابنِ قیّم نے ۶۰ برس کی عمر میں دمشق میں وفات پائی۔

مآخذ: ۱) عبدالعظیم' غلام احمد حریری (مترجم) ''حیاتِ حافظ ابنِ قیّمؒ'' ص: ۱۰۰۔۱۰۳

۲) اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ' جلد اول' ص: ۶۵۱' ۲۵۳

۳ؔ مولانا عبدالقادر قصوری ۱۸۶۳ء میں دلاور چیمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ بعد ازاں اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا اور امتحانات سے فارغ ہو کر لا کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ وکالت کے امتحان کے بعد وہ سوچ ہی رہے تھے کہ کہاں کام شروع کیا جائے' اس اثنا میں ایک شخص قصور کا مقدمہ لے کر ان کے پاس آیا۔ قصور کے تحصیل دار کی عدالت میں اپنے مؤکل کے حق میں مؤثر دلائل دیے۔ مولانا مقدمہ جیت گئے اور اس کے بعد تحصیل دار نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ قصور ہی کو اپنا وطن بنائیں۔ مولانا نے اس کی بات مان لی اور یوں قصوری ہو گئے۔

مولانا قصوری کو وکالت کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔تحریک خلافت (۱۹۲۰ء) میں بھر پور حصہ لیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ایما پر آل انڈیا کانگریس کی رکنیت اختیار کی اور صوبہ کانگریس کے صدر بنائے گئے۔ جب مسلم لیگ اور کانگریس میں کھلم کھلا تصادم شروع ہوا تو مولانا قصوری نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔اقبال سے ان کے اچھے مراسم تھے۔اقبال اپنے دوستوں سے بھی ان کی خیریت معلوم کرتے رہتے۔مولانا قصوری نے ۱۶رنومبر۱۹۴۲ءکو انتقال کیا اور قصور میں دفن ہوئے۔

مآخذ: ۱) محمد اسحٰق بھٹی: ''قصوری خاندان''، ص:۱۹۔۴۶

۲) عبداللہ ملک: ''داستان خانوادہ میاں محمود علی قصوری''، ص:۶۲'۶۹

(۴۸)

لاہور ۸/مارچ ۲۸ء

ڈیر مہر صاحب۔السلام علیکم

۱۔[i] میں نے سنا ہے امام ابنِ تیمیہ کی کتاب التقدیر کا اُردو ترجمہ ہو کر چھپ گیا ہے۔اگر یہ کتاب مل سکے تو اس کا نسخہ بہم پہنچائیے۔

۲۔[ii] میں نے جو تقریر کونسل میں مالگزاری والے رزولیوشن پر کی تھی اس کی نقل ارسال کرتا ہوں۔افسوس کہ دفتر نے وہ مسوّدہ نہیں بھیجا جو میں نے درست کر کے ان کو دیا تھا۔بہر حال مطلب معلوم ہو جائے گا۔

اگر آپ مناسب خیال کریں تو اس کا اُردو ترجمہ چھاپ دیں۔اس کے متعلق پنجاب کے زمینداروں کے نام ایک کھلی چھٹی چھاپنے کا ارادہ ہے جس کے لیے آپ سے مشورہ کروں گا۔والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

تحقیق متن:

i, ii ''انوار'' میں نمبر درج نہیں ہیں (دیکھیے عکس)

حواشی وتعلیقات:

ا ''کتاب التقدیر'' کا صحیح نام ''شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمة والتحلیل'' ہے۔

اس کا اُردو ترجمہ کتاب ''التقدیر'' کے نام سے چھپا ہے۔ یہ حافظ ابنِ قیّم کی تصنیف ہے، ابنِ تیمیہ کی نہیں۔ اقبال اپنے لیکچروں کی تیاری کے سلسلے میں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے۔

(۴۹)

شملہ ۲۸ رجولائی ۲۹

جناب ایڈیٹر صاحب! انقلاب

السلام علیکم۔ ۲۶ جولائی کے ''انقلاب'' میں، آپ نے نواب احمد یار[1] خاں صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے۔ میں اس مکتوب کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ سطورِ ذیل اپنے اخبار کے کسی کالم میں شائع فرما کر مجھے ممنون فرمایئے۔

نواب صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مطبوعہ پمفلٹ میں وہ تمام تجاویز درج تھیں جن پر اب ''انقلاب''[2] متوجہ ہے اس واسطے نواب صاحب موصوف کے خیال میں اس مسلم کشی کے لیے صرف پنجاب سائمن کمیٹی[3] کے ممبر ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمام مسلم ارکانِ کونسل ذمہ دار ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا یہ مطبوعہ پمفلٹ وہی تحریر ہے جس پر آپ نے متعدد مضامین ''انقلاب'' میں لکھے تھے اور جس کی تجاویز کے خلاف لاہور کے تمام میونسپل وارڈوں نے ریزولیوشن پاس کیے تھے۔ یہ ریزولیوشن بھی غالباً آپ کے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔

پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ ان کی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن نواب صاحب کے خط سے، جس کا ملخص آپ نے ''انقلاب'' میں شائع کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطرہ بالکل بجا ہے اور پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات وہی ہیں جو مذکورہ بالا پمفلٹ میں درج تھیں۔ بہر حال میں نے متعدد ارکانِ کونسل سے دریافت کیا۔ وہ سب کے سب پمفلٹ مذکورہ کی تجاویز پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نواب احمد یار خاں صاحب سے بھی میں نے گفتگو کی، وہ فرماتے ہیں کہ کوئی میٹنگ کسی جگہ

ہوئی تھی جہاں مسلم ارکانِ کونسل نے ان تجاویز پر دستخط کیے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کے پاس ان حضرات کے دستخط محفوظ ہوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی پمفلٹ کی تجاویز پر میں نے دستخط کیے ہیں۔ جن ارکانِ کونسل سے میں نے دریافت کیا' ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں:

سردار حبیب اللہ' مسٹر دین محمد' سید محمد حسین شاہ' مولوی سر رحیم بخش' پیر اکبر علی' ملک محمد امین شمس آبادی' مسٹر غلام یٰسین۔ ان حضرات نے بڑے زور سے نواب احمد یار خاں صاحب کے بیان کی تردید کی۔ مسٹر دین محمد تو شاید اس مضمون کی کوئی تحریر بھی آپ کی خدمت میں اشاعت کے لیے ارسال کر چکے ہیں۔ والسلام

محمد اقبال۔ شملہ

تحقیق متن:

خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ درجِ بالا خط کا متن عکس کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ احمد یار خان دولتانہ' میاں غلام قادر خاں دولتانہ کے صاحبزادے اور میاں غلام محمد خاں دولتانہ رئیس اعظم کے پوتے تھے۔ ۱۳/اپریل ۱۸۹۶ء کو ملتان کے ایک قصبہ لڈن میں پیدا ہوئے۔ دولتانہ صاحب کو برطانیہ نوازی ورثے میں ملی تھی' اس لیے سیاست میں دلچسپی رکھنے کے باوجود وہ کسی ایسی تحریک میں حصہ لینے سے ڈرتے تھے جو انگریزوں کے خلاف چل رہی ہو۔ جب ان کو یقین ہو گیا کہ اتحاد پارٹی کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے تو انھوں نے اس میں اپنی شمولیت کا اعلان کر دیا اور اس کے جنرل سکریٹری ہو گئے۔ اسی زمانے میں ان کی ادبی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا اور وہ غزلیں اور نظمیں کہنے کے ساتھ ساتھ اپنا زیادہ وقت اقبال کی مجلسوں میں گزارنے لگے۔ سر سکندر حیات کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد پارلیمانی سکریٹری (پولیٹیکل) مقرر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء میں انتقال ہوا۔

مآخذ: ۱)   عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر ''وے صورتیں الٰہی''، ص:۳۱۔۳۳

۲)   عبدالرؤف عروج'' رجالِ اقبال''، ص۲۳۱، ۲۳۲

۳)   "Muslims in India: A Biographical Dictionary Vol: I" P:63

۲ـ   دیکھیے خط نمبر ۴۴ تعلیقہ نمبر۱

۳ـ   ہندوستان کے سیاسی مستقبل کا یک طرفہ فیصلہ کرنے کی غرض سے انگریزوں نے ۷رنومبر ۱۹۲۷ء کو ایک کمیشن قائم کیا تھا، جس میں کسی ہندوستانی کو نمایندگی کا حق نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے تمام ممبر انگریز تھے اور صدر کا نام سر جان سائمن تھا۔ ۱۹۳۰ء میں کمیشن کی رپورٹ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ کانگریس نے اس سے مقاطعہ کا فیصلہ کیا لیکن مسلمانوں کی اکثریت اس مقاطعے کے حق میں نہیں تھی۔ سائمن کمیشن کی مدد کے لیے ہر صوبے میں کمیٹیاں بنائی گئیں جو کونسل کے ممبران پر مشتمل تھیں۔ پنجاب سائمن کمیٹی نے جو سفارشات تیار کیں، وہ پنجاب کے مسلمانوں کے جائز حقوق کے مطابق نہ تھیں۔ روزنامہ'' انقلاب'' میں ان کے خلاف مقالے لکھے گئے۔ اس کمیٹی کی سفارشات شائع ہونے سے قبل ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا، جس میں ایسی باتیں درج تھیں جن سے شبہ ہوتا تھا کہ کمیٹی کی سفارشات اسی نوعیت کی ہوں گی۔ نواب احمد یار دولتانہ جو یونینسٹ پارٹی کے سکرٹری تھے، اخباروں میں ایک مکتوب چھپوایا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سفارشات کو پنجاب کونسل کے مسلم ارکان منظور کر چکے ہیں۔ اقبالؔ اس زمانے میں کونسل کے ممبر تھے۔

مآخذ: ۱)   محمد رفیق افضل: ''گفتارِ اقبالؔ''، ص: ۱۰۶۔۱۰۹

۲)   محمد احمد خاں: ''اقبال کا سیاسی کارنامہ'' ص: ۱۶۸۔۱۸۵

۳)   خدیجہ یاسمین ملک: ''اقبالؔ اور سائمن کمیشن'' (مقالہ: ایم۔فل) ۱۹۹۲ء

(۵۰)

۱۹۲۹ء[۱]

ڈیر چودھری غلام رسول

رسالہ ''معارف[۱]'' بابت ماہ اگست ۲۹ء اگر آپ کے پاس ہو تو بھجوایئے، اس میں ایک مضمون سنّت پر ہے۔ اسے دیکھنا مطلوب ہے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i ''انوار'' کا متن عکس کے مطابق ہے۔صابر کلوروی صاحب نے ۱۹۲۹ء سنہِ تحریر متعین کیا ہے (اشاریۂ مکاتیب'ص:۹۰) سنہ کا تعین خط کے داخلی شواہد سے بھی ہوتا ہے)

حواشی وتعلیقات:

۱ ''معارف'' جولائی ۱۹۱۶ء میں جاری ہوا۔ جب سیّد سلیمان ندوی نے مولانا شبلی کے مرتبہ منصوبے کے مطابق اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کی بنیاد رکھی تو اس رسالے نے بہت جلد علمی حلقے میں اپنا مستقل مقام پیدا کر لیا۔۱۹۱۶ء سے آج تک اس کے اسلوب' اندازِ تحریر' اعلیٰ علمی مقالوں کی فراہمی میں کمی نہیں آئی' اور اس رسالے نے دینی' علمی' تاریخی' سوانحی' تمدنی اور ادبی جواہر پاروں کے قیمتی ذخیرے سے اُردو کا دامن بھر دیا ہے۔

مآخذ: ۱) اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا، دوم''ص:۱۵۸۲

۲) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر،'' کاروانِ صحافت''ص:۱۴۵

(۵۱)

بخدمت مولانا غلام[۱] مرشد۔مولانا احمد علی[۲]، مولانا ظفر علی خاں[۳]، سیّد حبیب[۴]، مولوی نور الحق[۵]، سید عبدالقادر[۶]، مولانا مہر صاحبان[۷]۔

جنابِ مکرم۔السلام علیکم۔ایک نہایت ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے۔آج آٹھ بجے شام غریب خانے پر تشریف لا کر مجھے ممنون فرمایئے۔مشورہ طلب امر نہایت ضروری[۸] ہے۔امید کہ آپ تکلیف معاف فرمائیں گے۔

مخلص محمد اقبال بیرسٹر لاہور

۵/ستمبر ۲۹ء

حواشی وتعلیقات

۱؎ مولانا غلام مرشد جو کافی عرصے تک بادشاہی مسجد کے خطیب رہے۔

۲؎ مولانا احمد علی لاہوری ۱۸۸۷ء میں گوجرانوالہ کے ایک قصبہ جلالہ میں پیدا ہوئے۔انھوں نے مولانا عبیداللہ سندھی سے مذہبی اور دینی تعلیم پائی۔مولانا احمد علی نے ۱۹۲۲ء میں انجمن خدام الدین قائم کی۔اس کے دو سال بعد مدرسہ قاسم العلوم کا قیام عمل میں آیا۔علاّمہ اقبالؔ مولانا احمد علی لاہوری کی اس اصلاحِ عقائد واحوال کی تحریک سے بہت متاثر تھے جو انھوں نے انجمن خدّام الدین کی جانب سے شروع کی تھی۔جب انجمن کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۹۲۵ء میں مولانا انور شاہ خاں کشمیری لاہور آئے تو اقبالؔ نے ان کے ساتھ مولانا احمد علی لاہوری کو بھی بطورِ خاص کھانے پر مدعو کیا۔اسی طرح اقبالؔ نے ''تشکیل الٰہیاتِ اسلامیہ'' کی تیاری شروع کی تو مولانا سے بھی مشورہ کیا۔مولانا غلام رسول مہرؔ کا بیان ہے کہ اقبالؔ نے مولانا لاہوری سے بعض فقہی مسائل پر تبادلۂ خیال بھی کیا تھا۔

مولانا لاہوری نے اپنی پوری زندگی اعلائے کلمۃ الحق میں گزاری تھی۔قیامِ پاکستان کے بعد بھی ان کی حق گوئی اور بے باکی میں کوئی فرق نہیں آیا۔وہ غیر جمہوری رجحانات کے خلاف کھل کر احتجاج کرتے رہے۔۱۹۵۲ء میں ان کو تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں جیل جانا پڑا۔اس کے باوجود ان کے جوشِ خطابت میں کمی نہیں آئی۔انھوں نے نصف صدی سے زائد عرصے تک تبلیغ واشاعت اور رُشد وہدایت کا کام جاری رکھا۔۷۵ سال کی عمر میں ۱۹۶۲ء میں انتقال کیا۔مولانا کی تصانیف میں ان کے مجموعہ رسائل جن کی تعداد ۳۴ ہے، خلاصہ المشکواۃ اور حواشی ترجمۂ قرآن کریم ہیں، جو مولانا نے اس ترجمے پر لکھے تھے جو انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ انجمنِ خدام الدّین سے شائع کیا تھا۔

مآخذ: ۱) اعجاز الحق قدوسی: ''اقبال اور علمائے پاک وہند''، ص:۳۹۹

۲) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر: ''وَے صورتیں الٰہی''، ص:۱۰۹۔۱۱۰

۳) نقوش (لاہور نمبر)، ص:۹۲۶

۵؎ مولوی نورالحق: مالک روزنامہ ''مسلم آؤٹ لُک'' لاہور کے ایڈیٹر تھے۔

۶؎ پروفیسر سید عبدالقادر: ان کا وطن جالندھر تھا۔تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آگرہ کالج میں ملازمت اختیار کی۔اسلامیہ کالج لاہور میں تاریخ کے پروفیسر تھے۔اقبالؔ سے نیاز حاصل ہوا۔چونکہ ان کی دوستی گرامیؔ سے بھی تھی، اس لیے اقبالؔ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ان کا مطالعہ بیحد وسیع تھا اور انگریزی بھی بہت اچھی تھی۔انھوں نے ایک مرتبہ گرامیؔ کے ایک دوست

سیّد صفدر علی شاہ کی عرضی کا انگریزی میں مسودہ تیار کر کے اقبالؔ کو دکھایا تھا۔ اقبالؔ نے ان کو اس سلسلے میں ضروری مشورے بھی دیے۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ تدریس میں گزرا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ان کی تمام املاک تباہ ہو گئیں۔ لاہور میں حق برادرز کے نام سے کتابوں کی ایک دکان کھول لی۔ ۲۲ر جنوری ۱۹۵۶ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

مآخذ: عبدالرؤف عروج: رجالِ اقبالؔ، ص: ۳۵۵۔۳۵۶

۷ مُراد غلام رسول مہر

۸ ضروری امر جیسا کہ مہر صاحب بیان کرتے ہیں مسلمانوں کے فقہی مسائل کے متعلق مشورہ تھا۔

(۵۲)

لاہور، یکم ستمبر ۳۰ء

جناب مدیر انقلاب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے بیش قیمت کالموں کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزہ سے اظہارِ ہمدردی فرمایا[۱]۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ چونکہ فرداً فرداً خطوط اور برقی پیامات کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں۔ اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ میرا دلی شکریہ مرے احباب تک پہنچا کر مجھے ممنون فرمایئے۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

تحقیقِ متن: (دیکھیے عکس)

حواشی و تعلیقات

۱ اقبال کے والد شیخ نور محمد نے (۱۸۳۷ء) ۱۷ر اگست ۱۹۳۰ء کو سیالکوٹ میں انتقال کیا۔ قبرستان امام صاحب میں دفن ہوئے۔ اقبالؔ ان کو میاں جی کہا کرتے تھے۔ ان کی بزرگی سے بہت متاثر تھے۔ شیخ نور محمد صرف قرآنِ پاک ناظرہ پڑھے ہوئے تھے۔ اہل اللہ کی مجالس میں

بڑے ذوق وشوق سے شرکت کرتے۔
مآخذ: سلطان محمود حسین، ڈاکٹر ''اقبال کی ابتدائی زندگی''، ص:۱۸۳۔۱۸۶

(۵۳)

۲۲ رنومبر ۳۰ء[i]

لاہور ڈیر مہر و سالک

کل برکت علی محمڈن ہال میں مجوزہ کانفرنس کے متعلق جلسہ ہے[1]۔ اگر تجویز متفقہ طور پر قرار پا گئی تو استقبالیہ کمیٹی وہیں بن جائے گی۔ آپ اس جلسہ میں ضرور تشریف لائیں[ii] اور (یعنی پورے گیارہ بجے صبح) تشریف لائیں[iii]۔ خلیفہ شجاع الدین[2] صاحب کی طرف سے آپ کو اطلاع بھی پہنچے گی۔ والسلام
اوروں کو بھی ساتھ لایئے

محمدؐ اقبال

تحقیقِ متن

i ''انوار'' میں تاریخ خط کے آخر میں ہے۔ ii iii لاویں (دیکھیے عکس)

حواشی وتعلیقات:

1 ''علاّمہ اقبال کی دعوت پر ۲۳ رنومبر ۱۹۳۰ء کو لاہور کے مسلم اکابر برکت علی اسلامیہ ہال میں جمع ہوئے۔ اس اجتماع میں لاہور کے ۲۲ نہایت ممتاز حضرات نے شرکت کی، جن میں مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالمجید سالک، خاں سعادت علی خاں رئیس اعظم، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، مولانا غلام محی الدین، ملک محمد دین، سید مراتب علی شاہ گیلانی شامل تھے۔ اس اجتماع میں علاّمہ اقبال نے ایک مختصر سی تقریر کی اور اس میں اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا:

> ''حالاتِ حاضرہ کے اعتبار سے شمالی ہند کے مسلمانوں کی ایک خاص کانفرنس کا انعقاد ضروری ہے، جس میں صوبہ سرحد، بلوچستان، پنجاب وسندھ کے نمایندے شریک ہوں۔ اوران صوبوں کے مسلمانوں کے اسلامی حقوق کے حصول کے

لیے منظّم بنانے اوران میں جوشِ عمل پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں‘‘۔

اسی اجتماع میں اس کانفرنس کی ایک مجلسِ استقبالیہ ترتیب دی گئی اور مجلس استقبالیہ کے سکریٹری اور فنانسل سکرٹیری کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ اقبالؔ مجلسِ استقبالیہ کے صدر منتخب ہوئے۔

مآ خذ: ۱) محمد احمد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ‘ ص:۲۰۶۔۲۱۶

۲) محمد رفیق افضل: گفتارِ اقبالؔ‘ ص:۱۱۱۔۱۱۸

۲ خلیفہ شجاع الدین (۱۸۸۳ء) لاہور کے ان بزرگوں میں سے تھے جن کو ہر وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور تعلیمی ترقی کا خیال رہتا تھا۔ خلیفہ شجاع الدین‘ علاّمہ اقبالؔ کے خیالات سے پہلے پہل اپنے زمانۂ طالب علمی میں آ گاہ ہوئے۔ خلیفہ شجاع الدین نے پنجاب یونی ورسٹی سے ایم۔اے کیا۔ لندن سے بیرسٹری کی سند لی اور پھر لاہور آ کر وکالت کرنے لگے۔ اسلامیہ کالج لاہور کی کمیٹی کے اعزازی سکریٹری مقرر کیے گئے۔ انھوں نے عوام میں مسلم لیگ کا اثر ونفوذ بڑھانے کی کوشش کی۔ ۱۹۳۲ء میں محمد علی جناحؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک مرکزی پارلیمانی بورڈ قائم کیا تا کہ صوبوں میں مسلمانوں کے انتخابات کی نگرانی کی جائے‘ اس سلسلے میں ۱۲ مئی کو میاں عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر مسلم لیگ کا ایک جلسہ ہوا‘ جس کی صدارت اقبالؔ نے کی۔ اس جلسہ میں کئی قرار دادیں اتفاقِ رائے سے منظور ہوئیں۔ ایک قرار داد میں پنجاب مسلم لیگ کی ازسرِ نو تنظیم پر زور دیا گیا اور اس کے لیے اقبالؔ صدر اور خلیفہ شجاع الدین نائب صدر مقرر کیے گئے۔ آپ سالہا سال تک پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن رہے بعد ازاں شجاع الدین نائب صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں انتقال کیا۔

مآ خذ: ۱) عبدالسلام خورشید‘ ڈاکٹر: ’’وے صورتیں الٰہی‘‘ ص:۹۹۔۲۰۰

۲) عبدالرؤف عروج ’رجالِ اقبال‘‘ ص:۲۹۹۔۳۰۱

۳) محمد حمزہ فاروقی: ’’اقبال کا سیاسی سفر‘‘ ص:۴۸۷

(۵۴)

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ o [۱]

ڈیر مہر صاحب۔ السلام علیکم

خلیفہ صاحب (خلیفہ شجاع الدین) وہ شجرہ مانگتے ہیں۔ مہربانی کر کے واپس فرمایے۔ وہ اس کا کوئی اور انتظام کرنا چاہتے ہیں۔

محمد اقبال

تحقیقِ متن:

خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے' عکس میں تاریخِ تحریر نہیں ہے' تاہم قیاس ہے کہ یہ خط ۱۹۳۰ء میں لکھا گیا۔

حواشی وتعلیقات

۱ ترجمہ اہلِ روم مغلوب ہوگئے' نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے (سورہ الروم: آیت نمبر ۱-۳' پارہ: ۲۱)

(۵۵)

۱۰ر جولائی ۱۳ء

ڈیئر مہر صاحب

آج کے مسلم آؤٹ لُک کے صفحہ ۹ پر نارتھ انڈیا مسلم[۱] سٹیٹ پر جج پلوڈون[۲] کے خیالات ہیں جو نہایت دل چسپ ہیں۔ ان کا ترجمہ کر کے انقلاب میں شائع کیجیے۔

۱۷ر یا ۱۸ء جولائی کو بھوپال جانا ناممکن ہوگیا ہے۔ مغل پورہ[۳] کالج انکوائری ۲۰ر سے شروع ہوگی اور مجھے گواہی دینا ہے جو ۲۰ر اور ۲۴ر کے درمیان ہوگی۔ کل کمشنر لاہور کا خط اس مضمون کا آیا ہے۔ والسلام

شاید ۲۱ر کو بھوپال جا سکیں گے

محمد اقبال

حواشی وتعلیقات

۱ نارتھ انڈیا مسلم سٹیٹ سے مراد شمالی ہندوستان کے صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ ریاست کا تصور ہے' جو اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت (۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء) میں پیش کیا

تھا۔

۲۔ جج پلوڈون Plaudon پنجاب ہائی کورٹ کا جج تھا۔

۳۔ لاہور میں مغل پورہ انجینئرنگ کالج جواب انجینئرنگ یونی ورسٹی میں تبدیل ہو چکا ہے۔اس وقت اس کالج کا پرنسپل وٹیکر تھا' جس نے کالج کے ایک پروفیسر صدیقی کو برطرف کر دیا۔۱۳رمئی ۱۹۳۱ء کو کالج کے مسلمان طلبہ نے پرنسپل سے ملاقات کی۔ دورانِ ملاقات پرنسپل نے مسلمانوں کے خلاف بہت باتیں کیں چنانچہ مسلمان طلبہ نے پرنسپل کے خلاف سٹرائک کر دی جو کل صوبہ تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔حکومت نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی' جس کے سامنے دوسرے اشخاص کے علاوہ اقبالؔ نے بھی شہادت دی۔

مآخذ: محمد رفیق افضل:''گفتارِ اقبالؔ''،ص:۱۲۲۔۱۲۵

(۵۶)

۲۳رجولائی[i]

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔مجھ کو بھی شعیب صاحب[۱] کا تار آیا تھا جس کا جواب میں نے ان کو دے دیا تھا۔ان شاء اللہ ۲۷رکو یہاں کشمیر کے معاملات کے متعلق مشورت ہو گی۔لاہور سے ان شاء اللہ بھوپال چلیں گے۔والسلام

چودھری[۲] صاحب[ii] سے سلام کہیے۔نیز سالک صاحب سے

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i۔ انوار= شملہ ۲۳رجولائی ۔ii۔ انوار= چودھری سے ......صابر کلوروی صاحب نے خط کا سنہ ۱۹۳۱ء متعین کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ ۱۰رجولائی ۱۹۳۱ء کا خط بھی اسی سلسلے میں ہے۔کشمیر کے متعلق مشورت بھی ۱۹۳۱ء ہی میں شملہ میں ہوئی تھی۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ محمد شعیب قریشی علی گڑھ کے رہنے والے تھے۔علی گڑھ یونی ورسٹی سے بی۔اے کیا پھر

آکسفورڈ یونی ورسٹی میں بھی تعلیم پائی اور لندن سے بارایٹ لا کیا۔ سیاسی تحریکوں میں شریک ہوئے۔۱۹۱۲ء میں سلسلہ جنگ بلقان ڈاکٹر انصاری کے طبی مشن میں شریک ہوکر ترکی گئے۔لندن میں بیرسٹری کی تعلیم کے دوران میں ''مسلم آؤٹ لک'' کی ادارت میں شریک رہے۔۱۹۱۷ء میں انگریزی ہفتہ وار ''New Era'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔احمد آباد میں گاندھی جی کی غیر موجودگی میں ان کے شہرہ آفاق ہفتہ وار ینگ انڈیا(Young India) کو بھی چلاتے رہے۔جیل بھی گئے اور مدت تک خلافت کمیٹی کے سکریٹری رہے۔۱۹۲۴ء میں جب مشہور وفدِ خلافت حجاز گیا تو اس کے بھی سکریٹری تھے اور جب دوسرا وفد مولانا ظفر علی خان کی قیادت میں گیا تو اس میں بھی شامل تھے۔کانگریس میں بھی بہت مقبول تھے اور جواہر لال نہرو کے دوستوں میں سے تھے۔جب نہرو رپورٹ شائع ہوئی تو اس سے اختلاف کی وجہ سے کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔

بعد میں نواب حمید اللہ خاں والیِ بھوپال کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔پھر ریاست بھوپال میں وزیر اور مشیر المہام روبکاری خاص کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔اقبالؔ سے بہت اچھے مراسم تھے۔اقبالؔ جب کبھی بھوپال جاتے تو استقبال اور پذیرائی میں شعیب قریشی پیش پیش رہتے۔

زندگی کا آخری حصہ گوشہ نشینی میں بسر کیا۔۲۵ر فروری ۱۹۶۲ء کو انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: ''معاصرین اقبال''، ص: ۴۲۵، ۴۲۶

۲) صہبا لکھنوی: ''اقبال اور بھوپال (طبع دوم)''، ص: ۱۹۸۲ء

۳) عبدالقوی دسنوی: ''اقبال اور دار الاقبال بھوپال''، ۱۹۸۳ء

۴) اخلاق اثر، ڈاکٹر: ''اقبال نامے''، ۱۹۸۱ء

۵) رئیس احمد جعفری: ''دید و شنید''، ص: ۱۶۳، ۱۶۴

۲ دیکھیے خط نمبر ۴۰ تعلیقہ نمبر ۱۲

(۵۷)

۱۶ر اگست ۳۱ء

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔آپ کے اخبار میں یہ شائع ہوا ہے کہ جموں کے حوادث[1] کے متعلق جو پرسوں رونما ہوئے تمام فوٹو لے لیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ سری نگر میں جو آتش بازی ہوئی اس

کے فوٹو بھی میں نے سنا ہے موجود ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے کسی دوست یا نامہ نگار کے معرفت تمام مذکورہ بالا فوٹو حاصل کر سکیں[i]۔ یہ کام بڑا ضروری اور مفید ہے۔ اس کے لیے فوراً کوشش شروع کیجئے اور مرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سب کو حاصل کر لیجئے[۲]۔

آپ کا جہاز مکتوب[۳] ہو چکا یا نہیں؟ چودھری صاحب تو رہ گئے۔

والسلام

محمدؐ اقبال

تحقیق متن:

i انوار = حاصل کریں گے۔

حواشی وتعلیقات:

[۱] کشمیر میں ۱۹۳۱ء میں کافی بے چینی پھیل گئی تھی۔ ویسے تو کشمیر میں ریاستی نظم ونسق کی خرابی اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے باعث پہلے ہی سے ہیجان موجود تھا۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا کشمیر مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا' جس میں حکومتِ کشمیر کے نظم ونسق پر شدید نکتہ چینی کی گئی تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد دو اہم واقعات پیش آئے۔ ایک واقعہ تو یہ تھا کہ مسلمان ایک جگہ نماز کے لیے جمع ہوئے تھے اور امام خطبہ پڑھنے والا تھا کہ ایک سب انسپکٹر پولیس نے' جو ہندو تھا' امام کو خطبہ پڑھنے سے روک دیا۔ اس پر مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا۔ دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ جموں سنٹرل جیل میں ایک ہندو کانسٹیبل نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی۔ اس پر ایک شخص عبدالعزیز نامی نے اشتعال انگیز تقریر کی۔ پولیس نے عبدالعزیز کو گرفتار کر لیا اور عدالت میں پیش کیا' مقدمہ کی سماعت ہوئی لیکن وہاں بھی مسلمانوں کا ایک کثیر مجمع جمع ہو گیا۔ اس ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے پولیس نے فائرنگ کی' جس میں دس اشخاص ہلاک ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۲ر جولائی ۱۹۳۱ء کو پیش آیا۔ ان کے واقعات کے بعد کشمیر کے مختلف مقامات پر مسلمانوں نے مظاہرے کرنے شروع کیے اور پولیس نے ان مظاہروں کو سختی سے دبانا چاہا ان مظاہروں نے فرقہ وارانہ فساد کی شکل اختیار کر لی۔ ستمبر ۱۹۳۱ء میں پوری وادیٔ کشمیر میں سخت فسادات ہوئے۔ نومبر میں فسادات کی یہ آگ جموں تک پہنچ گئی۔ اقبالؔ کے خط میں انھی واقعات کی تصویروں کا ذکر ہے۔

مآخذ: ۱) محمد احمد خان: ''اقبالؔ کا سیاسی کارنامہ''، ص: ۴۱۵۔۴۲۳

۲ اقبالؔ دوسری گول میز کانفرنس (دسمبر ۱۹۳۱ء) میں شرکت کے لیے لندن جا رہے تھے۔
مآخذ: ۱) محمد احمد خان: ''اقبالؔ کا سیاسی کارنامہ''، ص:۲۸۱۔۲۸۹
۲) جاوید اقبال، ڈاکٹر: ''زندہ رود۔ حیاتِ اقبال کا اختتامی دور''، ص:۱۶۶

۳ چونکہ میں (مہرؔ) لندن جا رہا تھا، اس لیے مرحوم نے استفسار فرمایا کہ جہاز میں نشست کا بندوبست کر لیا ہے یا نہیں۔
مآخذ: ''نقوش''، مکاتیب نمبر جلد اوّل، ص:۳۱۱

(۵۸)

۳۰ر جنوری ۳۲ء

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم۔ میں تو دہلی کے لیے تیار تھا اور اب علی بخش[۱] بستر وغیرہ بھی باندھ چکا تھا۔ خیال تھا کہ گوٹ[۲] کی تکلیف جو مجھے گزشتہ رات ہو گئی تھی آج شام تک رفع ہو جائے گی۔ میں نے اس کا علاج بھی کیا مگر اب گرگابی پہنی تو تکلیف بڑھ گئی۔ اس واسطے میں دہلی نہ جا سکوں گا۔ میر طرف سے ورکنگ کمیٹی[۳] کی خدمت میں اور نیز سیٹھ صاحب[۴] کی خدمت میں معذرت کر لو[i] یجیے والسلام

والسلام
محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:
i انوار = کہہ

حواشی و تعلیقات

۱ علی بخش، اقبالؔ کے پاس اس وقت ملازم ہوا جب اقبالؔ گورنمنٹ کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ علی بخش موضع اٹل گڑھ ضلع ہوشیار پور سے اپنے کسی رشتہ دار کے پاس ملازمت کی تلاش میں آیا اور چند دن بعد اسے مولوی حاکم علی کے ہاں ملازمت مل گئی۔ ابھی اس ملازمت پر اسے دو تین ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن مولوی حاکم علی نے ایک خط علی بخش کے ہاتھ اقبالؔ کو

بھیجا۔ اقبالؔ نے علی بخش کو دیکھا تو اس سے کہا کہ تم ہماری نوکری کر لو۔ علی بخش نے اقبالؔ کے اصرار پر اپنے کسی عزیز کو بلوا کر مولوی حاکم علی کے پاس رکھوا دیا اور خود اقبالؔ کے ہاں ملازم ہو گیا۔ وسط ۱۹۰۵ء میں جب اقبال انگلستان جانے لگے تو علی بخش کو اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے پاس ہنگو (کوہاٹ) بھیج دیا۔ لیکن وہاں اس کا دل نہ لگا اور وہ لاہور واپس آ گیا۔ پہلے اسلامیہ کالج اور پھر مشن کالج میں نوکر ہو گیا۔ ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے اقبالؔ کی واپسی پر علی بخش نوکری چھوڑ کر دوبارہ ان کے پاس آ گیا اور ان کے پاس آخری دم تک رہا۔ علی بخش کی وفات ۲رجنوری ۱۹۶۹ء کو فیصل آباد میں ہوئی۔

مآخذ: ۱) جاوید اقبال، ڈاکٹر ''زندہ رود (حیات اقبال کا تشکیلی دور)''، ص:۹۲

۲) محمد عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر: ''اقبال کی صحبت میں''، ص:۴۵۱۔۴۵۵

۳) صابر کلوروی: ''اقبال کے ہم نشیں''، ص:۲۷

۴) محمد صدیق: ''مولوی حاکم علی اور اقبال''، ۳۵، ۳۶، ۱۴۷

۲؎ گوٹ (Gout) نقرس: جوڑوں کا ورم، خون میں یورک ترشے کی افزائش اور جوڑوں کے اردگرد سوڈیم یوریٹ کی قلموں کے مطروحات اس مرض کی خصوصیات ہیں۔ علاّمہ اقبال کو نقرس کی شکایت کبھی کبھی ہو جاتی تھی اور جب اقبالؔ کے گلے کی بیماری کا سلسلہ (۱۰رجنوری ۱۹۳۴ء) شروع ہوا تو بعض ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ نقرس کا اثر بھی آواز پر ہو سکتا ہے۔

مآخذ: ۱) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: ملفوظاتِ اقبالؔ مع حواشی و تعلیقات''، ص:۳۰۳۔۳۰۵

۲) جاوید اقبال، ڈاکٹر: ''زندہ رود۔ حیاتِ اقبال کا اختتامی دور''، ص:۵۳۶

۳؎ اس زمانے میں آل انڈیا مسلم کانفرنس اسلامی حقوق کے متعلق ضروری تحریکات کی سب سے بڑی کفیل تھی۔ اقبالؔ پہلے اس مجلس عاملہ کے رکن تھے، پھر صدر بن گئے تھے۔ اس کے اجلاس میں شرکت کے لیے وقتاً فوقتاً دہلی جایا کرتے تھے۔ مہر صاحب بھی مجلس عامہ کے رکن اور اقبالؔ کے ہمراہ دہلی جانے والے تھے۔

مآخذ: ۱) محمد حمزہ فاروقی: ''اقبال کا سیاسی سفر''، ص:۴۱۹۔۴۳۳

۲) جاوید اقبال، ڈاکٹر: ''زندہ رود۔ حیاتِ اقبال کا اختتامی دور''، ص:۱۸۹

۴؎ سیٹھ صاحب سے مراد سیٹھ عبداللہ ہارون ہیں، جنھوں نے اقبالؔ کو اجلاس میں شریک ہونے کی تاکید کی تھی۔ سر عبداللہ ہارون ۱۸۷۲ء کے لگ بھگ کراچی میں پیدا ہوئے۔ تحریک

خلافت میں بھی بھر پور حصہ لیا۔اسی زمانے میں اقبآل سے ملاقات ہوئی اور خیالات ونظریات کی ہم آہنگی کی بنا پران سے زیادہ قریب ہو گئے ۔۳۲۔۱۹۳۱ء میں اقبآل نے پنجاب' سندھ' سرحداور بلوچستان کے مسلمانوں کے ایما پر اَپر انڈیا مسلم کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو سرعبداللہ ہارون نے اسے اپنے حلقۂ اثر میں کامیاب بنانے کی ہرممکن کوشش کی ۔ گواس کانفرنس کا انعقاد نہ ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں اقبآل گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیےلندن جارہے تھےتوانھوں نے لاہوراسٹیشن پران سے ملاقات کی ۔انھوں نے اقبآل سے کہا کہ وہ اپنے اس مؤقف پر سختی سے ڈٹے رہیں جو انھوں نے خطبۂ الہٰ آباد میں پیش کیا تھا۔ بدقسمتی سے یہ کانفرنس مسلم مندوبین کی اختلاف رائے کا شکار ہو گئی۔ سیٹھ عبداللہ مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کے بھی سرگرم رکن رہے مسلم لیگ کی مالی مدد میں ہمیشہ پیش پیش رہے ۔۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا۔

مآخذ: (۳ "Muslims in India: A Biographical Dictionary Vol: I" P:28,29

(۵۹)

ڈیر مہر صاحب!

i انوار=۲۹

حواشی وتعلیقات

ا جاوید: علاّمہ اقبآل کے صاحبزادے۔ ۵/اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ لاہور کے مختلف سکولوں میں تعلیم پائی۔۱۹۴۰ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے ۔ جہاں سے پہلے انگریزی اور پھر فلسفہ میں ایم۔اے (۱۹۴۸ء) کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ستمبر۱۹۴۹ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے' جہاں ۱۹۵۴ء میں The development of Muslim Pliticial Philosphy کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔انھوں نےلندن میں بیرسٹرایٹ لاء کی ڈگری بھی حاصل کی ۔ستمبر ۱۹۵۶ء میں پاکستان واپس آئے ۔ وکالت کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے لاکالج میں ۱۹۵۷ء سے ۱۹۷۰ءتک لیکچرر اور ریڈر رہے۔۱۹۷۰ء میں کونسل مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور قومی اسمبلی کا الیکشن بمقابلہ ذوالفقار علی بھٹولڑا مگر ناکام رہے۔ جولائی ۱۹۷۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور ۱۹۸۶ءتک اس عہدہ پر فائز رہے۔ آخری چار سال چیف جسٹس رہے۔۱۹۸۶ء سے ۱۹۸۹ءتک

سپریم کورٹ کے جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے والدِ بزرگوار کی سوانح حیات ''زندہ رود'' کے نام سے تین جلدوں میں مرتب کی ہے۔

مآخذ: ۱) تنویر ظہور (مرتب): ''یادیں''

۲) جاوید اقبال، ڈاکٹر: ''زندہ رود۔ حیاتِ اقبال کا اختتامی دور''، ص: ۱۹۱

۳) سعشہ خان: ''ڈاکٹر جسٹس (ریٹائرڈ) جاوید اقبال شخصیت اور ادبی خدمات''، ص: ۷۔۲۷

۲ ''ہز ہائی نس'' سے مراد اعلیٰ حضرت نواب حمید اللہ خان بہادر والیِ بھوپال ہیں۔ کشمیر میں مسلمانوں نے جو تحریک شروع کر رکھی تھی اس میں ایک موقع پر مہاراجا ہری سنگھ والیِ کشمیر کی خواہش کے مطابق اعلیٰ حضرت بھوپال مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہوئے تھے۔ اس ضمن میں انھوں نے اقبال کی وساطت سے گفتگو شروع کی تھی۔ چنانچہ اقبال دو مرتبہ بھوپال تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت دہلی آئے تو اقبال کو اسی گفتگو کے لیے دہلی بلایا لیکن اقبال ''جاوید'' کی علالت کے باعث نہ جا سکے۔ بعد ازاں علاج کے سلسلے میں تین مرتبہ بھوپال گئے۔

نواب بھوپال (حمید اللہ خان) ۹ر ستمبر ۱۸۹۴ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے جہاں سے ۱۹۱۱ء میں میٹرک اور ۱۹۱۵ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۵ء میں بھوپال میونسپل بورڈ کے صدر، ۱۹۱۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ٹرسٹی بھی رہے۔ ۹ر جون ۱۹۲۶ء کو ان کی والدہ حضرت علیا سلطان جہاں بیگم ان کے حق میں دستبردار ہو گئیں اور وہ سریرآرائے ریاست ہوئے۔ لندن میں منعقدہ دو گول میز کانفرنسوں (۱۹۳۱ء۔۱۹۳۲ء) کے مندوبین میں سے تھے۔ نواب صاحب نے اپنے دورِ حکمرانی میں جدید تقاضوں کے مطابق آئینی اصلاحات کیں۔ تعلیمی معاملات میں پوری دلچسپی لی۔ ۱۹۴۶ء میں بھوپال میں حمیدیہ ڈگری کالج قائم کیا۔ نواب صاحب نے ۴ر فروری ۱۹۶۰ء کو بھوپال میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) جاوید اقبال، ڈاکٹر: ''زندہ رود...... حیاتِ اقبال کا اختتامی دور''، ص: ۱۹۰۔۱۹۱

۲) صہبا لکھنوی: ''اقبال اور بھوپال''، ص: ۷۷۔۸۸

۳) افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر: ''فروغِ اقبال''، ص: ۳۷۹۔۴۰۹

(۶۰)

ڈیئر مہر صاحب

السلام علیکم۔ گزشتہ رات پنڈت موتی لال نہرو[i] کا ایک تار مرے نام آیا تھا جس کا مقصود یہ تھا کہ میں اس بیان[۲] پر دستخط کروں جو دہلی سے شائع ہوا ہے اور جو آج کے ''انقلاب'' میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے۔

Committed to joint statement already issued from Lahore. Sorry cannot now sign another statement. Another[i] uninty conference essential.

۱۷/اگست ۱۹۳۲ء Sd.Md. Iqbal[ii]

تحقیق متن: یہ خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر' جلد اوّل' ص: ۳۱۲ میں شامل ہے۔ اس کا عکس اقبال میوزیم میں ہے۔

[i] موتی لال نہروؔ پنڈت: (۱۸۶۱ء۔ ۶/فروری ۱۹۳۰ء) کانگریس کا ممتاز رہنما' اصل وطن کشمیر تھا۔ باپ دادا دہلی میں نہر کے کنارے رہتے تھے۔ اس لیے اس خاندان کا لقب نہرو پڑا۔ موتی لال نہرو نے وکالت پاس کر کے الٰہ آباد میں پریکٹس شروع کی۔ ۱۹۱۷ء میں ہوم رول لیگ کی تحریک کا ساتھ دیا' پھر ترکِ موالات کرتے ہوئے وکالت چھوڑ دی اور کھدر پہننا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۳ء میں سوراج پارٹی کی بنیاد رکھی اور مرکزی اسمبلی میں کئی سال تک پارٹی کی قیادت کی۔ ۱۹۲۸ء میں کانگریس کی مقرر کردہ کمیٹی نے نہرو رپورٹ شائع کی تو مسلمانوں نے بہ حیثیت ملت وقوم شدید اختلاف کیا۔ آخری دور میں اپنی شاندار کوٹھی (آنند بھون) قوم کے حوالے کر دی۔

مآخذ: ۱) اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا (جلد دوم) مدیر اعلیٰ مولانا حامد علی خان۔

[۲] ۱۶/اگست ۱۹۳۲ء کو حکومتِ برطانیہ نے فرقہ ورانہ فیصلے کے اعلان کیا جو ہندوؤں کے لیے ناقابل قبول تھا۔ چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوششیں پھر سے شروع ہوئیں لیکن یہ کوششیں مسلمانوں کے متحدہ محاذ کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوئیں۔

مآخذ محمد حمزہ فاروقی: ''اقبال کا سیاسی سفر'' ص: ۴۷۱

(۶۱)
بنام مختار احمد[i]

Queen Anne's Mansions
St. James Park,
London SWI[ii]

۲۹/دسمبر ۳۲ء
لندن

برخوردار مختار و جاوید کو بعد دعا کے واضح ہو کہ اس سے پہلے میں نے جو خطوط اپنے بمبئی پہنچنے کی تاریخ کے متعلق چودھری صاحب یا منشی طاہر دین[۱] یا کسی اور کو لکھے ہیں ان سب کو منسوخ تصور کیجیے۔ پہلے ارادہ یہی تھا مگر بعد میں دیکھا تو جہازوں کی روانگی کی موزوں تاریخیں نہ ملیں۔ اس واسطے اب میں ہسپانیہ، جرمنی اور آسٹریا ہوتا ہوا ۱۰/فروری ۳۳ء کو وینس سے بمبئی کے لیے جہاز لوں گا۔ اس جہاز کا نام ''کانٹے وردی'' ہے اور یہ بمبئی ۲۲/فروری کی صبح کو پہنچے گا۔ باقی خطوط کے متعلق اور علی بخش[۲] کے متعلق چودھری صاحب کے خط میں ہدایات لکھ چکا ہوں۔ علی بخش ایک آدھ روز پہلے بمبئی پہنچ جائے اور میرا بستر ہمراہ لائے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ جاوید اور منیرہ[۳] کو دعا۔
سب کو سلام

والسلام
محمد اقبال

اس خط کے مضمون سے چودھری صاحب اور منشی طاہر دین کو مطلع کر دینا[۴]۔

تحقیق متن:

i. صابر کلوروی صاحب کے مطابق زیرِ نظر خط غلام رسول مہر کے نام نہیں بلکہ اقبال کے برادر زادے مختار احمد کے نام ہے۔ (''اشاریہ مکاتیب''، ص: ۱۴۰)

ii. ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مطابق اصل خط اقبال میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس کی پیشانی پر

لندن کی رہائش گاہ کا پتا بھی درج ہے۔(''تصانیفِ اقبال''، ص:۲۴۳)

حواشی وتعلیقات

[۱] منشی طاہر دین، علاّمہ اقبالؔ کے منشی تھے۔ اقبالؔ کی کتابوں کی اشاعت اور رائلٹی کے معاملات بھی طے کرتے۔ اقبالؔ نے انھیں اپنے بچوں کا گارڈین مقرر کیا تھا۔ منشی صاحب نے ''دِل روز'' کے نام سے ایک دوا ایجاد کی تھی، جو زہریلے جانوروں کے کاٹے کا مؤثر علاج تھا۔ آپ نے ۳۰/اپریل ۱۹۴۰ء میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) "Iqbal as I knew him",P:33,34

۲) محمد اسلم پروفیسر: خفتگانِ خاک لاہور، ص:۴۱۹

[۲] دیکھیے خط نمبر ۵۸ تعلیقہ نمبر ا

[۳] علاّمہ اقبال کی صاحبزادی۔ مسلم گرلز ہائی سکول سے تعلیم حاصل کی۔ اقبال انھیں ''بے بی'' اور ''بانو'' کہہ کر بلاتے تھے۔ ڈورس احمد کے مشورے سے بعدازاں کنیئرڈ اسکول میں داخل کیا گیا۔

مآخذ: "Iqbal as I knew him",P:21-28

[۴] اقبالؔ نے یہ خط لندن سے اس وقت لکھا تھا جب وہ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کر کے واپس آنے والے تھے۔ تیسری گول میز کانفرنس ۱۷/نومبر کو شروع ہوئی اور ۲۴/دسمبر کو ختم ہوگئی۔

(۶۲)

غلام رسول مہر

HOTEL LULETIA
43-Boulevard Raspail Square
Dubon Marche
PARIS.[i]

یکم فروری ۳۳ء[ii]

ڈیر مہر صاحب۔ السلام علیکم۔ کل ''انقلاب'' کے بہت سے نمبر اقبالؔ شیدائی صاحب[۱] سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ ۲۶/جنوری کو

ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ رفروری کو وینس سے اطالی جہاز 'کانٹے وردی' پر سوار ہو کر ۲۲ر صبح کو ان شاءاللہ العزیز بمبئی پہنچ جاؤں گا۔

ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے ظرفِ تنگ میں کیوں کر سما سکتا ہے![2] امید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ چودھری محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے اور گھر میں بھی خیر [iii] خیریت بھیج دیجیے۔

خان صاحب ذکاء الدین[3] کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔ ان کے اعزہ تک میری طرف سے تعزیت پہنچایے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس معلوم نہیں۔ سالک صاحب کس رنگ میں ہیں؟

محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i انوار میں یہ پتا درج نہیں ہے۔ جبکہ عکس میں موجود ہے۔ ii عکس میں یکم فروری ۳۲ء ہے جو صحیح نہیں ہے۔ iii انوار = خبر

حواشی و تعلیقات

۱ محمد اقبالؔ شیدائی' سیالکوٹ کے ایک نواحی گاؤں ''پورہ ہمیراں'' میں ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ شیدائی' اقبالؔ کے ہم مدرسہ تھے۔ ۱۹۱۴ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۱۷ء میں بی۔اے کیا۔ طالبعلمی ہی کے زمانے میں انھوں نے سیاست میں دل چسپی لینی شروع کر دی اور اس زمانے میں ان کا تعارف مولانا شوکت علی اور میاں سر محمد شفیع سے ہوا۔ مولانا شوکت علی کی تحریک ہی پر شیدائی ''انجمن خدام کعبہ'' کے رکن بنے۔ کعبہ شریف کے شیدائی ہونے کی وجہ سے انھیں ''شیدائی'' کا لقب ملا......شیدائی جولائی ۱۹۲۰ء میں کابل پہنچ گئے۔ مولانا سندھی نے انھیں ''عبوری حکومتِ ہند'' میں جنگ اور مواصلات کے محکموں کا نائب وزیر مقرر کیا۔ ۱۹۳۶ء میں شیدائی نے ایک فرانسیسی طالبہ شارلوت سے شادی کر لی اور اس کا اسلامی نام بلقیس رکھا۔ جب اقبالؔ پیرس پہنچے تو شیدائی اور ان کی بیگم نے ان کی ہر طرح سے خاطر مدارات کی۔

دوسری عالمی جنگ کے آغاز سے قبل ہی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر شیدائی کو فرانس سے نکل جانے کا

حکم ملا۔ انھوں نے سوئزر لینڈ میں رہنا چاہا لیکن کچھ عرصے بھی وہاں سے بھی نکالے گئے۔ اٹلی پہنچ کر وہ ریڈیو میں ملازم ہوگئے اور انگریزوں کے خلاف اُردو پروگرام نشر کرنا شروع کیا۔ ۱۹۴۷ء کے آغاز پر پنڈت جواہر لال نہرو کی سفارش پر برطانوی حکومت نے انھیں ہندوستان آنے کی اجازت دے دی۔ وہ اٹلی سے دہلی پہنچے۔ کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد اپنے وطن سیالکوٹ آئے اور اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کراچی پہنچے۔ ایک بار اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمایندگی بھی کی۔

اسکندر مرزا ان کے بہت مخالف تھے۔ اسکندر مرزا نے گورنر جنرل ہوتے ہی ان کو گرفتار کرنا چاہا‘ جس کی اطلاع انھیں بھی مل گئی اور وہ ایک بار پھر اٹلی چلے گئے۔ اٹلی کے دورانِ قیام انھیں TURNIN یونی ورسٹی میں اردو پڑھانے کا کام مل گیا۔ اگست ۱۹۶۵ء میں شیدائی پاکستان لوٹ آئے اور سیاست سے کنارہ کش ہوگئے۔ لاہور میں عارضۂ قلب میں مبتلا ہوکر ۱۳رجنوری ۱۹۷۴ء کو انتقال کر گئے۔

مآخذ: ۱) عبدالرؤف عروج ’’رجالِ اقبال‘‘ ص: ۸۹،۸۸

۲) مظفر حسین برنی (مرتب) ’’کلیاتِ مکاتیب‘ سوم‘‘ ص: ۱۴۷۔ ۴۳۷

۲ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے اقبالؔ کو مسلمانانِ ہند کا نمایندہ منتخب کیا گیا تو انھوں نے ہسپانیہ کی سیاحت کا پرگرام بھی بنایا۔ ہسپانیہ کی سیاحت سے متعلق اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام کے نام اپنے خط محررہ ۲۷رمارچ ۱۹۳۳ء میں لکھا:

> ’’میں اپنی سیاحتِ اندلس سے بے حد لذت گیر ہوا۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجدِ قرطبہ پر لکھی جو کسی وقت شائع ہوگی۔ الحمرا کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا۔ لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی‘‘۔ (اقبالنامہ‘ دو‘ ص: ۲۳۱‘ ۳۲۲)

مآخذ: ۱) جاوید اقبال‘ ڈاکٹر: ’’زندہ رود۔ حیات اقبال کا اختتامی دور‘‘ ص: ۲۱۵۔ ۲۲۰

۲) افتخار احمد صدیقی‘ ڈاکٹر ’’فروغِ اقبال‘‘ ص: ۳۶۶۔ ۳۷۳

۳ خان ذکاءالدین بستی دانش منداں‘ جالندھر کے رہنے والے‘ اقبالؔ کے عزیز دوستوں میں سے تھے۔

(۶۳)

۲۱/مارچ ۳۳ء

ڈیر مہر صاحب!

عطیہ بیگم صاحبہ[۱] کا خط بمبئی سے آیا ہے جس میں آپ کے نام بھی ایک پیغام ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے جو تراشے آپ کو تعلیم نسواں اسلام کے متعلق ۲ سال ہوئے دیے تھے یا بھیجے تھے وہ واپس ارسال کر دیے جائیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ میں نے متعدد خطوط لکھے مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان کے تراشے ان کی خدمت میں واپس ارسال کر دیں گے۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

حواشی وتعلیقات

[۱] عطیہ بیگم (۱۸۸۲ء۔۱۹۶۷ء) حسن علی آفندی کی صاحبزادی تھیں۔ قیامِ انگلستان میں اقبال کی ان سے ملاقات ہوئی۔ اقبال نے اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ انھیں پڑھ کر سنایا۔ عطیہ قیامِ انگلستان کے زمانے میں اپنا روزنامچہ لکھتی جاتی تھیں، اس کی مدد سے انھوں نے اکیڈمی آف اسلام کی طرف سے ''اقبال'' کے زیرِ عنوان ایک مقالہ انگریزی زبان میں شائع کیا، جس میں اقبال کے خطوط اور غیر مطبوعہ اشعار بھی شامل ہیں۔

مآخذ: ۱) عبداللہ قریشی (مرتب): ''حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں''، ص: ۲۲۵، ۲۲۶

۲) محمد عبداللہ چغتائی: ''اقبال کی صحبت میں''، ص: ۵۰۔۴۶

۳) افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر: ''عروجِ اقبال''، ص: ۳۱۹۔۳۴۰

۴) نصر اللہ خان: ''کیا قافلہ جاتا ہے''، ص: ۱۱۵۔۱۱۹

۵) ماہر القادری (مرتب): ''یادِ رفتگاں (حصہ دوم)''، ص: ۱۴۰۔۱۴۸

(۶۴)

۱۹۳۳ء[i]

ڈیر مہر صاحب۔ کل مع الخیر میڈرڈ پہنچے۔ یہاں سے قرطبہ، غرناطہ وغیرہ جائیں گے[۱]۔ ۲/فروری تک وینس پہنچنا ہے۔

آج یہاں کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسن[2] سے جنھوں نے دانتے کی ڈواین کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے۔ صدر جمہوریہ سے غالبًا ملاقات ہوگی۔ امید ہے سب طرح خیریت ہوگی۔

چودھری صاحب سے مضمون واحد
محمدؐ اقبالؔ

تحقیق متن:

i صابر کلوروی صاحب نے زیرِ نظر خط کی تاریخ تحریر جنوری ۱۹۳۳ء متعین کی ہے۔ (اشاریۂ مکاتیب، ص:۱۰۳) اور یہی درست ہے کیونکہ اقبال نے تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد تحریر کیا۔

حواشی وتعلیقات

۱ اقبالؔ ۵؍یا ۶؍جنوری ۱۹۳۳ء کو پیرس سے میڈرڈ پہنچے۔ قرطبہ اور غرناطہ میں دس بارہ دن رہے اور ۲۶؍جنوری کو پیرس واپس آ گئے۔ پس اسپین میں ان کا قیام تقریباً تین ہفتوں کا تھا۔ (مآخذ: زندہ رود۔ سوم، ص:۴۹۷)

۲ میڈرڈ میں اقبال کے میزبان دراصل پروفیسر آسین پیلا کیوس تھے اور انھوں نے اقبالؔ کو قیامِ لندن کے دوران میں میڈرڈ آ کر یونی ورسٹی میں لیکچر دینے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ ۲۴؍جنوری ۱۹۳۳ء کو اقبالؔ نے ''اسپین اور فلسفہ اسلام'' کے موضوع پر میڈرڈ یونی ورسٹی کی نئی عمارت میں لیکچر دیا۔ اجلاس کی صدارت پروفیسر آسین پیلا کیوس نے کی اور انھوں نے ہی اقبالؔ کا تعارف حاضرینِ جلسہ سے کرایا۔ اجلاس کی روائیداد میڈرڈ کے اخبار الدیبیت میں شائع ہوئی۔

مآخذ: جاوید اقبال، ڈاکٹر'' زندہ رود......سوم''، ص:۵۵۴

۳ Dante Alighieri ۱۲۶۵ء میں فلارنس (اٹلی) میں پیدا ہوا اور ۵۶ سال کی عمر میں (۱۳۲۱ء) امیونیا میں فوت ہوا۔ اس نے مقامی درس گاہوں کے علاوہ یورپ کے کئی ممالک میں تعلیم حاصل کی۔ وہ ادب و شعر اور فنونِ لطیفہ پر بے نظیر دسترس رکھتا تھا۔ جوانی میں اس نے سیاست میں بھی حصہ لیا مگر پوپ اور بادشاہ کی مخالفت نے ۱۳۰۲ء میں اسے جلاوطن کروا دیا۔ ''ڈیوائن کامیڈی'' اس نے جلاوطنی میں ہی لکھی۔ دانتے نوجوانی میں ''بیٹرس'' نام کی ایک ہم عمر

لڑکی کا عاشق ہوا۔ گو اسے اس نے دو بار ہی دیکھا تھا مگر اس کی یاد تازہ کرنے کے لیے دانتے نے ''ڈیوائن کامیڈی'' کا شاہکار لکھا' جس میں اندرونِ بہشت یہی محبوبہ اس کی رہنما بنی۔ ''ڈیوائن کامیڈی'' میں بہشت کے سوا دیگر جگہوں پر اس کا راہنمائے راہ ورجل ہے جو کہ لاطینی زبان کا عظیم شاعر رہا ہے۔ ورجلؔ' دانتےؔ کا ایسے ہی مرشد ہے جیسے اقبالؔ کا رومیؔ...... ''جاوید نامہ'' (۱۹۳۲) کے لکھنے کی تحریک ''ڈیوائن کامیڈی'' ہی سے ہوئی۔ مگر دانتے کو حیات بعدالموت سے زیادہ دلچسپی ہے جبکہ اقبالؔ کو اس حیات کے ابدی بنانے سے...... ''ڈیوائن کامیڈی'' میں منظر نگاری زیادہ ہے اور ''جاوید نامہ'' میں حقائق نگاری کا بحرِ مواج دکھائی دیتا ہے۔

مآخذ: 1."The New Encyclopaedia Britannica Vol:3", 1768, P:878

۲) ماہِ نو' اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، ص:۳۳

۳) محمد ریاض ڈاکٹر: ''جاوید نامہ' تحقیق و توضیح''، ص: ۴۰۔۴۱

(۶۵)

۱۹۳۳ء[i]

ڈیرمہر صاحب

یہ اس خط کی نقل ہے جو مسٹر آصف علی[۱] بیرسٹر دہلی نے ان حضرات کے نام لکھا تھا جن کے دستخط احیائے[ii] مسلم لیگ والی مینوفیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لیے ارسال کرتا ہوں۔ ''ہمدم'' کا لیڈر اور مفتیِ اعظم[۲] کے متعلق جو نوٹ ہے وہ بھی پڑھ لیجئے۔

اس کے علاوہ اقبالؔ شیدائی[۳] کا خط پیرس سے آیا ہے۔ وہ آپ سے متوقع ہے کہ ساہوکاروں اور سود کے متعلق چند مضامین لکھیں جو عام ہوں۔ ان میں پنجاب کے مسلمانوں کے قرضے کا بھی عام طور پر ذکر ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایسے مضامین مسلمانوں کے متعلق ہمدردی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

تحقیق متن:

i صابر کلوروی صاحب کے مطابق زیرِ نظر خط مارچ ۱۹۳۳ء اور جون ۱۹۳۳ء کے درمیان لکھا گیا ہے۔ ii انوار = آج تک۔ یہ خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر جلد اول' ص:۳۱۴ میں شامل ہے۔ ''انوار'' کا متن نقوش کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔

حواشی و تعلیقات:

۱ روز نامہ ''الامان'' (دہلی) کے مولوی مظہر الدین نے ایک خط اقبالؔ کے نام بھیجا تھا' جس کے ساتھ مسٹر آصف علی بیرسٹر کے ایک انگریزی خط کی نقل منسلک تھی۔ مسٹر آصف علی نے اپنے خط میں اپیل کی تھی کہ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اس دور کا ذکر ہے جب لیگ کی حالت خراب ہو چکی تھی اور قائد اعظمؒ انگلستان میں مقیم تھے۔

بیرسٹر آصف علی نے اسٹیفن کالج سے تحصیلِ علم کے بعد ۱۹۰۹ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک انگلینڈ میں رہے' جہاں سے انھوں نے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی اور ہندوستان آنے کے بعد وہ جنگِ آزدی کے بہادر اور بے باک مجاہدین بن گئے۔ وہ ایک کامیاب صحافی تھے۔ تحریکِ عدمِ تعاون' خلافت تحریک میں حصہ لیا۔ آصف علی کو انگریز اور ان کے نوکر شاہ ''تیز زبان'' والا آدمی کہتے تھے۔ انھوں نے اسمبلی بم کیس میں سردار بھگت سنگھ کی طرف سے وکالت کی۔ ۱۹۴۶ء میں انٹیرم سرکار میں ٹرانسپورٹ کے وزیر بنے۔ ۱۹۴۷ء میں ان کو امریکا میں ہندوستان کا سفیر نامزد کیا گیا جہاں وہ اپریل ۱۹۴۸ء تک رہے۔ ۱۹۴۸ء میں ان کو صوبہ اڑیسہ کی گورنری دی گئی۔ اس کے بعد وہ سوئزرلینڈ میں سفیر مقرر کیے گئے' اور ساتھ ہی واٹی کن (Vatican) اور آسٹریا کے سفیر بھی مامور ہوئے۔ وہ ۲/اپریل ۱۹۵۳ء کو بعارضۂ قلب برن (سوئزرلینڈ) میں انتقال کر گئے۔

مآخذ: ۱) فرقان احمد صدیقی: ''ضلع بجنور کے جواہر''، ص: ۵۳' ۵۴

۲) رئیس احمد جعفری ''دید و شنید''، ص: ۱۷۷' ۱۷۸

۳) مظفر حسین برنی (مرتب) ''کلیاتِ مکاتیب' سوم'' ص: ۳۸۷۔ ۴۰۷

۲ سیّد امین الحسینی عرب کے مذہبی و سیاسی قائد' ۱۸۹۳ء میں یروشلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قسطنطنیہ میں پائی۔ کچھ عرصہ جامعہ ازہر میں گزارا۔ پھر ترکی کے عسکری کالج میں فوجی تربیت مکمل کی اور عثمانی فوج میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۱۷ء میں یروشلم میں قائم شدہ عرب تحریک میں شامل

ہوئے۔ اس کا مقصد فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے قیام کو روکنا تھا۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں یہودیوں کے خلاف فسادات برپا کرنے کی پاداش میں دس سال قیدِ سخت کی سزا ہوئی لیکن وہ اُردن سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اگلے سال عام معافی کا اعلان ہوا تو یروشلم واپس آ گئے اور ہائی کمشنر کے حکم پر مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ فلسطین کے مسائل کی جانب دنیائے اسلام کی توجہ حاصل کرنے میں انھیں خاصی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بعض اسلامی ممالک کو وفود بھی بھیجے۔ دنیائے اسلام کے متعدد ممتاز راہنماؤں سے ان کے قریبی روابط تھے۔ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو یہودیوں کے خطرات سے آگاہ کرنے اور فلسطین میں ایک اسلامی یونی ورسٹی اور کتب خانہ قائم کرنے کے لئے چندہ جمع کرنے ۱۹۳۳ء میں ہندوستان آئے تھے۔ اقبالؔ سے ان کے دوستانہ روابط رہے۔ انھوں نے خاص طور پر اقبالؔ کو اس کانفرنس (منعقدہ بیت المقدس ۱۹۳۳ء) میں بلایا تھا۔

مآخذ: ۱) فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: ''معاصرینِ اقبال''، ص: ۲۰۰

۲) معین الدین عقیل، ڈاکٹر: ''اقبال اور جدید دنیائے اسلام''، ص: ۳۲۸

۳) رئیس احمد جعفری: ''دید و شنید''، ص: ۳۵۔۳۷

[۳] دیکھیے خط نمبر ۶۲ تعلیقہ نمبر ۱

(۶۶)

لاہور ۱۶/ جون ۳۳ء

جنابِ مہرین[۱]

ایک ضروری مشورہ آپ دونوں سے مطلوب ہے اس واسطے کچھ[۱] معمول سے سویرے لاہور تشریف لائیے اور دفتر جانے سے پہلے مجھ سے ملتے جائیے کیونکہ آپ سے مشورہ کرنے کے بعد ان تاروں کا جواب دیا جائے گا جو شملہ سے آئے ہیں[۲]۔ والسلام

محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن

انوار = آج

حواشی وتعلیقات

۱۔ مہرین سے مراد غلام رسول مہرؔ صاحب اور عبدالمجید سالکؔ ہیں۔

۲۔ یہ وہ دور تھا جب اقبالؔ تیسری گول میز کانفرنس سے واپس آئے تھے۔ (فروری ۱۹۳۳ء) اور مارچ ۱۹۳۳ء میں حکومتِ برطانیہ نے حکومتِ ہند کے جدید دستور کا خاکہ قرطاسِ ابیض کی شکل میں شائع کیا تھا جس سے سارے ملک میں ہنگامہ خیز اختلافات رونما ہوئے۔ مسلمانوں نے عام طور پر اس پر چند اعتراضات کیے لیکن مجموعی طور پر اس کو عارضی طور پر قبول کرنا پسند کیا۔ اس دور میں مختلف حلقوں کی طرف سے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں میں باہمی سمجھوتے کی کوششیں شروع ہوئیں جو پہلے کی طرح بے مقصد ہو کر رہ گئیں (''انوار''، ص: ۱۰۷)

(۶۷)

ڈیر مہرؔ صاحب

مضمون سے مطلع ہوا۔ یہ خط واپس ارسال ہے کہ آپ کو اطمینان ہو جائے کہ اور کوئی اسے نہ دیکھے گا۔ کل صبح یہیں آ جایئے گا۔ اکٹھے چلیں گے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

اگر آپ نہیں آ سکتے تو بتایئے کونسی گاڑی میں آ رہے ہیں؟ فرانٹیر میل یا بمبئی میل یا کوئی اور گاڑی[۱]

۱۴؍ اگست [i] ۱۹۳۳ء

تحقیق متن

۱۔ زیرِ نظر خط غلام رسول مہرؔ کے خط محررّہ ۱۴؍اگست ۱۹۳۳ء کے جواب میں ہے۔ جس پر Most Confidential درج تھا۔ اقبالؔ نے اس خط کی پشت پر جواب لکھا۔ خط کو بصیغۂ راز رکھنے کا اس سے زیادہ مناسب طریقہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اقبالؔ نے جوابی خط پر کوئی تاریخ درج نہیں کی۔ ''انوار'' کی یہ تاریخ (۱۴؍اگست ۱۹۳۳ء) قیاسی ہے۔

حواشی وتعلیقات:

۱۔ مہرؔ صاحب نے اپنے خط (۱۴؍اگست ۱۹۳۳ء) میں اقبالؔ کو لکھا تھا کہ بھوپال سے شعیب

صاحب کا خط آیا ہے، جس میں انھوں نے مطلع کیا ہے کہ وہ اور نواب صاحب بھوپال، کشمیر جاتے ہوئے ۱۵/اگست کو ساڑھے چار بجے صبح لاہور سے گزریں گے اور نواب صاحب کی خواہش ہے کہ وہ لاہور اسٹیشن پر اقبالؔ سے ملاقات کریں نیز یہ تاکید کی ہے کہ ان کے آنے کی اطلاع مخفی رکھی جائے۔ چنانچہ اقبالؔ اور مہر صاحب نے نواب صاحب سے ملاقات کی۔ مہر صاحب کا بیان ہے کہ یہ ملاقات سیاسی نوعیت کی نہ تھی بلکہ محض نواب صاحب، اقبالؔ سے ملنے کے خواہش مند تھے۔
(''انوار''، ص: ۱۰۷، ۱۰۸)

(۶۸)

ڈیر مہر صاحب۔ یہ خط مفتی[۱] اعظم[i] صاحب کا ہے شاید آپ کو بھی آیا ہوگا۔ اگر ملک فیروز[۲] خاں یہاں ہوں تو ان کے مشورہ سے کوئی تقریب مفتی صاحب کے زیر اہتمام انجمن حمایت الاسلام[۳] لاہور ہو جائے تو بہتر ہے۔ اس بارے میں مولوی غلام محی الدین[۴] صاحب سے بھی مشورہ کر لیجیے۔ میں بھی ان کو فون کرتا ہوں۔

محمد اقبالؔ
۲/اکتوبر ۱۹۳۳ء[ii]

تحقیقِ متن:

[i] انوار= مفتی صاحب۔ [ii] تاریخ تحریر عکس میں نہیں ہے بلکہ لفافے پر ہے، کیونکہ خط کا مذکورہ متن بھی خط کے لفافے پر ہے جو مفتی فلسطین امین الحسینی نے اقبال کو بھیجا تھا۔ مفتی صاحب ان دنوں تاج کمپنی لاہور کے دفتر میں آ کر مقیم تھے۔

حواشی وتعلیقات:

[۱] دیکھیے خط نمبر ۶۵ تعلیقہ نمبر ۲

[۲] ملک فیروز خان نون (۱۸۹۳ء۔۱۹۷۰ء) پاکستان کے ممتاز سیاسی رہنما اور سابق وزیرِ اعظم۔ ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ ۱۹۱۶ء میں آکسفورڈ یونی ورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری لی، وہیں قانون کا امتحان پاس کیا۔ وطن واپس آ کر وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۲۷ء میں انھیں صوبہ پنجاب کا وزیرِ تعلیم اور صحتِ عامہ مقرر کیا گیا۔

۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۱ء تک لندن میں ہندوستان کے ہائی کمشنر اور ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۵ء رکنِ دفاع کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان کے گورنر اور پھر پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ رہے۔ ۱۹۵۶ء میں وزیرِ خارجہ اور اکتوبر ۱۹۵۸ء میں وزیرِ اعظم کی حیثیت سے تعینات کیے گئے۔ انھوں نے پانچ کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں کینیڈا اور ہندوستان، احمقوں سے حصول عقل اور آپ بیتی، چشم دید شامل ہیں۔ لاہور میں انتقال ہوا۔

مآخذ:

۱) رئیس احمد جعفری، ''دید وشنید''، ص: ۱۷۰۔۱۷۲

۲) عبدالروف عروج، ''رجالِ اقبال''، ص: ۴۹۵۔۴۹۶

۳۔ دیکھیے خط نمبر ۴۶ تعلیقہ نمبر ۲

۴۔ غلام محی الدین قصوری لاہور کے مشہور وکیل، قومی کارکن اور زبردست مقرر تھے۔ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے سالِ اول میں داخلہ لیا۔ اس زمانے میں ان کی اقبال سے ملاقات ہوئی اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور اس میں اتنی بے تکلفی پیدا ہوگئی کہ اقبال ان کو ان کی فلسفیانہ گفتگو کے پیشِ نظر ''ینگ فلاسفر'' کہنے لگے۔ قصوری صاحب نے تعلیم سے فراغت پانے کے بعد وکالت شروع کر دی۔ اس وکالت کے زمانے میں ان کا اقبال سے مزید ربط ضبط بڑھا، اور وہ ان کی شاعری سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کی شخصیت اور فن پر ایک مقالہ لکھا۔ انھوں نے انجمن حمایت اسلام کے جوائنٹ سیکرٹری اور بعد میں سیکرٹری کی حیثیت سے بھی دینی اور ملی خدمات انجام دیں۔

صوبائی خودمختاری کے نظام کے ماتحت پہلی اسمبلی (۱۹۳۷ء) کے رکن بھی منتخب ہوئے تھے۔ جنگِ بلقان کے زمانے میں ترکوں کی مدد کے لیے لاہور میں جو جلسے ہوتے تھے، ان میں مولانا غلام محی الدین، مولانا ظفر علی خان کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ ان کی تقریریں بھی بہت ذوق وشوق سے سنی جاتی تھیں۔

مآخذ: عبداللہ ملک: ''داستانِ خانوادہ میاں محمود علی قصوری''، ص: ۶۹۔۷۲

بنام شاکر صدیقی

تعارف: شاکر صدیقی کے متعلق اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ ایک زمانے میں چک جھمرہ لائل پور میں مقیم تھے اور ۱۹۱۵ء میں گوجرانوالہ میونسپل کمیٹی میں اوورسیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے۔ انھیں شعر کہنے کا شوق تھا۔ 'مخزن' کے دورِ ثانی کے معاون مدیر سردار کسیرا سنگھ کے ایما پر ۱۹۱۲ء میں انھوں نے اقبالؔ سے اپنے کلام پر اصلاح لینے کے لیے خط کتابت شروع کی۔ اقبالؔ نے حسبِ عادت اصلاح دینے سے تو انکار کیا لیکن شاکر صاحب کے استقلال کے باعث کبھی کبھی مفید مشورہ ضرور دیا۔

مآخذ: عبداللہ قریشی: ''معاصرین اقبال کی نظر میں''۔ ص: ۵۹۳

(۶۹)

۷ر ستمبر ۱۹۲۲ء[i]

مکرمی!

اُردو زبان مَیں آپ سے زیادہ نہیں جانتا کہ آپ کے کلام کو اصلاح دوں۔ باقی رہے شاعرانہ خیالات وسوز وگداز' یہ سیکھنے سکھلانے کی شے نہیں' قدرتی بات ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ مجھ کو اپنے مشاغلِ ضروری سے فرصت کہاں کہ کوئی ذمہ داری کا کام اپنے سر پر لوں۔ میں نے آپ کے اشعار پڑھے ہیں۔ میرے رائے میں آپ اس جھگڑے میں نہ پڑیں تو اچھا ہے۔

آپ کا خادم

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

[i] لفافے پر ڈاک کی مہر سے معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ نظر خط ۷ر ستمبر ۱۹۱۲ء کا ہے۔ صابر کلوروی صاحب نے بھی اس خط کی تاریخ تحریر ۷ر ستمبر ۱۹۱۲ء متعین کی ہے۔ (''اشاریہ مکاتیب''، ص: ۹۰)

(۷۰)

لاہور

۲۲ /جون ۱۹۱۵ء

مخدومی

آپ کا عنایت نامہ مل گیا ہے۔آپ نے جس حسنِ ظن کا اظہار کیا ہے اس کے لیے مَیں آپ کا سپاس گزار ہوں۔افسوس ہے کہ دیوان[۱] ابھی تک شائع نہیں ہوسکا۔اس کی وجہ کچھ میری عدیم الفرصتی اور کچھ یہ کہ فارسی مثنوی موسوم بہ ''اسرارِ خودی''[۲] مکمل ہو کر پریس کے لیے لکھی جا چکی ہے چند دنوں میں شائع ہو جائے گی۔اس کی اشاعت کے بعد دیوان کی طرف توجہ کروں گا۔ یہ مثنوی ایک نہایت مشکل کام تھا۔الحمدللہ کہ باوجود مشاغلِ دیگر میں اس کام کو انجام تک پہنچا سکا۔ماسٹر نذر محمد[۳] صاحب کی خدمت میں آداب عرض کر دیں۔ والسلام

آپ کا خادم

محمدؐ اقبالؔ لاہور

حواشی وتعلیقات

۱ ''دیوان'' سے مراد اقبالؔ کا اُردو مجموعۂ کلام ''بانگِ درا'' ہے' جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۱۵ء تک کوئی اُردو مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا تھا۔

۲ دیکھیے خط نمبر ۳' تعلیقہ نمبر ۲

۳ شیخ نذر محمد: اقبالؔ کے نہایت عزیز دوستوں میں تھے۔کشمیری نژاد پنجابی' ۱۸۶۶ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔۱۸۸۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔سرکاری ملازمت سے بحیثیت انسپکٹر مدارس سبکدوش ہوئے۔شعروسخن سے دلی ذوق تھا۔شعر کہتے' نذرؔ تخلص تھا' کلام ''مخزن'' میں چھپتا رہا۔''کلامَ نذرؔ'' کے نام سے ان کا مجموعہ شائع ہوا تو مولانا حالیؔ اور محمد اقبالؔ نے اسے بہت سراہا۔نذر محمد باوجود تفاوتِ عمر' اقبالؔ سے اصلاحِ کلام میں رجوع کرتے' اقبالؔ نے شاعری کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تو شیخ صاحب نے

انھیں لکھا:

Å تجھے خدا کی قسم نہ کر بند نغمۂ بربطِ سخن کو

شیخ صاحب نے طویل عمر پائی۔ ۹رفروری ۱۹۴۲ء کو انتقال کیا۔ گوجرانوالہ میں مدفون ہیں۔

مآخذ: نذیر نیازی سیّد، ''دانائے راز''، ص: ۲۰۰۔۲۰۳

(۷۱)

مکرم بندہ

مثنوی کا دیباچہ[۱] کسی قدر پیامات سمجھنے میں مدہو گا۔ وہاں لفظ ''خودی'' کی بھی تشریح ہے۔ آپ کی نظم اچھی ہے مگر اس میں بہت سے نقائص ہیں۔ میں نے ان پر نشان کر دیے ہیں۔ اصلاح کی فرصت نہیں رکھتا۔ ماسٹر نذر محمد صاحب کو دکھایئے وہ درست کر دیں گے۔ الفاظِ حشو سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آپ کی نظم میں بہت سے الفاظ حشو ہیں۔ محاورہ کی درستی کا بھی خیال ضروری ہے۔ ''سودا'' سر میں ہوتا ہے نہ دل میں۔ علیٰ ہذا القیاس عہد کو یا وعدہ کو بالائے طاق رکھتے ہیں نہ بالائے بام وغیرہ۔ اسی طرح مرکب کی عنان ہوتی ہے نہ زمام۔ بہت سے الفاظ مثلاً ''چونکہ'' ''تعاقب'' وغیرہ اشعار کے لیے موزوں نہیں ہیں، ان سے احتراز اولیٰ ہے۔ ''ہے خوشی تجھ کو کمال......الخ'' کے دوسرے مصرعے میں ہر کی ''ہ'' تقطیع میں گرتی ہے۔ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ نظم طویل ہے۔

محمد اقبال لاہور

۶رجولائی ۱۵ء

حواشی و تعلیقات:

۱۔ دیکھیے خط نمبر ۳ تعلیقہ نمبر ۲

(۷۲)

لاہور

۱۴/اگست ۱۵ء

مخدومی۔ السلام علیکم۔

آپ کے اشعار پڑھ کر میں آنکھوں سے آنسو نکل گئے۔ یہ آنسو خوشی کے نہ تھے بلکہ تاسف کے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ظن کو جو میری نسبت ہے صحیح ثابت کرے اور مجھ کو ان باتوں کی توفیق عنایت کرے جن کا ذکر آپ کرتے ہیں اور اِس حُسنِ ظن کے عوض میں جو آپ ایک مسلمان کی نسبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اجرِ جزیل عطا کرے اور حبیب کریم کے عشق و محبت کی نعمت سے مالا مال کرے۔ آمین

''یعنی مدہوشوں کو تو آمادۂ پیکار کر''

اس مصرعے میں پیکار کا لفظ ٹھیک نہیں ہے یوں کہہ سکتے ہیں:

یعنی اپنی محفلِ بے ہوش (یا مدہوش) کو ہشیار کر

اور بھی خامیاں اس نظم میں ہیں جو یقیناً دو چار بار پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو جائیں گی مگر مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس نظم کو شائع نہ کریں۔ میرے لئے پرائیویٹ شرمندگی کافی ہے۔ اس کے علاوہ یہ آپ کے پرائیویٹ تاثرات ہیں، پبلک کا ان سے آگاہ ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔

گزشتہ خط میں جو آپ نے[1] جو نظم لکھی تھی اس میں ایک لفظ ''زمام'' تھا جس پر مَیں نے اعتراض کیا تھا۔ غالبًا میں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ زمام کا لفظ ناقہ یا شتر کے لیے خاص ہے، مرکب کے لیے عنان چاہیے۔ اسکے بعد میرے دل میں خود بخود شبہ سا پیدا ہو گیا۔ مَیں نے فارسی کی لغات میں جستجو کی۔ معلوم ہوا کہ زمام کا لفظ مرکب کے لیے بھی آ سکتا ہے گو ناقے کے لیے یہ لفظ خصوصیت سے مستعمل ہوتا ہے۔

صاحب بہارِ[2] عجم نے کوئی سند ایسے استعمال کی نہیں لکھی مگر چونکہ انھوں نے فارسی الفاظ و محاورات کی تحقیق و تدقیق میں بڑی محنت و جانفشانی کی ہے اس واسطے ان کے بیان بلا سند کو بھی قابلِ اعتبار سمجھنا چاہیے۔ یہ اس واسطے لکھتا ہوں کہ آپ اس غلطی میں مبتلا نہ رہیں جو میری لاعلمی کی وجہ سے پیدا

ہوئی۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

حواشی وتعلیقات:

ا شاکر صدیقی نے اپنی ایک نظم ''ہلالِ عید'' بغرضِ اصلاح بھیجی تھی۔

۲ دیکھیے خط نمبر ۱۴ تعلیقہ نمبر ۶

(۷۳)

۱۳/ اگست ۱۹۹۵ء i

مکرمی

الفاظ کے اعتبار سے اس نظم میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ معانی کے اعتبار سے البتہ بعض شعر قابلِ اعتراض ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو فارسی ترکیبیں آپ استعمال کرتے ہیں ان کا مطلب اچھی طرح سے نہیں سمجھتے۔ والسلام

آپ کو بھی مبارک ہو۔

محمد اقبال

تحقیقِ متن: i زیرِ نظر خط کی تاریخِ تحریر ۱۳/ اگست ۱۹۱۵ء ہے۔ (''اشاریۂ مکاتیب''، ص: ۹۰)

(۷۴)

۲۲/ اگست ۱۹۱۵ء i

یہ نظم ویسی ہے جیسی پہلے تھی

مضمون یعنی موضوع انتخاب کرنے میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ بعض اشعار ایسے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ہنسی آتی ہے اور مصنف کی نسبت اچھا خیال دل میں نہیں بیٹھتا۔ والسلام۔ مجھے فرصت کم ہوتی ہے۔ اس واسطے پے در پے خطوط کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔

محمد اقبال

تحقیقِ متن:

[i] صابر کلوروی صاحب نے ۲۲/اگست ۱۹۱۵ء تاریخِ تحریر متعین کی ہے۔ (''اشاریۂ مکاتیب''، ص:۹۰)

(۷۵)

اکتوبر/نومبر ۱۹۱۵ء[i]
مکرم بندہ

میں نے آپ کے اشعار کی خامیوں پر نشان لگا دیے ہیں۔ ان پر مفصل لکھنے کی فرصت نہیں۔ تراکیب والفاظ کی ساخت وانتخاب محض ذوق پر منحصر ہے اور ایک حد تک زبان فارسی کے علم پر۔ آپ فارسی زبان کی کتابیں خصوصاً اشعار پڑھا کریں۔ مثلاً دیوانِ بیدل[1] نظیری نیشاپوری[2]، صائب[3]، جلال اسیر[4]، عرفی[5]، غزالی مشہدی[6]، طالب آملی[7] وغیرہ۔ ان کی مزاولت سے مذاقِ صحیح خود بخود پیدا ہوگا اور زبان کے محاورات سے بھی واقفیت پیدا ہو گی۔ عروض کی طرف خیال لازم ہے۔ اس نظم کا پہلا مصرع ہی بہ اعتبار عروض غلط ہے۔ زنجیر، فقیر، وزیر، عسکری، روکشی، تفسیر، خوانِ مسلم کا خوشہ چین وغیرہ (دو لفظ پڑھے نہیں گئے) پست اور خلاف محاورہ ہیں۔ خوان کا خوشہ چیں نہیں کہتے خرمن کا خوشہ چین ہوتا ہے۔ خوان کا زلہ ربا کہتے ہیں۔ ''ہے'' کے ''ی'' کو طول دینا بُرا معلوم ہوتا ہے موسیقیت (؟) کے اعتبار سے علیٰ ہذاالقیاس۔
''آہ'' میں ''ہ'' کی آواز کو چھوٹا کرنا یوں بھی بُرا ہے۔ ایک ہی مصرع اُردو میں چار اضافتیں بُری معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے فارسی والے بھی محترز ہیں[8]۔

محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

[i] زیرِنظر خط کی تاریخ تحریر اکتوبر/نومبر ۱۹۱۵ء متعین کی گئی ہے۔ (''اشاریۂ مکاتیب''، ص:۹۰)

حواشی وتعلیقات:

ا بیدلؔ (۱۶۴۴۔۱۷۲۰ء) عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ ایک صوفی بزرگ میرزا ابوالقاسم ترمذی نے از روئے حساب جمل ان کی تاریخ پیدائش 'فیض قدس' اور 'انتخاب' کے الفاظ سے نکالی ہے۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی فوت ہو گئیں۔ میرزا قلندر (بیدلؔ کے چچا) نے ان کی تربیت کی۔ ابتدا میں ''رمزی'' کے تخلص سے شعر کہنے لگے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ دہلی میں بسر ہوا۔ معنوی یادگار میں دیوان کے علاوہ مثنوی محیطِ اعظم، طلسم حیرت، گلگشتِ حقیقت، نور معرفت نیز نکات، رقعات اور چہار عنصر ہیں۔ شعر گوئی میں ان کا ایک خاص انداز ہے۔ خیال بندی کے ساتھ ہی وہ عرفان وتصوف کے مضامین بیان کرتے ہیں۔

اقبالؔ اپنی فکری بلوغت کے آغاز سے لے کر اپنی زندگی کے آخری ایام تک بیدلؔ کی شاعری اور ان کے حرکی تصورِ حیات کے بے حد مداح رہے۔ انھوں نے بیدل کا ذکر متعدد مقامات پر کیا ہے، خطوط، شاعری، شذرات اور مرتبات میں متعدد جگہ بیدلؔ کا حوالہ ملتا ہے۔

مآخذ: ۱) عبدالغنی، ڈاکٹر: ''روح بیدلؔ''، ص: ۴۴۔۹۷

۲) عبدالغنی، ڈاکٹر: فیضِ بیدلؔ''، ص: ۲۳۲۔۲۷۸

۳) تحسین فراقی، ڈاکٹر: ''مطالعہ بیدلؔ فکرِ برگساں کی روشنی میں''، ص: ۶

۲ دیکھیے خط نمبر ۶، تعلیقہ نمبر ۱۰

۳ صائب (۱۶۰۳ء۔۱۶۷۷) کی ولادت تبریز میں ہوئی لیکن نشوونما اور تعلیم و تربیت اصفہان میں حاصل کی۔ اسی بنا پر اس کو تبریزی اور اصفہانی، دونوں کہتے ہیں۔ فارغ التحصیل ہو کر ہندوستان کا رخ کیا۔ کچھ عرصہ کابل میں بھی قیام رہا۔ پھر شاہجہان کے دربار میں پہنچا اور بادشاہ کا تقرب حاصل ہوا۔ کچھ مدت بعد ایران کے شاہ عباس ثانی نے اسے اپنے دربار میں بلا کر ''ملک الشعراء'' کا خطاب بخشا، مضمون آفرینی، نازک خیالی اور نکتہ سنجی اس کے کلام کی خصوصیات ہیں۔

اقبالؔ نے صائب کا منتخب کلام پڑھا تھا۔ اقبالؔ کے ہاں صائب کے چند اشعار اور مصرعے تضمین اور نقل شدہ ملتے ہیں۔ اقبالؔ اور صائب میں ایک قدرِ مشترک مولوی معنوی سے

عقیدت ہے۔ علاوہ ازیں مجموعی طور پر ''چشم بینا''، جان آگاہ و دل بیدار''، ''برہانِ آدمیت''، قانونِ محبت''، ''غیرت مردانہ''، ''جنون'' کی کارفرمائی اورلب و لہجے کی حرارت کے باب میں جتنی مماثلت صائب اور اقبالؔ میں ہے، اتنی دو مختلف دور کے شاعروں میں کم پائی جاتی ہے۔

مآخذ: ۱) منظور حسن (خواجہ): ''اقبال اور بعض دوسرے شاعر''، ص: ۴۹۵،۴۹۶

۲) محمد ریاض، ڈاکٹر: ''اقبال اور فارسی شعراء''، ص: ۲۴۹۔۲۵۴

۳) شبلی نعمانی، علامہ: ''شعرالعجم'، جلد: ۳''، ص: ۱۹۹

۴؎ مرزا سید جلال اسیر اصفہانی، مرزا صائب کے دوست تھے۔ آپ کے اشعار پیچیدہ مطالب اور نازک خیالی کے حامل ہیں اور یہ انداز ''اصفہانی'' یا ''ہندی'' کہلاتا ہے۔ فارسی کے مشہور تذکروں مثلاً ''ریاض الشعرا''، ''صحف ابراہیم'' اور ''مخزن الغرائب'' میں اسیر کو نازک خیالی اور دقّتِ بیان کے بانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

مآخذ: ۱) صدیق شبلی، ڈاکٹر: ''فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ''، ص: ۱۲۷

۲) محمد ریاض، ڈاکٹر: اقبال اور فارسی شعرا''، ص: ۲۹۵

۵؎ محمد نام، جمال الدین لقب، عرفی تخلص......۹۶۳ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۶ سال کی عمر میں لاہور میں انتقال (۱۵۹۱ء) فرما گئے۔ عرفیؔ کی تعلیم و تربیت شیراز میں ہوئی۔ تحصیلِ علم کے بعد ہندوستان کا سفر کیا۔ پہلے دکن اور پھر آگرے پہنچے اور مدت تک فیضیؔ اور ابوالفتح کی صحبت میں رہے۔ اس کے بعد عبدالرحیم خانِ خاناں کے ذریعے سے اکبر کے دربار میں رسائی ہوئی۔ بادشاہ نے شہزادہ سلیم کا اتالیق مقرر کیا۔ دیوانِ عرفیؔ میں قصیدے، غزلیں، ترجیع بند اور قطعات ملتے ہیں۔

عرفیؔ کے کلام کی نمایاں خصوصیات جوش و ولولہ اور درسِ خودداری ہیں۔ اقبالؔ، عرفی کی ان شاعرانہ خصوصیات کے مداح تھے۔ ''عرفیؔ'' کے عنوان کے تحت اقبالؔ نے ''بانگِ درا'' (حصہ سوم) میں ایک قطعہ لکھا اور اس میں عرفیؔ کی فعال طبعیت کو سراہا نیز اس کے ایک شعر کو تضمین بھی کیا۔

محل ایسا کیا تعمیر عرفیؔ کے تخیّل نے　　　تصدق جس پہ حیرت خانۂ سینا و فارابی

''نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی　　　حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی''

عرفیؔ کے اس شعر کی تضمین اور بازگشت، اقبالؔ کے کئی اشعار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس شعر کے علاوہ بھی اشعار اور مصرعے کلامِ اقبال میں منقول اور تضمین شدہ ملتے ہیں۔

مآ خذ: ۱) شبلی نعمانی: شعر العجم ' حصہ سوم'' ص: ۸۴'
۲) تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند'' ص: ۲۸۹۔۲۹۹
۳) محمد ریاض' ڈاکٹر: ''اقبال اور فارسی شعرا'' ص: ۲۲۹۔۲۳۵

۶۔ علی رضائی غزالی مشہدی' دربارِ اکبری کے پہلے ملک الشعرا تھے۔ پہلے آپ شاہ تہماسپ صفوی کے دربار میں رہے۔ وہاں سے جنوب ہند کے درباروں کا رُخ کیا اور آخر کار اکبر کے ہاں آئے۔ احمد آباد گجرات کے ایک ہنگامے میں قتل ہو گئے' اور اکبر کے حکم کے مطابق پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیے گئے۔ تصانیف میں دیوانِ قصائد و غزلیات' کتاب اسرار (نثر فارسی)' رشحاتُ الحیات (در تصوف) مرآۃ الکائنات (در اخلاق)

مآ خذ: محمد ریاض' ڈاکٹر: ''اقبال اور فارسی شعرا''، ص: ۲۸۷

۷۔ محمد طالب آملی: (۱۵۹۹ء) قصبۂ آمل (ماژندراں) میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں درسی علوم و فنون کی تعلیم پائی اور پندرہ سولہ سال کی عمر میں اس نے ہندسہ' منطق' ہیئت' فلسفہ' تصوف اور خوش نویسی میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ طالب آملی دربارِ جہانگیری کا ملک الشعرا تھا۔ طالب نے ابتدائی زندگی آمل' ماژندران' کاشان اور مرو میں بسر کی۔ مرو سے وہ برِصغیر میں وارد ہوا۔ طالب کو اپنی بہن' ''ستی النساء'' سے بہت محبت تھی۔ طبرستانی لہجے میں ''طالبا'' نام کی ایک مثنوی مشہور ہے اور کہتے ہیں کہ طالب نے اسے اپنی بہن کے لیے لکھا تھا۔ طالب نے ۱۶۲۶ء میں انتقال کیا۔

اقبال کے ہاں طالب کا صرف ایک مصرع تضمین شدہ ملتا ہے۔ یہ ''ضربِ کلیم'' کے ان انتسابی اشعار میں ہے' جن کا خطاب نواب سر حمید اللہ خان فرمانروائے بھوپال سے ہے۔

؎ بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من   کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

اس شعر کا دوسرا مصرع طالب آملی سے ماخوذ ہے۔

مآ خذ: ۱) محمد ریاض ڈاکٹر: اقبال اور فارسی شعرا''، ص: ۲۹۴' ۲۹۵
۲) تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند' فارسی ادب (دوم)، ص: ۳۳۱۔۳۴۰
۳) صدیق شبلی' ڈاکٹر ''فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ''، ص: ۲۳۶' ۲۳۷

۸۔ شاکر صدیقی نے اپنے خط (۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۵ء) کے ساتھ ایک نظم ''ہرن منارہ'' بغرضِ اصلاح بھیجی تھی۔ زیرِ نظر خط اسی کے جواب میں ہے۔

(۷۶)

مکرم بندہ: السلام علیکم

اضافت کی حالت میں اعلانِ نون غلط ہے کبھی نہ کرنا چاہیے۔ طول ہرگز نہ ہونا چاہیے میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا۔

اتنے شعروں میں صرف دو شعر جن پر نشان کر دیا ہے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ تلمّذ سے مجھے معاف فرمایئے[۱]۔

محمدؐ اقبالؔ لاہور

حواشی و تعلیقات:

[۱] شاکر صدیقی نے ایک غزل بغرضِ اصلاح بھیجی تھی۔ اس کے جواب میں زیرِ نظر خط موصول ہوا۔ لفافے پر مُہر انارکلی پوسٹ آفس کی ۲۴؍ مارچ ۱۹۱۶ء کی ہے۔ جن دو اشعار کے متعلق اقبالؔ نے پسندیدگی کا اظہار کیا وہ درجِ ذیل ہیں:

کسی کامل سے رسم و راہ میری جان پیدا کر　　علاج خاطر ناکام کا سامان پیدا کر

رقابت اے دلِ مضطر نہیں اچھی زلیخا سے　　ہزاروں جس میں ہوں یوسف تو وہ کنعان پیدا کر

تلمذ سے معاف فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ شاکر صاحب اس غزل کے مقطع میں لکھتے ہیں:

رموزِ شعر کی خاطر قم اقبال سے جلدی　　تن بے جان نظم خود میں شاکر جان پیدا کر

(۷۷)

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔

آپ کے حسن ظن کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ افسوس ہے آپ کا ترجمہ میری رائے ناقص میں اشاعت کے قابل نہیں۔ آپ کو اس کی اشاعت سے روکنا نہیں چاہتا۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے اس کی اشاعت میں کوئی اعتراض[۱] نہیں۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ

۲۴؍ جون ۱۹۲۴ء

حواشی وتعلیقات

۱ شاکر صدیقی نے اپنے خط میں پوچھا تھا کہ ''اشکِ ندامت'' کو ''کوہِ نور'' سے تشبیہ دینا درست ہے یا نہیں اقبال نے اسی خط کی پُشت پر فقرہ لکھ کر واپس بھیج دیا۔

(۷۹)

لاہور

۲/جون ۳۱ء

جناب من

السلام علیکم۔ 'انجم' واحد دیکھنے میں نہیں آیا۔ اصلاح سے معاف فرمائیے کہ نہ فرصت ہے نہ اہلیت۔ والسلام

محمدؐ اقبال

بنام ڈاکٹر مظفرالدین قریشی

تعارف: ڈاکٹر مظفرالدین قریشی نے لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں ان کو اسلامیہ کالج لاہور میں کیمیا کا استاد مقرر کیا گیا۔ بعدازاں جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ کیمیا کے صدر ہو گئے۔ مظفرالدین کو اقبال سے بڑی عقیدت تھی۔ انھوں نے ۱۹۳۶ء میں اقبال کو دعوت دی کہ وہ حیدرآباد تشریف لے آئیں' ان دنوں اقبال علیل رہتے تھے۔ بیماری کا حال ۱۹۳۵ء تک سید نذیر نیازی کے ''مکتوباتِ اقبال'' میں تفصیل سے موجود ہے۔ اقبال حکیم نابینا سے علاج کروا رہے تھے۔ حکیم نابینا صاحب دہلی سے حیدرآباد چلے گئے تو دواؤں کی ترسیل میں تعطل پیدا ہو گیا۔ مظفرالدین چونکہ حیدرآباد میں تھے اس لیے انھوں نے بالالتزام دوائیں بھجوانے کا اہتمام کیا۔ انھوں نے حیدری صاحب سے اقبال کی شدید بیماری کا ذکر کیا۔ حیدری صاحب نے توشک خانہ نظام سے بطور امداد جو رقم اقبال کو دی وہ انھوں نے لوٹا دی کیونکہ اقبال کو اس بات کی شکایت تھی کہ ان کے لیے جس فنڈ سے امداد کا بندوبست کیا گیا تھا اسے کوئی بھی غیور آدمی قبول نہیں کر سکتا۔ حیدری صاحب نے اس سلسلے میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کی وضاحت کی۔

قیام پاکستان کے بعد مظفرالدین پاکستان آ گئے اور لاہور میں رہایش اختیار کر لی۔ ان کو محکمۂ

انڈسٹریز کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں بہ عارضۂ قلب انتقال کیا۔
مآخذ: عبدالرؤف عروج: ''رجالِ اقبال''، ص: ۴۵۶، ۴۵۷

(۸۰)

لاہور

۳۰ راگست ۳۲ء

ڈیر مظفرالدین

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ میری صحت پہلے سے کسی قدر اچھی ہے مگر حیدرآباد کے طویل سفر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ''ضرب کلیم''[1] کتاب خانہ طلوعِ اسلام، ۲۵۔ میکلوڈ روڈ لاہور نے خرید کر لی ہے، انھیں سے طلب فرمایئے۔ نیازی صاحب[2] مدیر ''طلوعِ اسلام'' نے مجھے بتایا تھا کہ ''ضربِ کلیم'' کا اشتہار اخبار ''رہبر دکن'' میں دیا گیا ہے۔ نہ معلوم اب تک کیوں شائع نہیں ہوا۔

زیادہ کیا لکھوں۔ جاوید[3] آداب کہتا ہے اور علی بخش[4] بھی سلام عرض کرتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

حواشی و تعلیقات

۱ ''ضربِ کلیم''، اقبال کا اُردو مجموعۂ کلام، جو پہلی بار جولائی ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔

۲ نذیر نیازی: صفِ اول کے اقبال شناس، اقبال کے دانائے راز، شمس العلما سید میر حسن کے برادرزادے، ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت سیالکوٹ میں پائی۔ میٹرک ہائی سکول قادیان (بھارت) سے کیا۔ علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھے کہ مولانا محمد علی جوہر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تحریک علی گڑھ کو خیر باد کہا اور جامعہ ملیہ دہلی کا رخ کیا۔ جامعہ سے فارغ ہونے پر وہیں ۱۹۲۲ء میں منطق اور تاریخ اسلام کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ اقبال اور جامع میں رابطہ انھوں نے ہی پیدا کیا اور اقبال کو جامعہ کا تاسیسی ممبر بنوایا، چنانچہ ''پیامِ مشرق'' کا پہلا ایڈیشن جامعہ کی معرفت چھپا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں ڈاکٹر انصاری (امیر جامعہ) کی کوششوں سے جامعہ میں توسیعی خطبات کا سلسلہ

شروع ہوا۔اس کی ابتدا غازی رؤف پاشا کے خطبات سے ہوئی۔ڈاکٹر انصاری اور نیازی صاحب نے توسیعی خطبات کی صدارت کے لیے اقبالؔ کوخطوط لکھے‘اقبالؔ نے یہ دعوت قبول کر لی اور پہلے دو خطبات کی صدارت کی۔اکتوبر ۱۹۳۵ء میں نذیر نیازی نے اقبالؔ کے ایما پر ماہنامہ ’’طلوعِ اسلام‘‘ جاری کیا۔اقبال کے انگریزی خطبات کا اُردو ترجمہ ’’تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ‘‘ کے نام سے کیا۔اقبالؔ پر بعض اہم کتابیں لکھیں: مطالعہ اقبالؔ‘ مکتوباتِ اقبالؔ‘’’اقبالؔ کے حضور‘‘،دانائے راز‘‘’’اقبالیات نذیر نیازی‘‘۔

سید نذیر نیازی صرف ایک بلند پایہ ادیب‘مؤرّخ اور معلم و مترجم ہی نہ تھے بلکہ شاعر بھی تھے۔ان کے اس پہلو کا علم خاص الخاص احباب کے سوا کسی کو نہ تھا۔

مآخذ:۱) نذیر نیازی‘سید(مرتّب):مکتوباتِ اقبال‘‘ص:۳۵۱-۳۵۴

۲) ’’اقبالیات‘‘:جولائی ۹۰-۱۹۹۱ء،ص:۲۷۹-۲۷۲

۳) نسیم اختر(مقالہ نگار):سید نذیر نیازی۔’’حیات اور تصانیف(تحقیقی مقالہ:ایم۔اے)‘‘۱۹۸۳ء

۴) عبداللہ شاہ ہاشمی(مرتّب)’’اقبالیاتِ نذیر نیازی‘‘،۱۹۹۶ء

۳؎ دیکھیے خط نمبر ۵۹ تعلیقہ نمبرا

۴؎ دیکھیے خط نمبر ۵۸ تعلیقہ نمبرا

(۸۱)

لاہور

۲؍ستمبر ۳۶ء

ڈیر پروفیسر مظفر۔مجلّہ عثمانیہ مجھے مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔میں یہ مضمون غالباً پہلے بھی پڑھ چکا ہوں۔میری طرف سے آپ اپنے دوست کا بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔زیادہ کیا لکھوں گرمی کا زور کم ہو رہا ہے۔ اب کے لاہور میں بارش بہت کم ہوئی۔مثنوی فارسی ’’پس چہ باید کرد اے اقوام شرق‘‘عنقریب شائع ہوگی۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ

حواشی وتعلیقات

ا یہ کتاب اکتوبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

(۸۲)

لاہور

۵/اکتوبر ۱۹۳۷ء

Dear Dr. [i] Kureshi

السلام علیکم ملفوف خط حکیم عبدالوہاب انصاری[۱] المعروف بہ حکیم نابینا برادرِ اکبر ڈاکٹر انصاری[۲] کے لیے ہے۔ وہ حال ہی میں حضور نظام[۳] کی دعوت پر حیدرآباد گئے ہیں اور معلوم نہیں کب تک وہاں ٹھہریں گے۔ مہربانی فرما کر ان کا پتا معلوم کیجیے' اور مفلوفہ خط میری طرف سے ان کی خدمت میں پیش کر کے استدعا کیجیے کہ مطلوبہ دوا تیار کر کے ارسال فرمائیں۔ بلکہ آپ خود ان سے دوا لے کر بذریعہ پارسل ارسال کر دیں تو اور بھی اچھا ہوگا۔ براہِ عنایت میرے لیے اتنی زحمت گوارا فرمائیے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال

تحقیق متن: i انوار = ڈیر ڈاکٹر قریشی

حواشی وتعلیقات

ا حکیم عبدالوہاب انصاری جن کو عام طور پر حکیم نابینا کہا جاتا ہے' اپنے دور کے مشہور طبیب اور زبردست نبض شناس تھے۔ انھوں نے غازی پور کے ایک قصبہ یوسف پور میں ہوش سنبھالا۔ علومِ متداولہ کے ساتھ طب کی تحصیل کی۔ میر محبوب علی خان نظام دکن نے ان کی قدر دانی کی اور ان کو حیدرآباد بلا کر شاہی طبیب مقرر کیا۔ نظام دکن نے ان کو شیخ الرئیس ثانی کہا کرتے تھے۔

حکیم عبدالوہاب پیدائشی نابینا نہ تھے بلکہ آٹھ نو سال کی عمر میں چیچک نکلنے سے نابینا ہو

گئے تھے۔ اقبالؔ نے ۱۹۱۷ء میں پہلی دفعہ ان سے درد گردہ کا علاج کرایا۔ بعد میں تادمِ مرگ اقبالؔ مختلف امراض کا علاج ان سے کراتے رہے اور ان کی ادویات منگوا کر استعمال کرتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں اقبالؔ کی علامت نے تشویشناک رخ اختیار کر لیا تھا' حکیم نابینا نے ''روح الذہب قدیم'' ارور روح الذہب جدید'' اور حب تقویتِ صلب کی گولیاں ارسال کیں۔ ان کے استعمال سے اقبالؔ کے مرض کی شدت کم ہو گئی۔ اقبالؔ نے شکریہ کے طور پر ایک قطعہ لکھ کر حکیم صاحب کی خدمت میں بھجوایا۔

ہے دو روحوں کا نشیمن پیکرِ خاکی مرا　　رکھتا ہے بیتاب دونوں کو مرا ذوقِ طلب
ایک جو اللہ نے بخشی ہے مجھے صبحِ ازل　　دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذہب

حکیم صاحب طبیبِ خاص کے عہدے سے مستعفی ہو کر دہلی آ گئے اور یہیں ۱۹۴۱ء میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) اکبر حسین قریشی' ڈاکٹر: ''مطالعۂ تلمیحات''، ص:۴۶۹

۲) عبدالواحد معینی (مرتب) ''باقیاتِ اقبال''، ص:۱۴۰

۳) فیوض الرحمٰن' ڈاکٹر: ''معاصرینِ اقبال''، ص:۷۷۵۔۷۷۸

۴) رئیس احمد جعفری: ''دید و شنید''، ص:۳۲۲۔۳۲۴

۲ ڈاکٹر انصاری (ڈاکٹر مختار احمد انصاری): (۱۸۸۰ء۔۱۰ مئی ۱۹۳۶ء) حاجی عبدالرحمٰن انصاری کے فرزند' وطن یوسف پور' ضلع غازی پور (بھارت)۔ ابتدائی تعلیم بنارس میں ہوئی۔ ۱۹۰۰ء میں مدراس یونی ورسٹی سے طب کی سند حاصل کرنے کے بعد انگلستان چلے گئے' جہاں سے ڈاکٹر آف میڈیسن نیز ماسٹر آف سرجری کی ڈگری لی۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو چیئر کراس ہسپتال (لندن) میں ''ہاؤس سرجن'' مقرر ہوئے۔ وطن واپس آ کر دہلی میں اپنا مطلب قائم کیا۔ جنگِ بلقان کے زمانے میں اخوتِ اسلامی کے جذبے کے زیر اثر ڈاکٹر انصاری' ڈاکٹروں کا ایک وفد لے کر ترکی گئے اور ترک مجاہدوں کی مرہم پٹی کرتے رہے۔ واپس آ کر طبی کاموں کے علاوہ سیاسیات میں بھی دلچسپی لیتے رہے۔ خلافت کی تحریک کے سربرآوردہ رہنماؤں میں رہے۔
ڈاکٹر انصاری اور اقبالؔ کے ذاتی تعلقات انتہائی خوشگوار تھے۔ ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر انصاری نے امیرِ جامعہ کی حیثیت سے سابق وزیرِ اعظم ترکی غازی رؤف پاشا کو ہندوستان آنے کی دعوت دی' ساتھ ہی ایک لیکچر کی صدارت کے لیے اقبالؔ کو مدعو کیا۔ چنانچہ اقبالؔ نے دہلی پہنچنے کے بعد ان ہی

کے مکان پر قیام کیا۔ بعدازاں ڈاکٹر انصاری نے جامعہ کی امداد و اعانت کے لیے اپیل شائع کرائی تو اقبالؔ نے اس کی تائید کرتے ہوئے ایک تفصیلی بیان شائع کرایا۔ وفات کے بعد ڈاکٹر انصاری جامعۂ ملّیۂ اسلامیہ ''اوکھلا'' دہلی کے احاطے ہی میں دفن ہوئے۔

مآخذ: ۱) عبدالقوی دسنوی: ''اقبالیات کی تلاش''، ص:۱۵۱۔۱۶۱

۲) رئیس احمد جعفری ''دید و شنید''، ص:۳۱۰۔۳۱۱

۳؎ حضور نظام میر عثمان علی خان: ۱۶؍اپریل ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۶ء میں باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ ۲۹؍اگست ۱۹۱۱ء کو تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ عثمانیہ یونی ورسٹی، میر عثمان علی خان نے قائم کی۔ اُردو اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے چانسلر بھی رہے۔ ۱۹۴۸ء میں انڈین یونین نے ان کی ریاست کو ختم کر کے حکومتِ ہند میں شامل کر لیا۔ آپ نے ۲۴؍فروری ۱۹۶۷ء میں انتقال کیا۔ اقبالؔ کے اس شعر میں میر عثمان علی خان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

؎ اے مقامت برتر از چرخ بریں　　از تو باقی سطوت دینِ مبین

(''باقیاتِ اقبال''، ص:۱۰۹)

مآخذ: ۱) ماہر القادری (مرتب) یادِ رفتگاں (حصہ دوم)''ص:۸۴۔۱۲۴

۲) اکبر حسین قریشی، ڈاکٹر ''مطالعۂ تلمیحات''، ص:۴۷۲۔۴۷۳

۳) ماہنامہ ''زینت''، لاہور، ص:۳۳۵

(۸۳)

لاہور ۱۶؍اکتوبر ۱۹۳۷ء

ڈیر پروفیسر مظفر الدّین

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بہت جلد میرے خط کی طرف توجہ کی۔ چونکہ اب[i] حکیم صاحب دُور تشریف لے گئے ہیں اس واسطے آئندہ میں آپ ہی کو زحمت دیا کروں گا۔ اُمید ہے کہ آپ معاف فرماویں[ii] گے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل باتیں فوراً عرض کر دیجئے۔ اوّل: دس بارہ سال ہوئے جب مجھ کو درد گردہ ہوا تھا اور حکیم

صاحب قبلہ نے ہی اس کا علاج کیا تھا۔اس طویل عرصے کے بعد گزشتہ رات یعنی ۱۵/اور ۱۶/اکتوبر کی درمیانی رات کو پھر اس درد کا دورہ ہوا۔ دورہ شدید نہ تھا لیکن تمام رات اور دن کا کچھ حصہ بے چین رکھنے کے لیے کافی تھا۔ اس وقت کہ قریباً چار بجے iiiہیں مجھے افاقہ ہے۔ جو دوا بھی حکیم صاحب میرے لیے تیار فرمائیں اس میں اس امر کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ دوم: عام کمزوری۔ سوئم: عام قبض کی شکایت۔ چہارم: خون میں سوداوی جراثیم۔ یہ سب باتیں حکیم صاحب قبلہ کو معلوم ہیں میں نے صرف یاددہانی کے لیے عرض کیا ہے۔ آپ اس خط کے پہنچتے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ دوا تیار ہونے سے پہلے وہ ان باتوں کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔

میری بصارت کمزور ہوگئی ہے اس واسطے اب میری خط و کتابت یا تو جاوید کرتا ہے یا دیگر احباب۔ آپ اگر کالی سیاہی سے سفید کاغذ پر لکھیں تو آپ کا خط مَیں خود بھی پڑھ سکوں گا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ جاوید آداب کہتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

ہاں ایک ضروری بات لکھنا بھول گیا۔ حکیم صاحب سے یہ بھی دریافت کیجیے کہ آیا سونے ivکے کشتہ کا استعمال vمیرے لیے مفید ہے یا مُضر ہے۔ حکیم صاحب کے ایک دوست جنھوں نے دیر تک ان کے ساتھ کام کیا ہے یعنی شاہزادہ غلام محمد خاں کشتۂ طلا کا استعمال میرے لیے مفید بتاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کشتۂ یاقوت کا استعمال بھی وہ میرے لیے مفید بتاتے ہیں۔ مَیں نے ان سے یہی کہا تھا کہ حکیم صاحب قبلہ کے مشورے کے بغیر میں کوئی کشتہ استعمال نہیں کرسکتا۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔

تحقیقِ متن:

i انوار= چونکہ حکیم صاحب۔ ii انوار= فرمادیں۔ iii انوار= چار ہیں۔ iv انوار= سونے کا کشتہ v انوار= کشتہ میرے لیے۔

حواشی وتعلیقات:

۱ ۱۹۱۷ء میں اقبالؔ کو پہلی مرتبہ دردِ گردہ کی شکایت ہوئی۔ لالہ لاجپت رائے کے مشورے سے حکیم عبدالوہاب انصاری سے علاج کرایا' جس کے نتیجے میں جلد ہی شفا ہوگئی۔ اس کے چند سال بعد ۱۰؍جنوری ۱۹۳۴ء سے اقبالؔ کو ایک خاص تکلیف سے دو چار ہونا پڑا۔ انھوں نے عیدالفطر کی نماز کے بعد سویّوں پر دہی ڈال کر کھایا۔ سویّاں کھاتے ہی ان کی آواز بیٹھ گئی۔ حکیم صاحب سے خط وکتابت کے ذریعے مشورے طلب کرتے رہے اور وہ اقبالؔ کو مستقل طور پر دوائیں بھیجتے رہے' جن سے خاصا فائدہ ہوا۔ اس کے کچھ دن بعد حکیم صاحب حیدرآباد جا کر میر عثمان علی خان نظام دکن کے خاص طبیب ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء میں اقبالؔ کو دردِ گردہ کی دوبارہ تکلیف شروع ہوگئی چنانچہ ڈاکٹر مظفرالدین' حکیم صاحب سے دوائیں لے کر بھیجتے رہے۔

(۸۴)

لاہور

۲۵؍اکتوبر۳۷ء

ڈیر پروفیسر مظفرالدین

السلام علیکم۔ آپ کا مراسلہ پیکٹ دواؤں کا مل گیا جس کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے آپ کو کوئی ایک دفعہ اور بھی تکلیف دینا پڑے گی۔ سب تکلیفوں کے لیے ابھی سے شکریہ قبول کیجئے۔ پیکٹ میں سے ترکیبِ استعمال کا کاغذ نہیں نکلا شاید وہ آپ کے خط میں ہوگا۔ اگر نہیں تو حکیم صاحب سے دریافت کر کے مہربانی کر کے لکھیے دواؤں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) روح الذہب[۱] (۲) روح الذہب جدید (۳) حب تقویت صلب۔ واسلام

مخلص

محمدؐ اقبالؔ

حواشی وتعلیقات

ا؎ دیکھیے خط نمبر ۸۲ تعلیقہ نمبر ۱

(۸۵)

میورو وڈ، لاہور

۱۸ر نومبر ۳۷ء

ڈیر ڈاکٹر مظفر

السلام علیکم۔ حکیم صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل باتیں عرض کر دیجیے: (۱) دوا کا استعمال باقاعدہ ہو رہا ہے لیکن پیٹھ کا درد جو پہلے روح الذہب کے کھانے سے دور ہو گیا تھا اب پھر ہوتا ہے۔ یہ درد عموماً رات کو ہوتا ہے۔ دن میں نہیں۔ یہ شکایت سن کر جو کچھ حکیم صاحب ارشاد فرمائیں اس سے مجھے جلد مطلع فرمائیں۔

مخلص

محمد اقبالؔ

(۸۶)

لاہور

۲۷ر نومبر ۱۹۳۷ء

Dear Dr.[i] Muzaffar-Ud.Din

اس سے پہلے میں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ اس خط میں ایک پڑیہ ملفوف ہے جس میں وہ پتھر کا ریزہ ہے جو کل میرے پیشاب کے ساتھ خارج ہوا۔ حکیم صاحب نے جو دوا تقویتِ صلب کی ارسال فرمائی تھی اس پتھر کا اتنی جلد خارج ہونا اسی دوا کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں خاص طور پر عرض کی تھی کہ گُردوں کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ بہر حال یہ پتھر کا ریزہ ان کو دکھا دیجیے اور میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کیجیے۔

نیز مندرجہ ذیل باتیں ان کی خدمت میں عرض کیجیے:

اوّل: پُشت کا درد۔اس کے متعلق پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور آپ کے خط کا منتظر ہوں۔ یہ درد اب پہلے کی نسبت کم ہو گیا ہے۔صرف رات کو ہوتا ہے دن کو نہیں ii ہوتا اور رات کو جو سختی اس میں تھی اب اس میں تخفیف ہے۔

دوئم: بلغم۔میری طرف سے حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ اس شکایت کی طرف خاص توجہ دیں۔گرمی میں یہ بلغم بہت کم تھی۔اب جوں جوں سردی زیادہ ہوتی جاتی ہے بلغم میں زیادتی ہوتی جاتی ہے۔صبح قریباً ایک گھنٹہ تک بلغم جاری رہتی ہے۔دوسرے اوقات میں کبھی آتی ہے کبھی نہیں آتی ہے۔بلغم کچی آتی iii ہے اور اس کے نکل جانے سے آواز میں صفائی اور ترقی پیدا ہوتی ہے۔ڈاکٹروں کا یہ خیال ہے کہ قلب کے قریب سے جو نالی گزرتی ہے اس میں بلغم پیدا ہوتی ہے۔شاید اِطبّا اس کا سرچشمہ دماغ بتاتے ہیں۔بہر حال یہ خط حکیم صاحب قبلہ کو سنا دیجیے اور اگر کوئی دوا دافع بلغم وہ تجویز فرمائیں تو مہربانی کر کے اسے جلد بھجوا دیجیے۔باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔اُمید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا۔جاوید اچھا ہے۔امید ہے کہ آپ کا جاوید بھی اچھا ہوگا۔

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

تصحیح کی گئی ہے i انوار= ڈیر ڈاکٹر مظفر الدّین۔ ii انوار= رات کو ہوتا ہے اور رات کو بھی۔
iii انوار= کچی ہوتی ہے

(۸۷)

۸/دسمبر ۱۹۳۷ء

ڈیر پروفیسر قریشی

آپ کا خط مل گیا ہے۔حکیم صاحب کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت آداب عرض کریں۔ باقی رہا ان کا اعترافِ کمال سو اس وقت

ہندوستان کیا بلکہ تمام ایشیا میں اسلامی طب انھیں کے نام سے زندہ ہے۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں یہ دو شعر عرض کر دیجئے گا جو ایک علیحدہ کاغذ پر لکھتا ہوں والسلام

محمد اقبال

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کہ میری آنکھوں میں موتیا[1] اتر آیا ہے اور آپریشن ماہ مارچ میں ہوگا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ وہ سرمہ جو آپ نے عنایت فرمایا تھا مفید ثابت نہ ہوا۔ کیا اسلامی طبّ میں موتیا کا کوئی علاج نہیں؟

حواشی وتعلیقات

[1] موتیا بند (Cateract) نزول الما سے آنکھ کے عدسے یا اس کے کیسے (Capsule of eye) کا غیر شفاف ہو جانا مراد ہے۔ اسباب میں ناقص نشو ونما، ضرارت اور بڑھاپا شامل ہے۔ بصارت اکثر عملِ جراحی سے بحال کی جا سکتی ہے۔ اس کی دو قسموں میں سفید اور کالا موتیا۔ سفید موتیا کا آپریشن کے ذریعے علاج ممکن ہے لیکن تا حال کالے موتیے کا علاج ممکن نہیں ہو سکا۔
مآخذ: اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا، جلد دوم، ص: ۱۶۳۵

(۸۸)

میو روڈ۔ لاہور
۱۳ر دسمبر ۳۷ء

آپ کے گزشتہ خط سے معلوم ہوا تھا کہ حکیم صاحب نے میری بلغم اور کھانسی کے لیے ایک نئی دوا تجویز کی ہے جو دو چار روز میں بھیج دی جائے گی۔ مجھے اس دوا کا ہر روز انتظار رہتا ہے۔ مہربانی فرما کر یہ دوا جلد بھجوا دیجئے۔ عنایت ہوگی۔ باقی خدا کا فضل ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۸۹)

لاہور

۱۸؍دسمبر ۱۹۳۷ء

Dear[i] Prof Kureshi

حکیم صاحب قبلہ کی فوری توجہ مندرجہ ذیل تین باتوں کی طرف دلائیں۔

(۱) وہ دوائی جو مونگ کے دانہ کے برابر روزانہ استعمال کے لیے تھی ایک مدّت (جب سے آئی ہے) سے استعمال ہو رہی ہے مگر بلغم کی تولید پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔

(۲) تھوڑی سی حرکت کرنے مثلاً کپڑے بدلنے یا دس بیس قدم چلنے سے میرا دم پھول جاتا ہے اور اس کے بعد جب تک پانچ سات منٹ بیٹھ نہ جاؤں یا لیٹ نہ جاؤں دم ٹھیک نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں کہ یہ نتیجہ اعصاب کی کمزوری کا ہے یا پھیپھڑوں یا قلب کی کمزوری کی وجہ سے۔ یہ بات حکیم صاحب کی خاص توجہ کی مستحق ہے۔ اس سے پہلے اگرچہ دم پھولتا تھا تاہم اس طرح نہیں ہوتا تھا۔ میری استدعا یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی خاص دوا تجویز فرمائی جائے۔

(۳) معلوم ہوتا ہے کہ میرے جسم میں یورک ایسڈ کا مواد ہے جو کبھی نقرس کی شکل میں نمودار ہوتا ہے کبھی پٹھہ یا زانو کی تکلیف کی صورت میں۔ حملہ اگرچہ شدید نہیں ہوتا تاہم کوئی مہینا خالی نہیں جاتا جب یہ تکلیف نہ ہو۔ اس کے لیے بھی خاص اہتمام کی ضرورت ہے۔

مہربانی فرما کر آپ خود حکیم صاحب کے پاس جائیں اور لفظ بلفظ یہ خط ان کو پڑھ کر سنائیں اور جو کچھ وہ فرمائیں اس سے فوراً مجھے مطلع فرمائیں۔ والسلام

محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i انوار= ڈیر پروفیسر قریشی۔ زیر نظر خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

(۹۰)

ڈیر پروفیسر قریشی صاحب

سرمہ مرسلہ حکیم صاحب موصول ہو گیا ہے۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں شکریہ ادا کیجئے۔ والسلام

۳۰/دسمبر ۱۹۳۷ء[i] محمد اقبال

تحقیق متن:

i ''انوار'' میں سنہ تحریر درج نہیں ہے۔ صابر کلوروی نے اس خط کا سنہ تحریر ۱۹۳۷ء متعین کیا ہے جو صحیح ہے کیونکہ مکتوب الیہ کے نام ۸/دسمبر ۱۹۳۷ء کے خط میں بھی سرمے کا ذکر ہے۔ زیر نظر خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

(۹۱)

لاہور

۲۲/جنوری ۱۹۳۸ء[i]

ڈیر پروفیسر قریشی

آپ کا خط آج موصول ہوا ہے۔ میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ گولیاں ارسال کردہ حکیم صاحب موصول ہو گئی ہیں۔ معجون جس کی نسبت آپ لکھتے ہیں کہ ترک کر دی جائے وہ میں نے پہلے ہی ترک کر دی تھی۔ باقی ایک معجون حکیم صاحب کی بھیجی ہوئی میرے پاس اور ہے جو مونگ کے برابر ناشتہ کے درمیان کھائی جاتی تھی۔ اگر حکیم صاحب کا ارشاد[ii] ہے تو بدستور سابق اسی کا استعمال کیا جائے گا۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں اس کا استعمال شروع کروں آپ حکیم صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل باتیں عرض کریں:

ڈاکٹر صاحب کے معائنہ کے مطابق قلب اور پھیپھڑوں کی حالت اچھی ہے۔ حکیم قرشی[1] صاحب جو ہمارے طبیہ کالج کے پرنسپل ہیں ان کو نبض

بھی دکھائی گئی تھی۔ وہ بتاتے ہیں کہ نبض کی حالت بھی اچھی ہے۔ عام دیکھنے والے بھی میرے چہرے سے بیماری کا قیاس نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ میری سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ ذراسی حرکت سے میرا دم پھول جاتا ہے۔ تھوڑا سا چلنا پھرنا' کپڑے بدلنا' پاخانے آنا جانا' یہاں تک کہ مسلسل پانی کا آدھا گلاس پینا یہ سب چیزیں تنفس پر اثر کرتی ہیں۔ بعض دفعہ رات کو پچھلے پہر بھی تنفس تکلیف دیتا ہے اور حکیم قرشی صاحب کے جوشاندہ جس میں عناب' گاؤ زبان اور ابریشم وغیرہ ہے' کے پینے سے آرام ملتا ہے۔ ریح کے اخراج سے بھی تنفس پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تنفّس کی تکلیف شدت برودت کی وجہ سے ہے یا ریح کی وجہ سے۔ حکیم صاحب قبلہ بہتر اندازہ کر سکتے ہیں' غالباً ریح کی وجہ سے ہے۔ قریباً چار سال ہوئے ہیں حکیم صاحب نے فرمایا تھا کہ تمھاری بیماری اصل میں مرض دمہ کی ایک ہلکی سی صورت ہے۔ اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کا ارشاد بالکل بجا تھا۔ تنفس کی یہ حالت اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ کچھ نہ کچھ دم پھولتا تھا مگر موجودہ حالت صرف اسی موسمِ سرما میں ہوئی ہے' اس سے پہلے نہ تھی۔ اس واسطے میری استدعا ہے کہ حکیم صاحب ان حالات کی طرف خاص توجہ فرمائیں یہ حالت سننے کے بعد اگر حکیم صاحب کا یہ ارشاد ہو کہ وہی مونگ کے دانہ والی معجون کا استعمال جاری رکھنا مناسب ہے تو میں اس [کا] استعمال کروں گا۔

حکیم قرشی صاحب جن کا مَیں نے اوپر ذکر کیا ہے فرماتے ہیں کہ دواء المسک اور خمیرہ گاؤ زبان عنبری کا استعمال میرے لیے بہت مفید ہوگا۔ مہربانی فرما کر آپ اس بارے میں حکیم صاحب سے مشورہ فرمائیں اور جو کچھ ان کی رائے ہو اس سے مجھے مطلع فرمائیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ بھی بخیریت ہوں گے۔ لاہور میں سردی کی بہت شدت ہے۔

والسلام

محمد اقبال

تحقیقِ متن:

i انوار = ۱۹۳۷ء صابر کلوروی صاحب کے مطابق صحیح ۱۹۳۸ء ہے (اشاریۂ مکاتیب، ص:۹۱)

ii انوار = ارشاد ہو.....زیرِ نظر خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی و تعلیقات:

۱ حکیم قرشی (محمد حسن قرشی): (۱۸۹۶ء؛ ۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء) برّصغیر کے ممتاز طبیب، گجرات میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی اور طبی تعلیم کا آغاز اگرچہ لاہور سے کیا تاہم دہلی میں تکمیل کی۔ پھر طبیہ کالج دہلی میں پروفیسر ہوگئے بعدازاں بمبئی میں مطب کرنے لگے۔ ۱۹۲۰ء میں لاہور آ گئے۔ ۱۹۳۶ء میں حکومتِ حیدرآباد اور ۱۹۴۶ء میں حکومتِ ہندوستان کی مقرر کردہ طبی کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔ وہ طبیہ کالج کمیٹی لاہور کے صدر، انجمن حمایتِ اسلام کے نائب صدر اور آل پاکستان آیورویدک یونانی طبی کانفرنس کے تاحیات صدر رہے۔ پنجاب یونی ورسٹی نے انھیں ایران میں منعقدہ بوعلی سینا کی برسی کے لیے اپنا مندوب مقرر کیا۔ حکومت پاکستان کی سائنسی صنعتی کونسل کی جانب سے مقرر کردہ ادویہ کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ سالہا سال انھیں طبیہ کالج لاہور کا پرنسپل ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ انھوں نے متعدد طبی کتابیں لکھیں۔ مشرقِ وسطیٰ اور موتمر عالمِ اسلامی کانفرنسوں میں بھی شرکت کرتے رہے۔ انھیں ان کی طبی خدمات کے صلے میں شفاء الملک کا خطاب دیا گیا۔

حکیم قرشی، اقبالؔ کے دوست اور معالج بھی رہے۔ انھوں نے اقبالؔ کو پہلے پہل ۱۹۰۹ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں نظم ''شکوہ'' سناتے دیکھا۔ ''شکوہ'' کے علاوہ انھوں نے ''اسرارِ خودی'' کے بعض اجزا، ''خضرِ راہ'' اور ''طلوعِ اسلام'' کو انجمن کے جلسوں میں سنا۔ اقبالؔ کی نظموں کے علاوہ انھوں نے ان کی متعدد سیاسی اور علمی تقریریں بھی سنیں۔ اقبالؔ طبِ یونانی کے معترف نہ تھے لیکن حکیم صاحب نے انھیں طبِ یونانی کی خوبیوں اور صفات کا کسی حد تک معترف کر لیا تھا۔ اقبالؔ حکیم نابینا سے گلے کا علاج کرانے کے ساتھ ساتھ حکیم قرشی سے بھی مشورہ کرتے تھے۔ غرض حکیم صاحب سے اقبالؔ کے آخری دم تک مخلصانہ روابط قائم رہے۔

مآخذ: ۱) ''نقوش''، لاہور نمبر، ص:۸۳۷

۲) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: ''ملفوظاتِ اقبال مع حواشی و تعلیقات''، ص:۲۷۶۔۲۹۱

۳) فیوض الرحمٰن ڈاکٹر: ''معاصرین اقبال'' ص:۹۵۷-۹۶۰
۴) آفتاب احمد قریشی (حکیم): ''کاروانِ شوق'' ص:۴۸۲-۴۸۴

(۹۲)

لاہور
۲۲رجنوری ۱۹۳۸ء[i]
ڈیر پروفیسر قریشی

عرضِ حال پہلے خط میں کر چکا ہوں جو اُمید ہے کہ آپ تک پہنچ گیا ہوگا اور آپ نے اسے حکیم صاحب کی خدمت میں پڑھ کر سنا بھی دیا ہوگا۔ آج معلوم ہوا کہ تینوں قسم کی گولیاں یعنی روح الذہب قدیم' روح الذہب جدید اور حب تقویت صلب قریب الاختتام ہیں۔ شاید دس بارہ روز کے لیے ہوں۔ باقی وہ دوائی جو مونگ کے دانے کے برابر کھائی جاتی ہے ابھی کافی ہے۔ اس کی نسبت میں پہلے خط میں لکھ چکا ہوں کہ بلغم پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ باقی حالات پہلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور آپ کا بچہ بھی خوش وخرم ہوگا۔ والسلام

محمدؐ اقبال

تحقیقِ متن: i انوار= ۱۹۳۷ء اقبال سے سنہ لکھنے میں سہو ہوا ہے۔

(۹۳)

۳۱رجنوری ۱۹۳۸ء
ڈیر پروفیسر قریشی

دوائی جو آپ نے ارسال کی ہے آج موصول ہوگئی ہے۔ کل سے اِن شاءاللہ اس کا استعمال شروع ہوگا اور ایک ہفتے کے بعد ان شاءاللہ اس کے اثرات سے مطلع کروں گا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلغم[1] اگر بند ہو جائے تو کسی قدر تکلیف دیتی ہے اور اگر ہر صبح آسانی کے ساتھ نکل جائے تو مقابلتاً حالت بہتر رہتی ہے۔ بہرحال جو دوائی آپ نے اب بھیجی ہے اس کے

استعمال کے بعد زیادہ یقین کے ساتھ کہہ سکوں گا۔ دوسری بات جو حکیم صاحب کی توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ میرے انگوٹھے، زانو یا جسم کے اور حصوں میں کبھی کبھی درد ہوتا ہے۔ یہ درد اگرچہ شدید نہیں ہوتا تاہم دو چار دن تکلیف ضرور دیتا ہے۔ ہر مہینے میں ایک آدھ دفعہ ضرور ہوتا ہے۔ تھوڑی سی حرکت سے دم پھول جانے کے متعلق میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ یہ بات سب سے زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ قبض کی شکایت بھی عموماً رہتی ہے۔ تین چار روز ہوئے ڈاکٹر سے قلب اور پھیپھڑوں کا معائنہ کرایا تھا۔ وہ دونوں کی حالت ٹھیک بتاتے ہیں۔ روح الذہب کے ساتھ اگر کوئی معجون حکیم صاحب ایسی تیار فرمائیں کہ جس میں درد، بلغم اور دم پھول جانے یعنی تینوں باتوں[ii] کا خاص لحاظ رکھا جائے تو شاید یہ معجون بہت موثر ہو۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت آداب عرض کریں۔ والسلام

محمد اقبال

تحقیق متن:

[i] انوار=بلغم بند ہو۔ [ii] انوار=تینوں کا۔ خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

(۹۴)

لاہور ۳ر فروری ۱۹۳۸ء

ڈیر پروفیسر قریشی

معجون جو آپ نے حکیم صاحب سے لے کر ارسال کی ہے وہ میں نے دو روز استعمال کی ہے اور دو روز میں اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ بلغم کا اخراج بہت کم ہو گیا ہے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ بلغم کی تولید بھی کم ہو گئی ہے کیونکہ بلغم کا اخراج نہ ہونے سے میری آواز پر نمایاں اثر پڑا ہے یعنی گلا بیٹھ گیا ہے۔ پہلے یہ تھا کہ بلغم کے ہر صبح اخراج ہو جانے سے آواز صاف رہتی تھی لیکن اس دوائی کے استعمال سے اخراج تو کم ہوتا ہے مگر آواز

بیٹھ جاتی ہے۔ تولید پر میرے خیال میں اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ آپ نے سُرمہ کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس کا جواب لکھنا میں بھول گیا۔ آپ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کریں کہ اس سرمے سے بینائی میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب یہی کہتے ہیں کہ سرموں سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ مارچ یا اس کے بعد میں آپریشن کا وقت بتاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکیم صاحب کی خدمت میں یہ بھی عرض کریں کہ میری بھوک کم ہوگئی ہے اور نیند بھی پہلے کی طرح مسلسل نہیں آتی۔ رات کو میں چھ سات (گھنٹے) سوتو لیتا ہوں مگر یہ نیند مسلسل نہیں ہوتی[i]۔ جاوید آداب کہتا ہے۔ امید ہے کہ آپ کا بچہ تندرست ہوگا۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i انوار= مسلسل نہیں آتی۔ جاوید آداب۔ زیرِ نظر خط اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود عکس کے مطابق مرتّب کیا گیا ہے۔

(۹۵)

لاہور

۱۶ر فروری ۳۸ء[i]

ڈیر پروفیسر قریشی

گولیاں جو آپ نے حکیم صاحب سے لے کر ارسال فرمائی ہیں موصول ہوگئی ہیں۔ باقی دوا کا انتظار ہے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے عرض کیا ہے مجھ کو زیادہ تر شکایت ایسی بھی ہے کہ ذرا سی حرکت سے دم پھول جاتا ہے اور کبھی کبھی رات کو تنفّس کی تکلیف بھی ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہ شدّتِ سرما کی وجہ سے ہو جو آج کل لاہور میں غیر معمولی طور پر وسط فروری میں نمایاں ہوگئی ہے۔ کم خوابی کی بھی شکایت ہے۔ مسلسل نیند صرف رات کے آخری گھنٹوں

میں آتی ہے۔ پہلے گھٹنوں میں وقتاً فوقتاً اس میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ سرمے کی نسبت میں پہلے لکھ چکا ہوں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ باقی آپ کہتے ہیں کہ حیدرآباد آیئے۔ دل تو حکیم صاحب سے ملنے کو بہت چاہتا ہے اور ملاقات کی ضرورت بھی ہے۔ اس کے علاوہ حیدری صاحب بھی دعوت دیتے ہیں مگر افسوس کہ صحت اتنے طویل سفر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ عثمانیہ یونی ورسٹی[1] نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجھ کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی جائے۔ اس فیصلے کے لیے میں صدر اعظم صاحب اور نواب مہدی یار جنگ بہادر[2] کا شکرگزار ہوں۔ نواب مہدی یار جنگ صاحب نے لکھا تھا کہ حیدرآباد آیئے' آپ کی آسایش کا پورا انتظام کیا جائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ صحت اجازت نہیں دیتی۔ حیدری صاحب نے مجھ پر ایک مزید عنایت کی اور وہ یہ کہ اقبال ڈے کے موقعے پر حضور نظام کے توشہ خانے سے بھی ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا مگر افسوس کہ میں ان[ii] کے اس عطیے کو قبول نہ کر سکا[3]۔ باقی خُدا کے فضل سے خیریت ہے۔ امید ہے [iii] آپ کا بچہ اچھا ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

تحقیق متن:

i انوار=۱۹۳۸ء ii انوار= میں اس عطیے۔ iii انوار= امید ہے کہ۔ خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی وتعلیقات:

[1] عثمانیہ یونی ورسٹی: سر راس مسعود کے قیامِ حیدرآباد کا زرّیں کارنامہ ''جامعۂ عثمانیہ'' کا قیام ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام کے سلسلے میں پہلی آواز ۱۸۷۳ء میں محمد حسین (المعروف نواب الفتیار جنگ) نے بلند کی تھی۔

انھوں نے ''جامع العلوم'' کے قیام کے لیے ایک اپیل شائع کی تھی۔ ۱۸۸۳ء میں ایک انگریز مسٹر بلنٹ نے جامعہ مشرقی کا خاکہ مرتّب کر کے نواب میر محبوب علی خان کی خدمت میں باغِ عامہ کے

اجلاس میں پیش کیا۔ بلنٹ کے برطانیہ چلے جانے کی بنا پر یہ سلسلہ وقتی طور پر بند ہو گیا۔ حیدر آباد ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے اجلاس منعقدہ اورنگ آباد کی صدارت کرتے ہوئے ۱۹۱۴ء میں سر اکبر حیدری نے کہا تھا کہ ہمیں ایک جدید یونی ورسٹی کی ضرورت ہے جہاں تعلیم عملی ہو اور امتحان بھی اور ساتھ ہی ساتھ تالیف و ترجمہ کا کام بھی کرے۔ سر اکبر حیدری کی جانب سے تیار کردہ عرضداشت جس میں راس مسعود نے بھی حصہ لیا تھا' ۲۲ر ستمبر ۱۹۱۸ء کو نظام دکن میر عثمان علی خان نے کلیہ جامعہ عثمانیہ کے قیام کی منظوری دے دی اور یونی ورسٹی کا افتتاح ۲۸ر اگست ۱۹۱۹ء کی صبح دس بجے آغا محمد حسن کی رہایش (واقع سانچہ توپ) میں ہوا۔ اس تقریب کی صدارت مولوی حبیب الرحمٰن شیروانی نے کی۔ کلیہ جامعہ کے اوّلین عارضی صدر کے طور پر نواب مسعود جنگ (سر راس مسعود) ۲۸ر اگست ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۰ء کام کرتے رہے۔

مآخذ: ۱) فتح محمد خان (مقالہ نگار): ''اقبالؔ اور راس مسعود'' (مقالہ: ایم۔فل) ۱۹۹۴' ص: ۲۶۔۲۷

۲) مجیب الاسلام ڈاکٹر: ''دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی وادبی خدمات''' ص: ۱۳۔۳۸

۲؎ نواب مہدی یار جنگ: عماد الملک سیّد حسین بلگرامی کے فرزند تھے۔ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ آکسفورڈ سے بی اے اور ایم اے کیا۔ ۱۹۱۱ء میں نظام کے پولیٹیکل سیکرٹری اور ۱۹۱۵ء میں فنانس سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں عثمانیہ یونی ورسٹی کے پرنسپل منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں ریاست کے نمایندے کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ ۱۹۴۸ء میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) ''داستانِ ادب حیدر آباد'' ص: ۱۸۹

۲۔ "Muslims in India, A Bioghraphical Dictionary Vol:II",P:51

۳؎ اس واقعے کا ذکر ''ارمغانِ حجاز'' کی ایک نظم میں موجود ہے' جس کا آخری شعر یہ ہے:

؎ غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول ‫ ‫ جب کہا اس نے یہ ہے میری خُدائی کی زکات

(کُلیاتِ اُردو' ص: ۷۵۳) مزید دیکھیے: خط نمبر ۹۱ بنام سر اکبر حیدری (تعارف)

(۹۶)

لاہور

۱۸ر فروری ۱۹۳۸ء

ڈیر پروفیسر قریشی

مَیں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں مفصل حالات عرض کر دیے تھے۔ امید ہے کہ آپ نے وہ خط حکیم صاحب کو سنا دیا ہوگا۔ یہ خط بھی اس کے ہمراہ سنا دیجئے۔

کل آپ کو لکھ چکنے کے بعد رات کو مجھے تنفس کی بہت تکلیف رہی قریباً ۱۲ر بجے شب سے ۳ بجے صبح تک۔ صبح اٹھ کر مَیں نے ڈاکٹر کو بلوایا اور معائنہ کروایا۔ انھوں نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ دمہ ہے۔ مگر اس دمہ کو پھیپڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ وہ دمہ ہے جو قلب کے اعصاب کی کمزوری سے پیدا ہوتا ہے۔ مَیں تو خیال کرتا تھا کہ شاید شدتِ سرما یا ریح کے باعث تکلیف ہو جاتی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ اس کی اصل وجہ قلب کی کمزوری ہے۔ حکیم صاحب کا بھی یہی خیال تھا کہ اسی واسطے مَیں نے ان کو ڈاکٹری معائنے کے نتیجے سے مطلع کرنا ضروری سمجھا ہے تا کہ اگر میرے لیے کوئی اور معجون تیار کریں تو اس نتیجہ کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔ باقی حالات آپ کو پہلے لکھ چکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

''انوار کا متن اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود عکس کے مطابق ہے۔

(۹۷)

جاوید منزل

۲۹ر مارچ ۱۹۳۸ء[i]

ڈیر پروفیسر مظفر الدین

افسوس ہے مَیں اتنے دنوں تک آپ کو یا کسی اور دوست کو کوئی خط نہیں لکھ سکا۔ دمہ کے متواتر دوروں سے بہت تکلیف رہتی [ہے] یہاں تک کہ ایک وقت زندگی سے بھی مایوسی ہوگئی۔ اُسی[iii] وقت نیازی صاحب کے

اصرار سے یہ غلطی کی گئی کہ حکیم صاحب کی آمد کی کوشش کرنے کے لیے آپ کو تار دیا گیا۔مَیں اس غلطی کے لیے جس کے ذمہ دار زیادہ تر میرے احباب ہیں' بہت نادم ہوں۔ میں اچھی طرح سے iii جانتا ہوں کہ وہ حضور نظام کے پرائیویٹ ملازم ہیں۔سیکڑوں مریض ان کے زیرِ علاج ہوں گے جن کو چھوڑ کر آنا ان کے لیے نہایت مشکل ہے۔اس کے علاوہ اتنے طویل سفر کے متحمل نہیں۔ بہر حال آپ حیدری صاحب کی خدمت میں اس غلطی کی معذرت کر دیجیے اور اس کے لیے مزید کوشش ترک کر دیجیے۔

دو دوائیاں جو آپ نے بھیجی تھیں ان کا استعمال آج آٹھ نو روز سے جاری ہے۔دوروں کے تواتر میں بہت افاقہ ہے اور صحت اپنی اصل حالت کی طرف رفتہ رفتہ عود کر رہی ہے۔ ہاں کبھی پیٹھ کا درد جس کا حال حکیم صاحب[کو] اَچھی طرح سے معلوم ہے باقی ہے یا ایک مدّت کے بعد عود کر آئی ہے۔ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ اس درد کا تعلق بھی قلب کی کمزوری سے ہے۔ حکیم صاحب کی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔پیٹھ کے اوپر نصف حصہ میں یعنی گردن سے لے کر دونوں شانوں کے درمیان تک یہ درد ہوتی ہے۔اس شکایت کے علاوہ دوسری شکایت یہ ہے کہ اجابت باقاعدہ کھل کر نہیں ہوتی ہے۔تیسری شکایت یہ ہے کہ رات کو نیند شب کے پہلے حصہ میں کم آتی ہے۔ آخری حصہ میں البتہ کچھ نیند آتی ہے۔پیٹھ کی درد بالعموم رات کو ہوتی ہے۔یہ تینوں شکایات یعنی

(۱) پیٹھ کی درد

(۲) اجابت کا کھل کر نہ ہونا اور

(۳) نیند کی کمی

حکیم صاحب کی خصوصی توجہ کے لائق ہے۔میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت سلام اور شکر یہ عرض کیجئے۔اگر ان کی مرسلہ دوائیوں سے مجھ کو مقابلتاً کچھ صحت ہوگئی اور مَیں سفر کے لائق ہو گیا تو بہت ممکن ہے کہ مَیں خود ان کی خدمت میں زبانی مشورت کے لیے حاضر ہوں گا۔فی الحال ڈاکٹروں نے

مجھ کو سفر سے بالکل منع کر دیا ہے یہاں تک کہ اگر ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک جانا ہو تو مجھ کو چارپائی پر ہی لے جایا جاتا ہے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ حیدری صاحب کی خدمت میں اگر آپ حاضر ہوں تو میری طرف سے سلام عرض کر دیجیے۔ باقی جو شعر انھوں نے طلب فرمائے ہیں مَیں ان کی خدمت میں عرض کروں گا۔ پہلا شعر میرے ذہن سے اتر گیا ہے اگر وہ شعر یاد آ گیا اور اگر یاد نہ آیا تو نیا شعر لکھ کر تینوں شعر لکھ کر بھیج دوں گا۔ آپ ان کو اطمینان دلائیں۔

آپ کے جاوید کو پیار۔ والسلام

اس خط کا جواب اور اگر حکیم صاحب کوئی دوائی تجویز فرمائیں تو دوا جلد ارسال فرمائیں۔

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i صابر کلوروی صاحب کے مطابق اس کا سنہ تحریر ۱۹۳۸ء ہے اور یہی درست بھی ہے۔ کیونکہ (اشاریۂ مکاتیب'' ص:۹۱) ۳۰/مارچ کے خط میں اس خط کا ذکر ہے۔

ii انوار=اس۔ iii انوار=اَچھی طرح جانتا۔

(۹۸)

اپریل ۱۹۳۸ء[i]

ڈیر پروفیسر مظفر الدین

اس سے پہلے دو خط لکھ چکا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ نے وہ دونوں خطوط حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کر دیئے ہوں گے جس سے ان کو میری تمام موجودہ شکایات معلوم ہو گئی ہوں گی۔ جو دوا آپ نے بھیجی تھی وہ بیس روز کے لیے تھی۔ آج بارہ روز گزر گئے ہیں صرف ۸ روز کی خوراک باقی ہے۔ یہ آٹھ روز اس خط و کتابت میں صرف ہو جائیں گے اور جب یہ خط آپ کو ملے گا میرے پاس صرف چار روز کی دوا ہو گی۔ مہربانی کر کے اس خط

کے پہنچتے ہی حکیم صاحب کی توجہ دلائیں۔ان شکایات کا ملحوظ رکھتے ہوئے جو میں پہلے خطوں میں لکھ چکا ہوں یا تو اسی دوا میں ترمیم کی جائے یا کوئی اور دوا تجویز فرمائی جائے۔

حیدری صاحب کے مطلوبہ اشعار علیحدہ کاغذ پر لکھتا ہوں۔ یہ ان کی خدمت میں پیش کر دیجیے۔افسوس ہے کہ تیسرا شعر میرے حافظہ سے اتر گیا ہے مگر موجودہ دونوں شعر بھی بہت مربوط ہیں۔ اِن شاءاللہ تندرست ہونے پر اور بھیج دوں گا۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور میں موجود ہے۔''انوار'' کا متن عکس کے مطابق ہے۔صابر کلوروی نے اس خط کی تاریخِ تحریر اپریل ۱۹۳۸ء متعین کی ہے' یہ مکتوب الیہ کے نام آخری خط ہے۔
(اشاریہ مکاتیب' ص:۹۱)

(۹۹)

لاہور

جاوید منزل

۳۰/مارچ ۳۸ء

ڈیر پروفیسر مظفرالدین

کل مَیں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں مَیں نے اپنی[i] تین شکایات لکھی تھیں یعنی اجابت کا کھل کر نہ ہونا' نیند کا نہ آنا اور پیٹھ کا درد۔ دو باتیں اور تھیں جن کو میں[ii] لکھنا بھول گیا۔ یعنی پیشاب کا کم آنا۔ ایک پاؤں میں خفیف سا ورم ہونا جو غالباً خرابی جگر کی علامت ہے۔ یہ باتیں اس سے پہلے نیازی صاحب حکیم صاحب کی خدمت میں لکھ چکے ہیں۔ احتیاطاً میں بھی لکھتا ہوں۔

مَیں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے حیدر آباد کی طرف سے میرے اعتراض کیے جانے کے متعلق حیدری صاحب سے ذکر کیا ہے۔ شاید آپ کو

سارے حالات معلوم نہیں اس وجہ سے آپ نے ان سے ذکر کر دیا۔ ورنہ حالات
اس قسم کے ہیں کہ حیدری صاحب سے اس بات کا ذکر کرنا نامناسب[1] ہے۔
آیندہ احتیاط رکھنا چاہیے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ آپ کے بچے جاوید کو دعا۔

محمدؐ اقبال

تحقیقِ متن:

زیرِ نظر خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔i انوار= مَیں نے تین
iii انوار= جن کو لکھنا۔

حواشی وتعلیقات:

[1] دیکھیے خط نمبر ۱۹ کا تعارف (سراکبر حیدری)۔

بنام ضیاء الدین برنی

تعارف:

ان کا خاندان پنجاب سے دِلّی آیا تھا۔۳رفروری ۱۸۹۰ء کو پیدا ہوئے۔ دِلّی میں چھتّہ لال میاں میں رہے۔ اصل نام ضیاء الدّین احمد تھا۔ جب یہ مختلف اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھنے لگے تو خواجہ حسن نظامی نے ان کو (۶۸۴ھ۔۱۲۸۵ء) مصنف ''تاریخِ فیروز شاہی'' کے نام ان کی مناسبت سے برنی کا لقب عطا کیا۔ اس کے بعد اس نام سے ادبی حلقوں میں مشہور ہو گئے۔ یہ ۱۹۱۵ء تک تھوسوفیکل ہائی اسکول کانپور میں ٹیچر رہے۔ ۱۹۱۶ء میں Translation Office بمبئی میں ملازم رہے۔

انھوں نے سی ایف اینڈریوز (C.F.Andrews) کی مشہور کتاب ذکاء اللہ دہلوی (Zakaullah of Dehlive) کا ترجمہ ''عظمتِ رفتہ'' کے نام سے کیا۔ مشاہیر کے حالات لکھے۔ عطیہ فیضی کی کتاب ''اقبال'' کا اُردو میں ترجمہ کیا' جو ستمبر ۱۹۵۶ء میں اقبال اکادمی کراچی سے شائع ہوا۔ ان کی ایک اور تصنیف ''اخباری لغات'' تھی جس کو یہ اقبال کے نام معنون کرنا چاہتے تھے۔ تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان آ گئے اور یہیں ۱۹۶۹ء میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) ماہر القادری (مرتب): ''یادِ رفتگاں) حصہ اوّل)'' ص: ۳۸۱۔۳۸۴

۲) محمود الرحمٰن، ڈاکٹر: ''مت سہل ہمیں جانو''، ص ۱۰۴۔۱۰۵

(۱۰۰)

مکرم بندہ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ میں اس عزت کا نہایت مشکور ہوں جو آپ مجھے دینا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ میں اسے قبول کرنے سے قاصر ہوں اور اس وجہ سے کہ مجھے اس قسم کے نام ونمود[۱] سے قطعی اجتناب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے معاف فرماویں گے۔

تعجب ہے کہ اس واقعہ کو آپ کشیدگی تعلقات[۲] سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اس واقعہ سے پہلے میرے آپ کے کوئی تعلقات نہیں تھے اور میں نے اس موقع پر جو کچھ عرض کیا تھا اس میں مَیں اخلاقی اعتبار سے بالکل حق بجانب تھا۔ اس کو آپ بخوبی سمجھتے تھے اور یقیناً اب بھی سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا یا اب ہوتو میں ہر طرح آپ کی مدد کے لیے حاضر ہوں۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال[i]

تحقیقِ متن:

زیرِنظر خط کا عکس ''کلیاتِ مکاتیب اول'' (ص: ۳۶۳) میں شامل ہے۔ i انوار = آپ کا خادم محمد اقبال (دیکھیے: عکس)

حواشی وتعلیقات

۱ برنی صاحب چاہتے تھے کہ وہ اپنی کتاب ''اخباری لغات'' کو اقبال کے نام سے معنون کریں، اس کے لیے انھوں نے اقبال سے اجازت طلب کی تھی۔

۲ لاہور میں جب اقبال سے ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں برنی صاحب کو معلوم ہوا کہ اقبال بی۔اے کے فلسفے کے مضمون کے ممتحن ہیں۔ انھوں نے جسارت کر کے اپنا رول نمبر پیش کر دیا۔ جس پر اقبال خفا ہو گئے اور ملاقات منقطع ہو گئی۔ ''کشیدگیِ تعلقات'' سے اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

مآخذ: محمود الرحمٰن، ڈاکٹر: ''مت سہل ہمیں جانو''، ص: ۱۰۳، ۱۰۴۔

(۱۰۱)

لاہور ۲۰ راپریل ۱۵ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اگر کتاب[۱] کو میرے نام سے معنون کرنے سے اس کی قدر و قیمت میں کوئی اضافہ ہوسکتا جو آپ کی مالی منفعت یا کسی اور فائدے کا باعث ہوتا تو میں ضرور اجازت دے دیتا مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کا یہ اثر نہیں ہوسکتا کہ مجھے اخباری دنیا یا اخبار نویسی سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر چونکہ آپ مُصر ہیں اس واسطے میں اپنا پہلا خط واپس لیتا[i] ہوں اور یہ عرض کرتا ہوں کہ میں کتاب دیکھ کر ہی آخری فیصلہ کروں گا۔ لیکن آپ مجھ سے یہ عہد کریں کہ اگر کتاب دیکھ کر میں نے اجازت نہ دی تو آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے۔

اس واقعے کا کوئی اثر میرے دل پر نہ تھا اور نہ اب ہے۔ آپ بلا تکلف جب چاہیں میرے غریب خانے پر تشریف لاویں۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال

تحقیقِ متن:

زیرِ نظر خط کا عکس ''کلیاتِ مکاتیب، اوّل'' (ص: ۳۶۵) میں شامل ہے۔ i = واپس کرتا ہوں۔ (دیکھیے: عکس)

حواشی وتعلیقات:

۱ کتاب سے مراد ''اخباری لُغات'' ہے

(۱۰۲)

مکرم بندہ

آپ کی کتاب مفید ثابت ہوگی۔ اُردو خوانوں کے لئے بالخصوص اس قسم کی کتاب کی ضرورت تھی۔ اگر آپ اس کتاب کے ڈیڈیکیشن سے مجھے

معزز کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کی راہ میں حائل ہونا نہیں چاہتا۔ شوق سے ڈیڈیکیٹ کیجیے۔ والسلام

آپ کا خادم محمدؐ اقبالؔ لاہور

۲۲ر مئی ۱۵ء

(۱۰۳)

لاہور ۳۰ر اکتوبر ۱۵ء

مکرمی۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔ تصوف کی کتاب پر نظر ثانی کرنے کے لیے میں کسی طرح اہل نہیں کیونکہ مجھے تصوف سے معمولی واقفیت ہے اور وہ بھی سطحی۔ اس کام کے لیے موزوں تر آدمی خواجہ حسن نظامی[۱] ہیں۔ میری رائے میں تصوف پر بہت سی کتابیں تمام اسلامی زبانوں میں موجود ہیں جن کا مطالعہ عام اسلامی پبلک کے لیے کچھ مفید ثابت نہیں ہوا۔ البتہ اگر آپ تصوف کی تاریخ لکھیں اور بتائیں کہ تاریخی اعتبار سے تصوف کا تعلق اسلام سے ہے یا نہیں تو یہ رسالہ نہایت مفید ثابت[۲] ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم محمدؐ اقبالؔ لاہور

حواشی وتعلیقات: ۱ دیکھیے خط نمبر (۲)

۲ برنیؔ صاحب تھیوسوفیکل اسکول کانپور میں ٹیچر تھے تو انھیں تصوف پر ایک مضمون لکھنے کے لیے کہا گیا تھا۔ انھوں نے خواہش کی کہ اقبالؔ ان کے مضمون پر نظر ثانی کر دیں۔

(ب۔ا۔ڈار، ص:۱۴۳)

(۱۰۴)

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

افسوس ہے کہ مجموعۂ اشعار اب تک شائع نہ ہو سکا۔ امید ہے کہ جنگ کے بعد شائع ہوگا۔ ''مینار دل پہ اپنے......الخ'' اس غزل کو اس قصے سے کوئی

تعلق نہیں جو آپ نے سنا ہے[1]۔ پیغام محبت کے جواب میں جو نظم مَیں نے لکھی تھی وہ اور ہے۔ مدت ہوئی ''مخزن'' میں شائع ہوئی تھی۔ مہدی[2] و مسیح[3] کے متعلق جو احادیث ہیں ان پر علامہ ابنِ خلدون[4] نے اپنے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے۔ ان کی رائے میں یہ تمام احادیث کمزور ہیں۔ جہاں تک اصولِ فن تنقیدِ احادیث کا تعلق ہے میں بھی ان کا ہم نوا ہوں مگر اس بات کا قائل ہوں کہ مسلمانوں میں کسی بڑی شخصیت کا ظہور ہوگا۔ احادیث کی بنا پر نہیں بلکہ اور بنا پر میرا عقیدہ یہی ہے۔

ماجد علی[5] صاحب کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری نہ اس فقرے کا مطلب پوری طرح ذہن میں آیا ہے کہ کچھ عرض کرسکوں۔ جو سوال آپ نے مجھ سے کیا ہے اس سے پہلے یہ طے ہونا چاہیے کہ Consistence کیا ہے؟ ممکن ہے کہ یہ خود نقیضین کی تحلیل اور ہم آغوشی ہو[6]۔ یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے جس کے متعلق اس خط میں لکھنا آسان نہیں۔ اس کا فائدہ کچھ نہ ہوگا کہ آپ میرا مفہوم نہ سمجھ سکیں گے۔

محمد علی صاحب[7] کے شعر مَیں سن چکا ہوں۔ آپ نے ان کو اپنے خط میں نقل کرنے کی زحمت کی، اس کے لیے شکر گزر رہوں۔ والسلام

آپ خادم محمدؐ اقبالؔ لاہور

۳۱ راگست ۱۶ء

حواشی وتعلیقات:

[1] اقبالؔ کی ابتدائی دور کی غزلوں میں سے ایک غزل (بانگِ درا، ص:۱۱۲) کا مقطع ہے:

واعظ ثبوت لائے جو مئے کے جواز میں — اقبالؔ کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

اسی غزل کا ایک اور شعر تھا جو ''بانگ درا'' کی طباعت کے وقت حذف کر دِ گیا:

مینارِ دل پہ اپنے خدا کا نزول دیکھ — یہ انتظارِ مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

برنؔی صاحب نے ''مینارِ دل'' کی ترکیب سے اندازہ لگایا کہ شاید مرزا غلام محمد احمد قادیانی کی طرف اشارہ ہے۔ (ب۔ا۔ڈ، ص:۱۴۴)

۲؎ مہدی:حضورؐ نے مہدی کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی ہیں ہدایت یافتہ۔ اسلامی روایات کے مطابق خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ایک بزرگ جن کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا اوران کی وجہ سے اسلام دنیا پر غالب آ جائے گا۔انھیں موعوداور مہدی آخرالزماں بھی کہتے ہیں۔ شیعوں کے نزدیک بارہویں امام جو غائب ہیں اور خاص وقت میں ان کا ظہور ہوگا وہ بھی یہی کارنامہ انجام دیں گے۔ تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی شخصیات گزری ہیں جنھوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا لیکن آخر ثابت ہوا کہ دعویٰ غلط تھا یا پتا چلا کہ وہ بے شک نیک دل اور حق پرست بزرگ تھے مگر مہدی موعود نہ تھے۔

''ضربِ کلیم'' میں دو نظمیں ''مہدیِ برحق'' (ص: ۴۴) اور ''مہدی'' (ص:۵۹) کے عنوان سے ہیں۔ اقبالؔ نے حکیم محمد حسین عرشی کے نام ایک خط میں تصریح فرما دی ہے کہ مہدی سے مراد کوئی خاص مہدی نہیں ہے وہی جو عالمِ افکار میں زلزلہ پیدا کرے مہدی برحق ہوگا۔ (''اقبالؔ نامہ اوّل''،ص:۳۳۳) جیسا کہ اس شعر میں کہا ہے:

؎ دنیا کو ہے اس مہدیِ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار

مآخذ: ابوالاعلیٰ مودودی: ''تجدید واحیائے دین'' ص:۵۲۔۵۴، ۱۶۲۔۱۷۳۔

۳؎ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا ذکر قرآن پاک میں معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جب فرشتوں نے مریمؑ کو مسیح عیسیٰ ابنِ مریمؑ کی بشارت دی تو مریمؑ نے کہا کہ میرے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ مجھ کو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب وحکمت اور توراۃ وانجیل کا علم عطا کرے گا اور بنی اسرائیل کی جانب اللہ کا رسول ہوگا۔ (سورۃ آلِ عمران آیت ۴۵۔۴۷) حضرت مریمؑ کی پاک دامنی کی گواہی سورۃ مریم اور سورۃ الانبیاء میں بھی موجود ہے۔ بنی اسرائیل نے کفروانکار کی سرگرمیوں کے تحت حضرت عیسیٰ کے قتل کا منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھالیا۔ یہود ونصاریٰ کا یہ عقیدہ کہ عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا گیا اور قتل بھی کیا گیا سراسر غلط ہے۔ (سورۃ آلِ عمران آیت ۵۵۔۶۱، سورۃ النساء آیت ۱۵۶۔۱۵۸)

۴؎ پورا نام ابوزید ولی الدین عبدالرحمٰن ابنِ خلدون ہے۔ تیونس میں یکم رمضان ۷۳۲ھ/ ۲۷ مئی ۱۳۳۲ء کو پیدا ہوئے اور قاہرہ میں ۲۵ رمضان ۸۰۸ھ/ ۱۶ مارچ ۱۴۰۶ء کو

فوت ہوئے۔ تعلیم کے بعد تیونس کے سلطان ابوعنان کے وزیر مقرر ہوئے۔ لیکن درباری سازشوں سے تنگ آ کر حاکمِ غرناطہ کے پاس چلے گئے بعدازاں مصر آ گئے اور جامعہ ازہر میں درس وتدریس پر مامور ہوئے مصر ہی میں ان کو مالکی فقہ کا منصب قضا بھی تفویض کیا گیا' اسی عہدہ پر وفات پائی۔

ابنِ خلدون کو تاریخ اور عمرانیت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ''العبر'' کے نام سے ہسپانوی عربوں کی تاریخ لکھی تھی۔ جو دو جلدوں میں شائع ہوئی لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ مقدمہ فی التاریخ'' ہے جو ''مقدمہ ابنِ خلدون'' کے نام سے مشہور ہے۔۔ یہ تاریخ' سیاست' عمرانیات' اقتصادیات اور ادبیات کا گرانمایہ خزانہ ہے۔ دیگر تصانیف میں: (۱) شرح قصیدہ بُردہ' (۲) المحصل کی تلخیص' (۳) ابن الخطیب کے ایک ارجوزہ کی شرح (۴) ابنِ رُشد کے بعض رسائل کی تلخیص (۵) منطق پر ایک رسالہ (۶) ریاضی پر ایک کتابچہ۔ شعروسخن کا ذخیرہ بھی اس سے منقول ہے۔

اقبالؔ نے متعدد خصوصیات کی بنا پر انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ابنِ خلدون نے سب سے پہلے عقلی انداز میں وحی' نبوت' ختم نبوت' عقیدۂ ظہورِ مہدی' مسئلہ خلافت' نفس تحت الشعور وغیرہ مسائل پر بحث کی اور اس طرح بہ قول اقبالؔ خالص اسلام کی تہذیبی وثقافتی قدروں کو اجاگر کیا۔

مآخذ: ۱) اقبال' علامہ: ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' ص: ۲۵۔۲۶' ۱۴۵' ۲۱۳۔۲۱۶' ۲۲۲' ۲۴۳۔۲۴۴' ۲۹۵

۲) ''اقبال ریویو'' (اقبال نمبر) جنوری ۱۹۸۴ء' ص: ۱۸۹۔۲۰۲

۳) اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ' جلد ۱' ص: ۵۰۳۔۵۰۷

۵ عبدالماجد دریابادی' مارچ ۱۸۹۲ء میں دریاباد ضلع بارہ بنکی اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی عبدالقادر ڈپٹی کلکٹر تھے۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اور سیتاپور ہائی اسکول سے انٹرنس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں کیننگ کالج' لکھنؤ سے بی اے کیا۔ ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ میں ایم۔اے میں زیرِتعلیم تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا' جس کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔

دارالترجمۂ عثمانیہ یونی ورسٹی حیدرآباد میں (۱۹۱۷ء۔۱۹۱۸ء) کو بطور مترجم کام کیا۔

۱۹۲۵ء میں لکھنؤ سے ہفت روز ''سچ'' نکالا۔ یہ اخبار ۱۹۳۵ء میں بند ہو گیا۔ دو سال بعد دوسرا اخبار ''صدق'' نکالا' ۱۹۵۰ء میں بند ہو گیا۔ چند ماہ کے تعطل کے بعد اسی سال پھر ''صدقِ جدید'' کے نام سے شروع کیا اور آخر دم تک شائع کرتے رہے۔ آپ نے تقریباً تیس (۳۰) کتابیں لکھی ہیں' جو مذہب' فلسفہ اور ادب سے متعلق ہیں۔ چند اہم یہ ہیں۔ ''فلسفۂ اجتماع'' (۱۹۱۵ء) ''تصوف اسلام'' (۱۹۲۴ء) اور چوتھا ایڈیشن ۱۹۶۵ء)، ''فلسفۂ جذبات'' (۱۹۳۱ء) (دو جلدوں میں)، ''محمد علی'' (۱۹۵۴ء)، ''خطوطِ مشاہیر'' (۱۹۶۹ء) اور لیکی کی مشہور کتاب History of European Morals کا اُردو ترجمہ دو جلدوں میں شائع کیا۔ آپ نے سلیس زبان میں قرآن کا اُردو ترجمہ اور انگریزی ترجمہ بھی کیا۔

مآخذ: ۱) اعجاز الحق قدوسی: ''اقبال اور علمائے پاک و ہند'' ص: ۴۱۰۔۴۳۴

۲) تحسین فراقی' ڈاکٹر: ''عبدالماجد دریابادی۔ احوال و آثار'' ص: ۳۱۔۱۴۲

۶ ماجد علی غلط ہے۔ مکتوب الیہ نے مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب ''لیڈرشپ کی نفسیات'' کے اُردو ترجمے کا حوالہ دے کر سوال کیا تھا۔ اس کتاب میں لکھا تھا کہ انسان کی سیرت Consistence ہے۔ (انوار' ۱۴۵)

۷ محمد علی سے مراد مولانا محمد علی جوہر ہیں۔ رام پور میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم علی گڑھ اور آکسفورڈ میں ہوئی۔ ان کی اعلیٰ تربیت میں ان کی والدہ کو بڑا دخل رہا ہے اور یہ انھیں کی تربیت کا اثر تھا کہ مولانا شروع سے آخر تک پُر جوش مسلمان رہے۔ جنوری ۱۹۱۱ء میں انگریزی ہفت روزہ ''کامریڈ'' جاری کیا' جس نے مولانا کی انگریزی انشا پردازی کا سکہ جما دیا۔ اردو میں ان کا اخبار ''ہمدرد'' بھی مقبول ہوا۔ تحریک خلافت اور ترکِ موالات کے روحِ رواں تھے۔ مولانا ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ ''کلامِ جوہر'' کے عنوان سے ان کا کلام چھپ چکا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے۔ لندن میں ۴ر جنوری ۱۹۳۱ء کو انتقال کیا۔ دفن بیت المقدس میں کیے گئے۔ اقبال نے مولانا محمد علی جوہر کی وفات پر ایک مرثیہ کہا' جس کا ایک معروف شعر یہ ہے:

خاک قدس اُو را بآغوشِ تمنّا در گرفت
سُوے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گزشت

(''باقیاتِ اقبال'' ص: ۱۴۱)

مآخذ: ۱) عبدالسلام خورشید' ڈاکٹر: ''وے صورتیں الٰہی'' ص: ۳۵۳۔

۲) عبداللہ قریشی (مرتب): ''اقبال بنام شاد''، ص:۱۲۰۔۱۲۳
۳) رحیم بخش شاہین: ''ارمغانِ اقبال''، ص:۱۵۳۔۱۸۹

(۱۰۵)

مکرم بندہ۔السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔افسوس ہے کہ آپ کی مدت کی خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ میں مجموعہ مرتب کر رہا ہوں[۱]۔ کچھ نظموں کی نظر ثانی باقی ہے۔ بعض دولت مند دوستوں نے اسے نہایت عمدہ کاغذ پر چھاپنے کا تہیہ کیا ہے۔ ان کی خواہش ہے روپیہ وہ خرچ کریں اور فائدے تمام و کل میں اٹھاؤں۔دل اس کے قبول کرنے میں بھی متامل ہے۔والسلام

محمدؐ اقبال ۲۲ر دسمبر ۲۰ء لاہور

تحقیقِ متن:

زیرِ نظر خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱ برنی صاحب نے دوسرے بے شمار احباب کی طرح اقبال سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنا مجموعہ کلام مرتب کر کے چھپوا دیں۔

(۱۰۶)

لاہور

۱۲ر اپریل ۲۲ء

مکرم بندہ۔السلام علیکم

میں بوجہ عارضۂ نقرس کئی روز سے صاحبِ فراش ہوں اس واسطے آپ کے خط کا جواب نہ لکھ سکا۔

آپ نے جہاں آرا بیگم کی سوانح عمری بہت اچھی لکھی ہے۔اس کی زندگی واقعی ایک نیک مسلم عورت کا نمونہ ہے۔علالت کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔معاف فرمائیے۔میرے نثر کے مضامین صرف چند ایک ہیں اور وہ بھی

محفوظ ہیں۔والسلام

محمد اقبال

تحقیق متن:

اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں اس خط کا عکس موجود ہے۔

حواشی وتعلیقات:

۱؎ جہاں آرا بیگم (۱۶۱۴ء۔۱۶۸۱ء) شاہ جہاں اور ممتاز محل کی سب سے بڑی اور چہیتی اولاد اجمیر میں پیدا ہوئی۔اعزازلقب فاطمۃ الزماں۔بادشاہ بیگم درباری خطاب تھا۔۱۶۳۱ء میں ممتاز محل کی وفات کے بعد اسے خاتونِ اول کا خطاب ملا۔خطاطی، ادب، تاریخ، تفسیر میں ماہر تھی۔اس دور کی علمی وادبی فضا اور طالب آملی کی بہن ستی النساء کی تربیت نے اس کی طبعیت میں نکھار پیدا کیا۔چھبیس سال کی عمر میں ''مونس الارواح'' لکھی، جو خواجگانِ چشت کا تذکرہ ہے۔دوسری تصنیف ''صاحبیہ'' ہے اس میں اس نے پیرومرشد ملا شاہ بدخشی کے حالات لکھے ہیں۔اہم سیاسی خط وکتابت اس کے ذریعے ہوتی تھی، جہاں آرا نے ساری عمر شادی نہیں کی۔اسے خواجگانِ چشت سے بے حد عقیدت تھی۔جب اس کا انتقال ہوا تو وصیت کے مطابق اسے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مزار کی پائنتی میں ایک سادہ قبر میں دفن کیا گیا۔

مآخذ: ۱) ''نقوش'' آپ بیتی نمبر (حصہ دوم) ص:۹۳۲۔۹۳۵

۲) ماہنامہ ''زینت'' لاہور، شخصیات نمبر۱۹۹۱ء، ص:۲۵۶

بنام میر خورشید احمد

تعارف:

میر خورشید احمد ان چند افراد میں سے ایک تھے، جن کے روابط اقبال سے بیس کی دہائی میں استوار ہوئے اور تازیست قایم و دائم رہے۔ میر خورشید احمد حکومتِ ہند کے محکمہ امورِ خارجہ سے وابستہ تھے اور کشمیر ریذیڈنسی سے منسلک تھے۔ عمدہ شعر کہتے تھے۔ ان کا کلام ''ہمایوں'' اور دوسرے رسالوں میں شائع ہوتا رہا۔ جموں و کشمیر کی ادبی مجلسوں میں بھی کبھی کبھار اپنا کلام سناتے۔ ۱۹۲۲ء میں شملہ چلے گئے۔ ان ایام میں اقبال سے ان کی مراسلت شروع ہو چکی تھی۔ اقبال نے انھیں صاحبِ علم و دانش پایا اور ان کے مذاقِ سخن کے پیش نظر ذاتی تعلقات قائم و استوار کیے۔ میر خورشید احمد سری نگری، شملہ، دہلی کے علاوہ ایک عرصے تک گلگت میں اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کچھ عرصہ فارن آفس کراچی اور پھر پشاور میں فرنٹیئر کورز میں اسسٹنٹ فنانشل سیکرٹری کے منصب پر فائز ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد راولپنڈی میں رہائش پذیر ہوئے۔ جنوری ۱۹۵۸ء میں راولپنڈی میں فوت ہوئے اور وہیں پیوندِ خاک ہوئے۔

مآخذ: کلیم اختر: ''اقبال اور مشاہیر کشمیر''، ص: ۲۱۵۔۲۲۶

(۱۰۷)

مکرمی

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں شملہ میں آفتاب دیکھنے کو ترس گیا۔ اس کے علاوہ اندیشہ تھا کہ ہوا کی رطوبت سے نقرس عود نہ کر آئے۔

شعر زیر بحث[1] کے متعلق یہ عرض ہے کہ دوسری پارٹی کا خیال صحیح ہے۔ اعتقادات کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے۔ بعض اسلامی فرقے (خاصۃً احمدی[2]) مسیحؑ و علی مرتضیٰؓ[3] کو نصاریٰ کا خدا اور شیعوں کا علیؓ کہہ کر گالیاں دے لیتے ہیں۔ خود مرزا صاحب[4] مرحوم اور ان کے مرید مولوی عبدالکریم[5] نے شیعوں کی تردید میں یہی افسوس ناک طریقہ اختیار کیا ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ چودھری محمد حسین سے سلام کہیے گا۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ سیالکوٹ
۲۵/اگست ۱۹۲۲ء

تحقیق متن:

زیرِ نظر خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر جلد اول (ص:۳۰۰۔۳۰۱) میں بھی شامل ہے۔

حواشی و تعلیقات:

۱؎ اقبالؔ کی نظم ''ابرِ گُہر بار'' یا ''فریادِ اُمت'' کا ایک شعر ہے:

؎ یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علیؓ شیعوں کا
ہائے کس ڈھنگ سے اَچھوں کو بُرا کہتے ہیں

غالباً اس شعر کے مفہوم کے متعلق اختلاف تھا۔ اقبالؔ سے پوچھا گیا تو انھوں نے واضح کیا کہ اس میں عقائد کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے۔ مناظروں میں بعض اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ مثلاً حضرت مسیحؑ کے خلاف برے انداز میں باتیں کرتے اور ٹوکا جاتا تو کہہ دیتے ہم حضرت مسیحؑ کو نہیں کہتے بلکہ انجیلوں کے مسیح کو کہتے ہیں۔ یہی طریقہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اقبالؔ نے خُود اِجمالاً اشارہ کر دیا ہے۔ گویا اقبالؔ کا یہ شعر اس طریق مناظرہ و گفتگو کے خلاف ہے۔ اسی نظم کے صلے میں خواجہ عبدالصمد ککرو نے اقبالؔ کو ایک نقرئی تمغا پہنایا جو وہ کشمیر سے بنوا کر لائے تھے۔ (ب۔ا۔ڈار، ص:۱۴۸)

مآخذ: کلیم اختر: ''اقبال اور مشاہیر کشمیر''، ص:۱۵۵، ۱۵۶۔

۲؎ خاصۃ احمدی (احمدیہ جماعت): اس جماعت کی بنیاد مرزا غلام احمد قادیانی نے لدھیانہ میں ۲۳/مارچ ۱۸۸۹ء کو صوفی احمد جان کے مکان پر رکھی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں انھوں نے ایک اشتہار کے ذریعے اس جماعت کا نام جماعت احمدیہ تجویز کیا، مرزا نے دعویٰ نبوت کیا اور اپنے پیروکاروں کو امتِ مسلمہ سے معاشرتی مقاطعے کا حکم دیا۔ اس لیے اقبالؔ نے قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا، جو ۱۹۷۴ء میں مانا گیا۔

۳؎ حضرت علیؓ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب، لقب حیدر ہے۔ والد کا نام ابوطالب، والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ جو بعد میں مسلمان ہوئیں۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ آپؓ واقعۂ فیل سے تیس سال بعد، ہجرت سے ۲۳ سال قبل ۶۰۰ء میں بیت اللہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت علیؓ کی پرورش

ابتدا ہی سے حضورؐ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ لڑکوں میں سب سے پہلے آپؓ ہی ایمان لائے' اس وقت آپؓ کی عمر دس سال تھی۔ نبوت کے تیرویں سال جب قریشِ مکہ رسولؐ کی جان کے درپے ہو گئے تھے' وحیِ الٰہی نے ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا تو آنحضورؐ نے لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا۔ حضرت فاطمہؓ سے آپؓ کا نکاح ہوا۔ مدنی زندگی میں حضرت علیؓ تمام غزوات میں پیش پیش رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد آپؓ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔

مآخذ: ۱) فیروزالدین' مولوی ''کشف المحجوب''، ص: ۷۷

۲) محمد جمیل احمد: ''خلفائے راشدین'' ص: ۱۵۱

۳) ''سیارہ'' ڈائجسٹ: ''خلفائے راشدین نمبر ۱۹۹۵ء'' ص: ۳۷۹-۴۲۴

۴؎ مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۳۷ء میں پنجاب کے ایک گاؤں قادیاں ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد سرکاری ملازمت کو خیر باد کہہ دیا لیکن اس دوران میں انھوں نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے ساتھ مناظرے کیے اور مباحثوں میں حصہ لیا۔ ۱۸۸۹ء میں ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی جو فرقۂ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۹۱ء میں مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ جماعتِ احمدیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نہ تو آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور نہ ہی مصلوب ہوئے بلکہ وہ طبعی موت مرے اور ان کی قبر سری نگر (کشمیر) میں ہے۔ ان کے نزدیک آنحضورؐ کے بعد (نعوذ باللہ) نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ اپنے خیالات کا برملا اظہار کرنے کے لیے مرزا غلام احمد نے ۱۸۹۲ء میں قادیان سے ریویو آف ریلیجز جاری کیا۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً: نور الحق' آئینہ کمالات' کشتیِ نوحؑ' اعجازِ احمدی' دُرِّثمین (مجموعۂ کلام)' تریاق القلوب اور تحفہ گولڑویہ شامل ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا اور قادیان میں دفن ہوئے۔ احمدیوں میں اب دو فرقے ہیں۔ ایک وہ جو مرزا کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے' دوسرا وہ جو انھیں صرف مجدد خیال کرتا ہے' یہ دونوں فرقے اسلام سے خارج ہیں۔

قادیانی تحریک کے متعلق اقبالؔ کا نقطۂ نظر صاف ظاہر ہے۔ انھوں نے اپنے مکاتیب میں صاف صاف لکھا ہے کہ قادیانی نہ اسلام کے وفادار ہو سکتے ہیں اور نہ اس ملک کے۔

مآخذ: ۱) محمد اکرام شیخ: ''موجِ کوثر'' ص: ۱۶۶-۱۶۸

۲) ابوالاعلیٰ مودودی: قادیانی مسئلہ''، ص:۱۴۔۸۶

۳) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: ''ملفوظاتِ اقبال مع حواشی وتعلیقات''، ص:۳۸۱، ۳۸۲

۴) اعجاز احمد، شیخ: ''مظلوم اقبال''، ص:۱۹۴۔۲۰۹

۵) جاوید اقبال، ڈاکٹر: ''زندہ رود۔حیات اقبال کا اختتامی دور''، ص:۵۶۹۔۵۹۹

5 مولوی عبدالکریم (۱۸۶۳ء۔۱۹۴۳ء) سلہٹ (بنگلہ دیش) میں پیدا ہوئے۔ بی۔اے کرنے کے بعد مدرسۂ عالیہ میں مدرس ہوئے۔ بعد میں مدراس چلے گئے، جہاں محکمۂ تعلیم کے انسپکٹر مقرر ہوئے۔ یہ بنگالی مسلمانوں کی نصابی کتابیں لکھنے والے پہلے مصنف تھے۔ سبکدوشی (۱۹۱۴ء) کے بعد کلکتہ میں سکونت اختیار کی۔ ''کونسل آف سٹیٹ'' کے بنگالی رکن مقرر ہوئے۔ پچاس پچاس ہزار روپے قیمت کے دو مکان مسلمانوں کی تعلیم کے لیے وقف کر دیے۔ وفات رانچی میں ہوئی۔

مآخذ: اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا''، دوم، ص:۹۶۹

(۱۰۸)

مخدومی!

السلام علیکم۔ والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مولوی عبدالسلام[1] کی دونوں کتابوں سے میں بہت مستفیض ہوا۔ میری طرف اسے ان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجیے۔ نیز التماسِ دعا بھی کیجیے۔ کرسمس کے دنوں میں دِلّی آنے کی امید نہیں۔ البتہ فروری میں ممکن ہے۔ ان شاءاللہ العزیز مولوی صاحب سے بھی شرفِ نیاز حاصل ہوگا۔

غزل مطلوب کے جتنے اشعار یاد ہیں عرض کرتا ہوں

کبھی اے حقیقتِ منتظر! نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں
طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے محرمِ گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوتِ پردۂ ساز میں
دمِ طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن

نہ ترے فسانۂ سوز میں، نہ مری حدیثِ گداز میں
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں
نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں[۲]

شاید دو چار شعر اور ہوں گے لیکن اس وقت یاد نہیں آئے، پھر عرض کروں گا۔ جو شعر آپ نے خط میں لکھا ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر شعر خوب ہے۔ حضورؐ سرورِ کائنات کو مخاطب کر کے چند اشعار میں نے لکھے تھے جو مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے۔ مجھے یقین ہے انھیں پسند آئیں گے[۳]۔

تیغِ لَا در پنجۂ ایں کافرِ دیرینہ دہ
بازبنگر درجہاں ہنگامۂ اِلّائے من
از سپہرِ بارگاہت یک جہاں وافر نصیب
جلوہ ئی داری دریغ از وادیِ سینائی من؟
باخدا درپردہ گویم باتو گویم آشکار
یا رسول اللہ! اُوپنہان و تو پیدائی من[۴]

(کلیاتِ فارسی ص:۳۱۶)

مخلص
محمدؐ اقبالؔ لاہور
۱۳/دسمبر ۱۹۲۲ء

تحقیقِ متن:

یہ خط ''نقوش''، مکاتیب نمبر جلد اول (ص:۳۰۱،۳۰۲) میں شامل ہے۔

حواشی و تعلیقات:

۱؎ مولوی عبدالسلام سے مراد مولانا عبدالسلام نیازی ہیں، جو شاہ نظام الدین حسن نیازی بریلوی کے مرید تھے اور اس طرح یہ چشتیہ نیازیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ عالموں میں عالم اور رندوں میں رند تھے۔ شرح کے پابند، کیا مجال جو نماز قضا ہو جائے مولانا عرسوں میں شریک ہوتے۔ طوائفوں سے گانا بھی سنتے۔ بڑے طبّاع اور حاضر جواب تھے، جملہ خوب چست کرتے۔ حافظہ غضب کا تھا۔ ہر کتاب از بر تھی۔ عربی، فارسی، اُردو، مذہبی علم، معقول و منقول غرض دنیا بھر کے علوم سے بخوبی واقف تھے۔ ہر علم سے خدا کا وجود ثابت کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ علمِ موسیقی سے بھی۔ مزاج میں درشتی بہت تھی۔ اس لیے اپنی شاگردی میں مشکل ہی سے کسی کو قبول کرتے تھے۔ برصغیر کے شاعروں میں وہ صرف اقبال کو مانتے تھے اور اقبال کے فارسی کے بہت سے اشعار یاد تھے اور انھیں علومِ مشرقی و مغربی کی پوٹ کہا کرتے تھے۔ اقبالؔ بھی مولوی صاحب سے عقیدت مندانہ انداز میں ملا کرتے تھے۔ کبھی لاہور سے عازم دہلی ہوتے تو ان کے لیے بطور تحفہ کبوتر لے جاتے۔ مولوی صاحب نے دہلی میں ۱۹۶۷ء میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) شاہد احمد دہلوی (مصنف)، جمیل جالبی (ڈاکٹر) مرتب: بزمِ خوش نفساں''، ص: ۴۹۔۵۸

۲) نصراللہ خان: ''کیا قافلہ جاتا ہے''، ص: ۲۲۔۲۶

۳) صلاح الدین، ڈاکٹر (مرتب): ''دلی والے''، ص: ۲۷۱۔۲۸۲

۴) کلیم اختر: ''اقبال اور مشاہیرِ کشمیر''، ص: ۲۱۹۔۲۲۱

۲؎ یہ غزل ''بانگِ درا'' (ص: ۲۸۰، ۲۸۱) میں شائع ہو چکی ہے، اس میں تیسرے شعر کا آخری مصرع یوں ہے:

Å نہ تری حکایتِ سوز میں، نہ مری حدیث گداز میں

نیز ''بانگ درا'' میں ایک شعر زاید ہے:

؎ جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو، زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

۳؎ خورشید صاحب، اقبالؔ کو زیرِ نظر خط کے جواب میں مولوی عبدالسلام کی رائے سے یوں آگاہ کرتے ہیں:

''جواب میں بہت توقف ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ کہ قبلہ مولوی صاحب کو خط سنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کل صبح ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے

خط پڑھ کر سنایا۔ فرمانے لگے، ڈاکٹر صاحب کو میرا اسلام کہو اور لکھو

اے سالکِ رہ سخن زہریاب مجو　　جز راہِ وصول ربّ ارباب مجو
چوں علّتِ تفرقہ است اسباب جہاں　　جمعیت دل زجمع اسباب مجو

پرسوں شب ایک محفل میں بیٹھے ہوئے یہ مطلع

Å　کبھی اے حقیقتِ منتظر! نظر آ لباسِ مجاز میں

دہرا رہے تھے۔ فرمانے لگے، جو کوئی جس لائق ہوتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔ جو ذہن اور تخیل ڈاکٹر صاحب کو عطا ہوا ہے اگر سائل اور بیخود (دہلوی) کو عطا ہوتا تو یہ حضرات برداشت نہ کر سکتے۔ ان کے دماغ پھٹ جاتے اور دیوانے ہو جاتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مآخذ: ''نقوش''، مکاتیب نمبر جلد اول، ص: ۳۰۲

۴ یہ اشعار ''کلیات، فارسی، ص: ۳۱۶ میں چھپ چکے ہیں۔

ترجمہ: لا (نفی) کی تیغ اس پرانے کافر کے ہاتھ میں دے، پھر دنیا میں میرے اِلّا (اثبات) کا تماشا دیکھ۔ تمھاری بارگاہ کے سپہر سے ایک زمانے کو بہت کچھ حصہ مل رہا ہے مگر افسوس میری وادی سینا میں جلوہ دکھانے سے بخل کرتے ہو۔ میں خدا سے تو در پردہ کرہتا ہوں مگر آپ سے برملا کہتا ہوں۔ اے رسول اللہ وہ (خدا) میرا در پردہ (والی) ہے اور آپ عالمِ ظاہر میں میرے آقا ہیں۔

(۱۰۹)

مخدومی!

تسلیم۔ سائل صاحب[1] (دہلوی) کا جواب میری رائے ناقص میں صحیح ہے۔ اصل عربی لفظ دُرّہ (دُرّۃ التاج) ہے۔ جمع اس کی دُرا[2] آتی ہے اور شاید دراری بھی۔ فارسی میں بغیر تشدید بھی لکھتے ہیں۔ دُرِیکتا، دُرِثمین، دُرِمکنون، دُرِیتیم، دُرِخوشاب، دُرِشاہوار، دُرِنایاب، جہاں تک مجھے معلوم ہے سب درست ہیں۔ اگر ان تینوں ترکیبوں میں دُرِیکتا وغیرہ مع التشدید بھی لکھیں تو بھی درست ہے۔ افسوس ہے سند اس وقت مجھے کوئی یاد نہیں۔ اگر مطالعہ میں آ گئی تو

لکھ بھیجوں گا۔لیکن مجھے یقین ہے کہ دُرِ یکتا اور درِّ یکتا دونوں درست ہیں۔ نیاز صاحب فتح پوری[2] کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ قاآنی[3] نے ایزدِ یکتا (حالانکہ یکتا ایزد کی صفت معناً نہ ہونی چاہیے) اور رُخِ یکتا بھی لکھا ہے۔ایسی صورت میں دُرِ یکتا میں کیا تامل ہوسکتا ہے۔

ساقی[iii] نامۂ کشمیر کے متعلق بعض لوگوں کا گلا سن کر مجھے تعجب ہوا۔ افسوس ہے ہندوستان سے فارسی رخصت ہو گئی۔ سعدی[5] نے محض قومی رقابت سے کشمیریوں کی ہجو کی ہوگی کیونکہ ایک زمانہ میں کشمیر ایران کا ہم سر رہ چکا ہے۔ میں نے تو دکھڑا رویا ہے اور یہ بات سیاق اشعار سے صاف ظاہر ہے۔دکھڑے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا۔

پنجاب کے کشامرہ کی حالت کشمیر کے کشامرہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ نظم کا موضوع کشامرۂ کشمیر ہیں نہ کشامرۂ پنجاب۔ جو لوگ میرے اشعار کو کشمیریوں کی ہجو تصور کرتے ہیں وہ شعر کے مذاق اور مقاصد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ان کے لیے یہی جواب کافی ہے کہ میرے آباؤاجداد اہلِ خطہ میں سے ہیں۔

شملے[iv] میں ...... کے لیے حاضر ہونا پڑے گا۔مگر معلوم نہیں یہ رسم کب ادا کی جائے گی۔

محمد اقبال لاہور ۲۲؍مئی ۱۹۲۳ء

تحقیقِ متن:

زیرِ نظر خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر جلد اوّل (ص:۳۰۴، ۳۰۵) میں بھی شامل ہے۔

i انوار = دار ii انوار = لکھتے ہیں۔ دُرِثمین iii انوار = ساقی نامہ و کشمیر iv انوار: شملہ میں

حواشی وتعلیقات

1 سائل دہلوی (۱۸۶۸ء۔۱۵؍ستمبر ۱۹۴۵ء) خان لوہارو کے چشم و چراغ تھے۔ ''مرزا سراج الدین احمد خاں'' سے تاریخِ ولادت برآمد ہوتی ہے۔ان کی پہلی شادی والیِ پاٹوڈی کی ہمشیر سے ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح داغؔ کی لے پالک بیٹی لاڈلی بیگم سے کیا۔ داغؔ ہی سے تلمذ تھا۔ بہت دن

تک حیدرآباد میں داغؔ ہی کے پاس رہے اور وہاں سے ایک رسالہ ''معیارالانشا'' نکالتے تھے۔ اُردو فارسی میں ان کی قابلیت مُسلّم تھی۔ پنجاب یونی ورسٹی کے ممتحن بھی تھے۔ مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا۔ ایک ضخیم مثنوی ''نورٌ علی نور''میں جہانگیر اور نور جہاں کی حیاتِ معاشقہ بیان کی ہے جو نامکمل رہ گئی۔ ۱۵رستمبر ۱۹۴۵ء کو ۸۷ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ''یہ جنت جانشین داغ آسود'' سے تاریخِ وفات نکلتی ہے۔

ماٰخذ: ۱) ''جدید غزل گو''ص: ۲۸۹

۲) شاہد احمد دہلوی: ''بزمِ خوش نفساں''ص: ۱۹۹

۳) صلاح الدین ڈاکٹر (مرتب) ''دلی والے''ص: ۱۸۱۔۱۹۷

۴) ''نقوش'' شخصیات نمبر'ص: ۵۲۸'۵۲۹

۲۔ نیاز فتح پوری (۱۸۸۴ء۔۱۹۶۶ء) نیاز محمد خان نام اور لیاقت علی خان' تاریخی نام تھا جبکہ نیاز فتح پوری قلمی نام تھا۔ فتح پور ہسوا میں پیدا ہوئے۔ نیاز ایک صاحبِ طرز ادیب' صحافی' شاعر' نقاد' افسانہ و ناول نگار' مؤرخ اور ماہر لسانیات تھے۔ ملازمت کی ابتدا پولیس کے محکمے سے کی۔ نیاز کا سلسلۂ ملازمت خاصا طویل ہے۔ انھوں نے کئی محکمے اور کئی شعبے بدلے۔ ۱۹۲۲ء میں نیاز اور ''یارانِ نجد'' نے مل کر ''نگار'' کا اجرا کیا۔ ''نگار'' آگرہ سے بھوپال و لکھنؤ ہوتا ہوا کراچی پہنچا اور ابھی تک اپنے مخصوص علمی و ادبی مزاج کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ یہ ''نگار'' کا سب سے بڑا اعزاز ہے نیاز وسیع القلب اور وسیع النظر تھے۔ اپریل ۱۹۶۲ء میں حکومت ہند کی طرف سے ''پدما بھوشن'' کا خطاب ملا۔ ہندوستان میں قیام کے باوجود' نیاز کو پاکستان اور اس کے مسائل سے گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے ۱۹۴۸ء میں لکھنؤ سے ''نگار'' کا ضخیم ''پاکستان نمبر'' نکالا۔ اس نمبر کا انتساب مسلمانانِ پاکستان کے نام ہے۔ نیاز ۳۱رجولائی ۱۹۶۲ء کو مستقلاً پاکستان آ گئے۔ پاکستان میں قومی عجائب گھر کے کتب خانے سے منسلک ہو گئے۔ روزنامہ ''جنگ'' کا ہفتہ وار کالم ''رنگا رنگ'' بھی لکھتے تھے۔ ۲۴رمئی ۱۹۶۶ء کو انتقال کیا۔

ماٰخذ: عقیلہ شاہین ڈاکٹر: ''نیاز فتح پوری......شخصیت اور فن''ص: ۱۔۶۲

۳۔ دیکھیے خط نمبر ۶' تعلیقہ نمبر ۳

۴۔ ''ساقی نامہ''، پیامِ مشرق'' کی مشہور نظم ہے جو اقبال نے نشاط باغ کشمیر میں بیٹھ کر کہی تھی اس کی تشبیب میں انھوں نے بہار کا منظر پیش کیا ہے۔ اس کے بعد گریز کی ہے اور ساقی (خدا)

سے دعا کی ہے کہ شرابِ حرّیت کے چند قطرے ٹپکا کر کشمیریوں کے دلوں کو گرما دے تاکہ اس خاکستر سے چنگاریاں پیدا ہو جائیں، مردہ جسموں میں سوز کی لہر دوڑ جائے اور ہر بےخودو بے جان، خودی اور زندگی کی لذت سے آشنا ہو جائے۔ اقبالؔ کو یقین تھا کہ اگر ان کے ہم وطن ان کے پیغام پر عامل ہوئے تو ایک دن ان کی حالت یقیناً بہتر ہو جائے گی۔ مگر بعض لوگوں نے شکوہ کیا کہ اس نظم میں کشمیریوں کی ہجو کی گئی ہے۔

۵ؔ شیخ مصلح الدین سعدیؔ کے والد عبداللہ شیرازی اتابک سعد بن زنگی والیِ شیراز کے ملازم تھے۔ اسی نسبت سے شیخ نے سعدی تخلص اختیار کیا۔ سعدیؔ فارسی ادب کی بلند پایہ شخصیت ہیں اور گلستان و بوستان کے مصنف کی حیثیت سے شہرت دوام کے مالک ہیں۔ سعدیؔ شیراز میں (۱۲۱۸/۱۹ء) پیدا ہوئے اور مدرسہ نظامیہ، بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر سیر و سیاحت شروع کی۔ ترکی، عراق، شام و حجاز سے شمالی افریقہ تک طویل سفر کیے۔ ان کے سفر کی مدت تذکرہ نویسوں نے بیس برس لکھی ہے۔

اقبالؔ نے سعدیؔ کا گہرا مطالعہ کیا تھا، وہ ان کے کلام سے سند بھی پیش کرتے ہیں۔ (اقبال نامہ''، اول، ص:۱۸۸) ان کے بعض اشعار کی تضمین بھی کی ہے۔ (''بانگِ درا''۔ حصہ سوم) اقبالؔ کے اور بھی متعدد اشعار ایسے ملتے ہیں جن کا خیال سعدیؔ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

مآخذ: ۱) شبلی نعمانی، علاّمہ ''شعر العجم (حصہ دوم)''، ص:۲۹-۱۰۴

۲) ڈاکٹر محمد ریاض: ''اقبال اور فارسی شُعرا''، ص:۱۵۴-۱۶۲

۶ؔ شملے میں تقریب سے مراد سر کا خطاب ملنے کی تقریب کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۱۰)

بر بنا گوش تو اے نیک تر از دُرِّ یتیم
سنبل تازہ ہے بر دمر از نقرۂ سیم[۱]

(فرخی)

اس شعر سے ظاہر ہے کہ دُرّ مع التشدید واحد ہے اور اس کی صفت میں لفظ یتیم واقع ہوا[۲] ہے جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ والسلام

محمد اقبالؔ از لاہور

۳۱رمئی ۱۹۲۳ء

تحقیق متن:

زیرنظر خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر جلد اول (ص:۳۰۵) میں شامل ہے۔ i انوار = واقع ہے۔

حواشی و تعلیقات

ا یہ حکیم فرخی سیستانی کے ایک قصیدے کا مطلع ہے' جو خواجہ ابوسہل عبداللہ بن احمد بن گلشن دبیر کی مدح میں ہے۔ یہ ناصر الدین سبکتگین کے بیٹے امیر ابو یعقوب یوسف کا داماد اور دربار غزنوی کے ممتاز امرا میں سے تھا۔ مطلع کی اصل اور بامعنی شکل یہ ہے: ؎

بربنا گوش تو اے پاک تر از دُرِّ یتیم
سنبل تازہ ہمی بردمد از صفحہ سیم

ترجمہ اے دُرِّ یتیم سے بھی پاک تر (ممدوح) تیرا بنا گوش ایسا چمک رہا ہے گویا چاندی کے صفحہ پر سنبل تازہ اُگا ہو۔

اقبالؔ کے خط میں اس کی جو شکل ہے وہ غلط اور بے معنی ہو گئی ہے۔

(''کلیاتِ مکاتیب' دوم''، ص:۴۵۰)

(۱۱۱)

مکرمی!

تسلیم! لفظ دُر مع التشدید جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ مَیں آج قصیدہ بردہ ا پڑھ رہا تھا اس میں یہ شعر نظر آیا:

قَالدُّرُّ یَزدَادُ حُسناً وَّھُو مُنتَظِم
وَلَیسَ یَنقِصُ قَدرًا غَیر مُنتَظَم

یعنی موتی حسن کے اعتبار سے بڑھ جاتا ہے جب سلسلہ میں منسلک ہو اور اگر منسلک نہ بھی ہو تو اس کی قدر گھٹتی نہیں۔

ایسی صورت میں دُرِّ یکتا کیونکر غلط ہو سکتا ہے؟ اگر یہ لفظ جمع ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یکتا کا لفظ اس کی صفت نہیں ہو سکتا۔ والسلام

محمد اقبالؔ لاہور یکم جون ۱۹۲۳ء

تحقیقِ متن:

یہ خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر جلد اول (ص:۳۰۵) میں شامل ہے۔

حواشی و تعلیقات:

۱؎ قصیدہ بُردہ: آنحضورؐ کی شانِ اقدس میں لکھا ہوا قصیدہ......اسے شرف الدین ابو عبداللہ ابنِ سعید الصنہاجی المعروف بہ البوصیری ہے۔ یہ قصیدہ ۱۶۲ ابیات پر مشتمل ہے۔ بصیری مصر میں ۱۲۱۲ء میں پیدا ہوا۔ وہ ابوالعباس احمد المرسی کے حلقۂ ارادت میں شریک تھا۔ پیشہ کے اعتبار سے وہ قلمی کتب کی نقل کا کام کرتا تھا۔ بصیری نے مرضِ فالج کی حالت میں ایک قصیدہ الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ کے نام سے لکھا جو رسولِ کریمؐ کی مدح میں تھا۔ آنحضرتؐ بصیری کے پاس عالم رؤیا میں تشریف لائے اور ان کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا جس کی برکت سے بصیری نے فالج کے مرض سے شفا پائی اسی لیے اس قصیدے کا نام بردہ پڑا کہ چادر کو عربی میں بردہ کہتے ہیں۔ بُصیری نے کئی اور قصیدے بھی لکھے ہیں لیکن سب سے زیادہ شہرت قصیدۂ بردہ ہی کو ملی اور اس قصیدے کی ۹۰ سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں۔ بُصیری نے علمِ حدیث میں بڑی شہرت حاصل کی۔ ان کی تاریخِ وفات میں بڑا اختلاف ہے۔ سیوطیؒ (۹۶-۱۲۹۵ء) مقریزی اور ابنِ شاکر (۹۷-۱۲۹۶) کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک (۹۵-۱۲۹۴ء) ہے۔

مآخذ: ۱) اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد:۴، ص:۳۷۹-۳۸۰

۲) جمال بن نصیر الجنابہ الشیخ: ''شرح قصیدۃ البردۃ للبوصیرۃ'' ۱۹۹۵ء، ص:۳-۷

۳) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: ''اُردو کی نعتیہ شاعری''، ص:۳۰، ۳۱۔

(۱۱۲)

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں، جہاں آپ چاہیں چھپوائیں۔

ہمایوں[۱] اچھا رسالہ ہے۔

امام شرف[۲] الدین کا لقب 'بصیری' ہے۔ عربوں میں تخلص کا دستور نہ تھا۔ میں نے مثنوی رموزِ بے خودی میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

اے بصیری را ردا بخشندہِ　　　　بربط سلمیٰ مرا بخشندہ[۳]

والسلام! محمدؐ اقبالؔ لاہور ۲۰؍جون ۱۹۲۳ء

تحقیق متن:

یہ خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر جلد اول (ص:۳۰۵) میں شامل ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱؎ ہمایوں: میاں بشیر احمد نے اپنے والد میاں محمد شاہ دین ہمایوں کی یاد میں یہ ماہنامہ جاری کیا۔ محمد شاہ دین ہمایوں ۲؍اپریل ۱۸۶۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ باغبانپورہ کے میاں خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۸۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال نومبر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے اور وہاں سے ۱۸۹۰ء میں بیرسٹری کر کے واپس آئے اور کامیاب وکیل بنے۔ جلد ہی ۱۹۰۶ء میں پنجاب چیف کورٹ کے جج مقرر ہو گئے۔ اس سے قبل پنجاب کی مجلس قانون ساز کے رکن نامزد کیے گئے تھے۔ شعر و ادب سے شغف تھا۔ نظموں کا مجموعہ ''جذباتِ ہمایوں'' ان کی یادگار ہے۔ ۱۲؍جولائی ۱۹۱۸ء کو لاہور میں انتقال ہو گیا۔

اقبالؔ نے ہمایوں کی یاد میں ایک خوبصورت نظم کہی جو ''بانگِ درا'' میں شامل ہے:

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز تھی

(کلیاتِ اُردو،ص:۲۸۲)

اقبالؔ نے ہمایوں کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ اور ایک شعر بھی کہا ہے جس کا عکس ''انوارِ اقبال'' (ص:۲۴۷) میں شامل ہے۔ ''ہمایوں'' رسالہ ۱۹۲۲ء میں جاری ہوا اور ۱۹۵۷ء میں بند ہو گیا۔

مآخذ: ۱) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: ''خطوط اقبال''، ص:۱۳۰

۲) نذیر نیازی، سید: دانائے راز''، ص:۹۲۔۱۹۳

۳) فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: ''معاصرین اقبال''، ص:۴۰۴، ۴۰۵

۴) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: ''ملفوظاتِ اقبال مع حواشی وتعلیقات''، ۳۱۵، ۳۱۶

۲؎ دیکھیے خط نمبر ۱۱۱، تعلیقہ نمبر ۱

۳؎ ترجمہ: اے وہ ذات جس نے امام بوصیری کو چادر بخشی اور مجھے سلمیٰ کا ربط عطا کیا ہے۔

(۱۱۳)

مکرمی جناب خورشید!

امین[1] صاحب کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ قطعہ ان کا بہت اچھا ہے۔ کسی اخبار میں اس کی اشاعت کر دیجیے شاید زمیندار[2] اس مطلب کے لیے بہتر ہو گا۔

تعجب ہے عربی شعر جناب[3] (نگار) کسی عجمی کا بتاتے ہیں۔ وہ شعر حضرت بصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نام امام شرف الدین ہے چھٹی صدی کے آخر میں مکہ میں پیدا ہوئے اور ساتویں صدی کے وسط میں بمقام قاہرہ ان کا انتقال ہوا۔ خالص عرب تھے۔ مشہور قصیدہ بُردہ جس کا لوگ ورد کرتے ہیں انھی کی تصانیف سے ہے۔ والسلام

میں ان شاءاللہ اگست میں شملہ آؤں گا۔

محمدؐ اقبالؔ لاہور ۲۶ ؍ جون ۱۹۲۳

تحقیق متن:

یہ خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر جلد اوّل (ص:۳۰۶) میں بھی شامل ہے۔

حواشی وتعلیقات:

۱۔ امین صاحب سے مراد خواجہ عبدالمسیح پال امین حزیں سیالکوٹی ہیں۔ کشمیر ریذیڈنسی سے وابستہ بلکہ پولٹیکل ایجنٹ تھے۔ ان کو بھی خان صاحب کا خطاب ملا تھا۔ اُردو کے ممتاز شاعر تھے اور اثر صہبائی کے بڑے بھائی تھے۔ (مآخذ: کلیم اختر: اقبالؔ اور مشاہیر کشمیر' ص:۲۲۵)

۲۔ دیکھیے خط نمبر ۸۰ تعلیقہ نمبر ۱۱

۳۔ ''نگار'' سے مراد نیازؔ فتح پوری ہیں۔ (مزید دیکھیے: خط نمبر ۱۰۹' تعلیقہ نمبر ۲)

بنام تمکین کاظمی

تعارف: سید مصباح الدّین تمکین کاظمی مرحوم' حضرتِ داغؔ کے حیدر آبادی شاگرد ابوالمعنی سید منتخب الدین تجلی کے نورِ نظر تھے۔ ۱۹۰۲ء میں حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ مدرسے کی تعلیم کے

علاوہ عربی، فارسی اور حدیث وتفسیر کا علم بھی حاصل کیا۔ ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد صوبہ داری گلبرگہ میں ملازم ہو گئے اور مختلف دیوانی، مالی اور ملکی دفتروں میں کام کرتے رہے، شاعری میراث میں پائی تھی۔ شعروشاعری کے سلسلے میں اقبالؔ سے مراسلت بھی کی تھی اور مثنوی ''اسرارِ خودی'' کا منظوم اُردو ترجمہ کرنے کی اجازت چاہی، اور ترجمے کا نمونہ بھیجا جسے دیکھ کر اقبالؔ نے انھیں ترکِ شعر کا مشورہ دیا۔ اس مشورے کو قبول کر کے سید صاحب نے نثر کی طرف توجہ کی اور اقبالؔ سے ''زبورِعجم'' پر ایک تنقیدی مضمون لکھنے کی اجازت چاہی، انھوں نے بخوشی اس کی اجازت دے دی۔ تمکین کاظمی نے چند کتابیں تصنیف وتالیف کیں، جن میں ''داغؔ''، بہت مشہور ہے۔ وہ مزاح نگار کی حیثیت سے بھی سامنے آئے۔ ''غنچۂ تبسم'' ان کے چند مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان کی تصانیف میں سے ''تذکرۂ ریختی''، ''ارنسٹ'' اور ''معاشقہ نپولین'' بھی شائع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے اعظم الامرا ارسطو جاہ کی سوانح عمری بھی مرتب کی تھی۔ ۱۹۶۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ مندرجہ ذیل خطوط میں مکتوب نگار، اقبالؔ کے کلام کا ترجمہ کرنے کے متمنی ہیں، علاوہ ازیں ''زبورِعجم'' پر مضمون لکھنے کی خواہش مند ہیں۔

مآخذ: ۱) عبداللہ قریشی: ''معاصرین اقبال کی نظر میں''، ص: ۵۰۸۔۵۱۲

۲) ''نقوش''، مکاتیب نمبر، جلد اول، ص: ۳۰۸

(۱۱۴)

جنابِ من۔ تسلیم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ مَیں ذاتی طور پر ترجموں کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم آپ چند اشعار ترجمہ کر کے بھیجیے تو میں رائے دینے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس سے پہلے جو نمونے تراجم کے وصول ہوئے بہت ناقص تھے۔ میں نے خود ''اسرارِ خودی[1]'' پہلے اُردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کر دیا گیا۔ کئی سال بعد پھر یہی کوشش میں نے کی۔ قریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔ والسلام[i]

محمد اقبالؔ[ii] ۲۲؍اگست ۲۸ء

لاہور

تحقیق متن:

i انوار = نہیں ہوں۔ ii انوار = ۱۶/ اگست (دیکھیے: عکس)

حواشی و تعلیقات:

۱ دیکھیے خط نمبر ۲ تعلیقہ نمبر ۲

(۱۱۵)

لاہور[i] ۴/ ستمبر ۲۸ء

جنابِ من۔ تسلیم

میں نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے۔ افسوس کہ ناقص اور بعض بعض جگہ غلط ہے۔ میری رائے میں اس ترجمے سے اُردو لٹریچر کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مضر ہے۔ میری دوستانہ رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اوقات کے لیے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں۔ امید[ii] کہ اس بے لاگ رائے سے آپ ناخوش نہ ہوں گے۔ والسلام

محمد اقبال

تحقیقِ متن:

i ''انوار'' میں تاریخِ تحریر خط کے آخر میں درج ہے۔ ii انوار = امید ہے کہ (دیکھیے: عکس)

(۱۱۶)

(لاہور[i])

شملہ ۱۸/ ستمبر ۲۸ء

جنابِ من۔ تسلیم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ ''زبورِ عجم[۱]'' پر شوق سے مضمون لکھیے۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال علالت کی وجہ سے میں[ii] بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں۔ دردِ گردہ نے دو ماہ تک بیقرار رکھا[iii]۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں

اور صحت کے خیال سے چند روز کے لیے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیاتِ اسلامیہ[2] پر لکچر لکھنے میں صرف ہوں گے جن کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس سے کر چکا ہوں۔ اگر فروری ۲۹ء تک یہ لکچر لکھ سکا تو مدراس میں پڑھے جائیں گے۔ امید[iv] کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

محمدؐ اقبال

تحقیق متن:

i مقامِ تحریر شملہ ہے، جیسا کہ خط کے متن سے واضح ہوتا ہے۔ ii انوار= وجہ سے بہت iii انوار= کیا۔ iv انوار: امید ہے کہ۔ (دیکھیے: عکس)

حواشی وتعلیقات:

1 زبور عجم: اقبال کا فارسی مجموعۂ کلام، جو پہلی مرتبہ ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔

2 اقبال نے مدراس مسلم ایسوسی ایشن کے بانی سیٹھ محمد جمال کی فرمایش پر ''دینیات'' اور تخیّل جدید'' پر چھ لیکچر دینے منظور فرما لیے۔ پہلے تین لیکچر ۱۹۲۸ء کے اواخر میں لکھے گئے۔ جنوری ۱۹۲۹ء کے اوائل میں مدراس کے گوکھلے ہال میں وزیر اعظم حکومتِ مدراس، ڈاکٹر سبرائن کے زیر صدارت ارشاد فرمائے۔ باقی تین لیکچر اس سفر سے واپسی پر چھ سات ماہ کے اندر لکھے گئے اور مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی استدعا پر نومبر ۱۹۲۹ء میں یونی ورسٹی کے طلبہ، اساتذہ اور پبلک کے سامنے پڑھے گئے۔ اس سفر میں اقبال کے ہمراہ چودھری محمد حسین اور ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی تھے۔ واپسی پر میسور یونی ورسٹی اور عثمانیہ یونی ورسٹی حیدر آباد کی فرمایشوں پر ان تین لیکچروں کا اعادہ بنگلور، میسور اور حیدر آباد میں بھی کیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لے گئے تو وہاں کی ''مجلس ارسطو'' کی درخواست پر آپ نے ایک لیکچر بہ عنوان ''کیا مذہب ممکن ہے'' (Is Religion Possible) پڑھا تھا، یوں سات خطبات کا مجموعہ: "The Reconstruction of Religious thought in Islam" کے نام سے شائع ہوا۔ سید نذیر نیازی نے ان خطبات کا اردو ترجمہ ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے عنوان سے کیا ہے۔

مآ خذ: ۱) جاوید اقبال' ڈاکٹر: ''زندہ رُود...... حیاتِ اقبال کا اختتامی دور'' ص:۴۳۴۔۴۳۵
۲) محمد حمزہ فاروقی (مرتب): ''حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے'' ص:۲۱۴۔۲۲۷
۳) محمد رفیق افضل (مرتب) ''گفتارِ اقبال'' ص:۲۱۵۔۲۳۱
۴) محمد عبداللہ چغتائی' ڈاکٹر: ''اقبال کی صحبت میں''، ۲۹۹۔۳۴۴
۵) افتخار احمد صدیقی' ڈاکٹر: ''فروغِ اقبال'' ص:۳۵۵۔۳۶۵

بنام جافرے ڈی مانٹ مورینسی[1]
(De Montmorency Sir Jeoffrey)

تعارف:

۲۳ راگست ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ پیمبروک کالج کیمبرج میں تعلیم پائی۔ ۱۸۹۹ء میں آئی سی ایس سے منسلک ہوئے۔ پنجاب کے مختلف اضلاع میں افسر آبادکاری رہے۔ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۱۷۔۲۰ء کے دوران میں لائل پور (فیصل آباد) کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ ۱۹۲۰ء میں حکومتِ ہند کے ڈپٹی سکرٹری نامزد ہوئے۔ ۱۹۲۲۔۲۶ء کے دوران میں وائسرائے کے پرائیویٹ سکرٹری رہے۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۸ء تک پنجاب ایگزیکٹوکونسل کے رکن اور پنجاب یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۳ء تک پنجاب کے گورنر رہے۔ بہت سے خطابات عطا ہوئے جن میں کے سی آئی ای (۱۹۲۲ء) کے۔سی۔ایس۔آئی (۱۹۲۸ء) اور جی۔سی۔آئی۔ ای (۱۹۳۳ء) شامل ہیں۔ پیمبروک کالج کے اعزازی فیلو بھی تھے۔

مآ خذ: عبدالشکور احسن (مؤلف): ''زندگی نامہ''، :۱۰

(۱۱۷)

لاہور

۷ رجولائی ۱۹۲۸ء

میر ولی اللہ خوش نویس' ائمہ جامع مسجد[1] دہلی کے خاندان سے ہیں۔ اور یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہ شاہجہاں[2] علیہ الرحمۃ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا مولانا حافظ

امیر الدین مرحوم و مغفور ابوظفر بہادر شاہ[۳] بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد حافظ سید محمد سعید سلطنت دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جوان کو ان کی خاندانی شرافت و نجابت و تقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا۔ میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمدؐ اقبالؔ بیرسٹرایٹ لا۔

تحقیقِ متن:

۱ یہ خط تمکین کاظمی کے نام نہیں ہے بلکہ ڈی مانٹ مورینسی کے نام ہے۔ میر ولی اللہ صاحب بشیر اہلکار محکمۂ مشیر قانونی و معتمدی وضع قوانین سرکارِ عالی نے ڈی مانٹ مورینسی سابق گورنر پنجاب سے ملاقات کے لیے درخواست کی تو میر صاحب کو جواب ملا: ''میں نے تمھارے والد کے ساتھ تمھیں کبھی نہیں دیکھا''۔ اقبالؔ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو انھوں نے میر صاحب کو درجِ بالا تحریر لکھ دی اور فرمایا سالکؔ صاحب سے انگریزی ترجمہ کرا کر ڈی مانٹ مورینسی کے پاس بھجوا دیجیے۔

(''اقبال نامہ اول''، ص: ط۔ظ)

''اقبالنامہ'' کے علاوہ زیرِ نظر خط ''نقوش'' مکاتیب نمبر حصہ اوّل (ص: ۳۰۷) میں بھی شامل ہے۔

حواشی و تعلقیات:

۱ مغل شہنشاہ شاہجہاں کی تعمیر کردہ جامع مسجد کا شمار دنیا کی خوبصورت اور عظیم ترین مساجد میں ہوتا ہے۔ ہر روز تقریباً پانچ ہزار معمار، مزدور اور سنگ تراش اس کی تعمیر میں لگے رہے۔ دس لاکھ روپے کے خرچ سے چھ سال کے عرصے میں مکمل ہوئی۔ یہ سنگِ مرمر اور سنگِ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ سنگِ موسیٰ کی پچی کاری کی گئی ہے۔ اس کا طول ۲۰۰ فٹ اور عرض ۱۲۰ ہے۔ مسجد کا صحن بھی بڑا وسیع و عریض ہے اور اس میں بیک وقت کئی ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے میناروں کی بلندی ۱۳۰ فٹ ہے۔ چھت تک پہنچنے کے لیے ۳۷۹ سیڑھیاں ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۲ء تک یہ مسجد بند رہی۔ بالآخر انگریزوں نے اسے ۱۸۶۲ء میں مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

مآخذ: ۱) سر سید احمد خاں (مصنف)، خلیق انجم (مرتب): ''آثار الصنادید، جلد اوّل''، ص: ۳۴۵۔۳۴۷

۲) جمیل احمد (خواجہ): اسلامی تہذیب کے گہوارے''، ص: ۲۶۹، ۲۷۰

۳) عطاءالرحمٰن قاسمی: دِلّی کی تاریخی مساجد'' ،جلداوّل' ص:۱۹۹۔۲۲۳۔

۲ دیکھیے خط نمبر۱۴' تعلیقہ نمبر۴

۳ ابوظفر بہادرشاہ (۱۷۷۵ء۔۱۸۶۲ء) دِلّی کے آخری مغل تاجدار۔ سالِ جلوس ۱۸۳۷ء۔ تحریکِ آزادی (۱۸۵۷ء) میں ماخوذ ہوئے اور جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیئے گئے۔ شعرگوئی کا شوق تھا۔ دِلّی کے نامور شُعرا دربار سے منسلک تھے۔ پہلے ذوقؔ سے اور اس کے بعد غالبؔ سے تلّمذ رہا۔ کلام میں سلاست اور محاورات کی بندش خوب ہے۔ تصانیف میں چار دیوان' شرحِ گلستانِ سعدیؔ اور ایک رسالہ'' سراج المعرفت'' یادگار ہے۔

مآخذ: اسلم پرویز:'' بہادرشاہ ظفر''، ص:۲۹۔۳۰۴

بنام منشی سراج دین

تعارف:

شیخ منشی سراج الدّین ریاست جموں کشمیر کے رہنے والے تھے اور محکمہ مال سے وابستہ تھے۔ افسر مال کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ نہایت متقی' پرہیزگار اور صاحب علم تھے۔ ان کا مسلک اہلِ حدیث تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے مداحین میں سے تھے۔ اقبالؔ سے بھی دوستانہ روابط تھے۔ ریاست کے مشہور کاروباری خاندان کے فرد تھے۔ شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش تاجران آپ کے بزرگوں میں سے تھے۔ آپ شیخ محمد بخش کے داماد تھے۔ جب ریاست کی ایک عدالت نے ایک کاروباری مقدمے میں شیخ صاحبان کی جائیداد کی قرقی کا حکم دیا تو منشی سراج دین' اقبالؔ کو مقدمے کی پیروی کے لیے سری نگر لے گئے۔ اقبالؔ کے ہمراہ دوسرے وکیل مولوی احمد دین تھے جو دیوانی قانون کے ماہر تھے۔ یہ جون ۱۹۲۱ء کا واقعہ ہے۔ اقبالؔ نے کشمیر میں دو ہفتے قیام کیا اور جولائی ۱۹۲۱ء کے پہلے عشرے میں لاہور میں واپس آ گئے۔

اقبالؔ نے انھی مقدمات کے سلسلے میں منشی سراج دین کو خطوط لکھے۔ ان خطوط کی تعداد تین ہے' جو ذیل میں درج ہیں۔ ان خطوط سے خان صاحب منشی سراج الدین (میر منشی) کا کوئی تعلق نہیں ہے' جن کے نام'' اقبالنامہ'' اول (ص:۱۶۔۲۶) میں چار خطوط شامل ہیں۔

شیخ منشی سراج الدین قیامِ پاکستان کے بعد کچھ وقت سری نگر اور دہلی میں گزار کر پاکستان

آ گئے تھے اور کراچی میں رہایش پذیر ہوئے۔ سو سال کی عمر پائی اور ۱۹۷۸ء میں کراچی ہی میں انتقال کیا۔

مآخذ: کلیم اختر: اقبال اور مشاہیر کشمیر، ص: ۲۰۶

(۱۱۸)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور ۶ بجے شام کی ٹرین بھی مل گئی۔ رستے میں بھی خدا کے فضل و کرم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کی مستعدی، خدمت گزاری اور مہمان نوازی کی تعرف کرتے کرتے منزل ختم ہو گئی۔ فَالْحَمْدُلِلّٰهِ عَلَیٰ ذَالِکَ۔

میرا خیال تھا کہ آپ کے مقدمے میں حکم سنا دیا گیا ہو گا، مگر سیٹھ کریم بخش[۱] صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ جج صاحب بہادر رخصت سے واپس آ کر حکم سنائیں گے۔ آپ سیٹھ صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر وہ اشتہار نیلام جو پنڈت جانکی ناتھ نے پیش کیا ہے، مثل پر نہیں ہے تو اس کا کچھ اثر نہ ہونا چاہیے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ وہ مسلمان کی آخری امید ہے۔ سیٹھ صاحب اور بڑے شیخ صاحب[۲] سے کہیے کہ درود شریف پڑھنے سے غفلت نہ کریں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے لیے یہ بات خاص کر حلّال مشکلات ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خُدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ میری طرف سے سب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔ گرمی کی شدّت ہے، بارش مطلق نہیں ہوئی اور نہ اس کی بظاہر کوئی علامات نظر آتی ہیں۔

خواجہ اسد اللہ صاحب (ایڈووکیٹ سری نگری، کشمیر) ملیں تو میرا سلام ان سے ضرور کہیے۔ والسلام

بخدمت سیٹھ کریم بخش صاحب مضمون واحد

مخلص محمدؐ اقبالؔ لاہور

۱۱؍جولائی ۱۹۲۱ء

حواشی وتعلیقات:

۱؎ ریاست جموں وکشمیر میں شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش نامور تاجر اور رئیس تھے لیکن بعد میں انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھوں ان کی حالت پتلی ہوگئی۔ پنجاب نیشنل بینک کی شاخ سری نگر نے حساب کتاب اور لین دین کے معاملے میں ان کی ڈگری اور قرقیاں کرائیں اور ہزار ہا روپے کی جائیداد سینکڑوں میں نیلام کرادی۔ چونکہ نیلام اور قرقیوں وغیرہ میں بہت سی بے ضابطگیاں تھیں اور بینک کا رسوخ بھی بہت کام کر رہا تھا' اس لیے شیخ محمد بخش کے داماد منشی سراج دین نے جو اس وقت مہتمم بندوبست کے مثل خواں تھے اور بعد میں افسرِ مال کے عہدے سے سبکدوش ہوکر ریونیو ایجنٹ (وکیل) ہوگئے تھے' اقبال کی قانونی قابلیت سے مستفید ہونے کے لیے ان کو اس مقدمے کے سلسلے میں کشمیر میں بلایا۔

مآخذ: ۱) عبداللہ قریشی (مرتب): ''حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں''، ص: ۳۰۵'۳۰۶)

۲) بڑے شیخ صاحب: سے مراد شیخ محمد بخش صاحب ہیں۔

(۱۱۹)

مخدومی منشی صاحب

السلام علیکم۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردّد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ نقل فیصلہ مرسلہ سیٹھ کریم بخش صاحب مل گئی ہے اور میں نے فیصلہ بہ غور پڑھا ہے۔

دفعہ ۴۷ کے متعلق جج صاحب بہادر نے جو کچھ لکھا ہے میر رائے میں غلط ہے۔ ہائی کورٹ میں اس کی چارہ جوئی ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر عدالت ہائی کورٹ اس امر میں ہم سے متفق ہو اور واقعات پر متفق نہ ہو تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں اس واسطے زیادہ ضروری امر واقعات کے متعلق ہے۔

واقعات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جج صاحب نے وہی بات لکھی ہے اور اپنے فیصلے کو اسی بات پر مبنی کیا ہے جس کا احساس ہمیں پہلے ہی تھا یعنی یہ بات کہ واقعات اور بے ضابطگیوں سے ڈگری دار کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی۔

مَیں نے یہ تمام باتیں پہلے ہی عرض کر دی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری اس مقدمے میں یہی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ ہائی کورٹ جہاں تک بے ضابطگیوں اور غلطیوں کا تعلق ہے' اے ڈی حکیم صاحب[1] سے مختلف تجویز کرے۔

شیخ صاحبان[2] اپنی جگہ سوچ لیں اور اس تمام زیر باری کا اندازہ کر لیں جو اپیل وغیرہ کا نتیجہ ہو گی۔ اگر معمولی مالیت کا مقدمہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مقدمہ کی مالیت بھی بڑی ہے اور اخراجات وکلا وغیرہ بھی اسی حیثیت سے ہوں گے۔ غرض ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی زیر باری میں اور اضافہ ہو۔ وجوہات اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ اپیل دائر کر دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمے کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا مگر خُدا تعالیٰ کی درگاہ سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ سیٹھ صاحبان کے لیے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ سیٹھ صاحبان کی خدمت میں السلام علیکم۔

مخلص محمدؐ اقبالؔ لاہور

۱۳/اگست ۱۹۲۱ء

حواشی وتعلیقات:

[1] اے ڈی حکیم' سشن جج۔ بمبئی کے ایک پارسی تھے۔ اُردو اور کشمیری تو بالکل ہی نہ جانتے تھے' البتہ کشمیریوں کی بدقسمتی سے حکومت کے محکمۂ سیاسیہ وخارجہ میں ''حکیم'' کی رعایت سے مسلمان سمجھے جاتے تھے۔ ان کے زمانے میں ہندو سر رشتہ دار من مانی کارروائیاں کرتے تھے اور کسی کی کوئی پیش نہ جانے دیتے تھے' اس لیے چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمے کا فیصلہ حسبِ منشا نہ ہو سکا' جس کا اقبالؔ کو افسوس رہا۔

مآخذ: ۱) عبداللہ قریشی (مرتب) ''حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں''، ص: ۳۰۶' ۳۰۷

[2] شیخ صاحبان: شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش مُراد ہیں۔

ڈیر منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ اِن شاءاللہ آپ کے ارشاد پر غور کیا جائے گا۔

افسوس کہ رحمان[1] راہ کامل طور پر نہ بچا، گو پھانسی سے بچ گیا۔ لالہ کنور سین[2] صاحب سے لاہور میں مَیں نے اس مقدمے کا مفصل ذکر کیا تھا اور تمام بڑی بڑی باتیں ان کو سمجھا دی تھیں اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت جموں میں کریں تو مَیں بغیر مزید فیس کے بحث کروں گا مگر افسوس کہ وہ مقدمہ کشمیر میں سنا گیا۔

بہرحال میں نے منشی اسداللہ کی تحریر پر اپنی بحث کے مفصل نوٹ ان کو بھیج دیے تھے جو عدالت میں پیش کر دیے گئے تھے۔ لالہ کنور سین صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تمھاری بحث کے مفصل نوٹ مثل پر موجود ہیں۔ اس وقت اگر میعاد کا سوال نہ اٹھایا جاتا تو مقدمہ مہاراجا (سر پرتاپ سنگھ)[3] کے سامنے ہی غالباً فیصلہ ہو جاتا۔ مگر منشی اسداللہ صاحب یہ خیال کرتے رہے کہ بارِ دیگر مقدمہ کونسل کے سامنے پیش ہوگا جہاں رحمان راہ کی بریت کی توقع ہے اس واسطے اس وقت التوا کو غنیمت سمجھا گیا ورنہ مَیں نے تو مہاراجہ صاحب کو بھی کہہ دیا تھا کہ آپ ابھی فیصلہ کر دیں کیونکہ دوبارہ یہاں آنے کا خرچ مؤکل اپنی غریبی کی وجہ سے نہ اٹھا سکیں گے مگر منشی اسداللہ صاحب کا یہی خیال تھا کہ التوا بہتر ہے مگر افسوس کہ بعد میں ان کا خیال پورا نہ ہو سکا اور کونسل اب تک نہ بن سکی۔ وہ غلطی سے یہ سمجھتے رہے کہ اس فیس میں جو انھوں نے مجھ کو دی تھی میں دوبارہ کشمیر آ جاؤں گا مگر یہ کیوں کر ممکن تھا۔

اس علاوہ مہاراجہ صاحب کے سامنے مَیں نے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔ بہرحال اب مَیں نے سنا ہے کہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں لالہ کنور سین صاحب کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے مندرجہ بالا طویل حالات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اگر رحمان راہ کے وارثوں کا ارادہ اپیل کرنے کا مصمم ہو تو مَیں بغیر کسی مزید فیس کے ان کی اپیل

لکھ دوں گا۔ آپ یہ امران کے گوش گزار کر دیں۔

چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے۔ اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا قانونی ممبر بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور دقت بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے مہاراجا کی طرف سے اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو تو اس کی اپیل گورنمنٹ آف انڈیا میں ہوتی ہے۔ قید کا اگر حکم ہو تو اس کی اپیل نہیں ہوتی۔ بہرحال اگر ان کا ارادہ ہو تو مجھے اس میں کچھ عذر نہ ہو گا۔ اس صورت میں آپ ان سے کہہ دیں کہ میری بحث کے مفصل نوٹ اور دیگر کاغذات بھیج دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبالؔ لاہور

۲۰/اپریل ۱۹۲۲ء

حواشی و تعلیقات

۱ رحمان راہ سری نگر کا ایک باشندہ تھا اور قتل کے الزام میں ماخوذ تھا۔ یہ مقدمہ سری نگر ہی میں اقبالؔ کو ملا تھا۔ اقبالؔ کی بحث سے یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید ہو گیا۔

۲ لالہ کنورسین: ایم۔اے کی ڈگری لینے کے بعد بار ایٹ لا کیا۔ ۱۵/جنوری ۱۹۱۳ء کو لا کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ریاست کشمیر کے چیف جسٹس بھی رہے۔ میر حسن کے شاگرد۔ عربی میں دسترس حاصل تھی۔ آیاتِ قرانی کا بلا تکلف حوالہ دیتے۔ اقبالؔ کی لیاقت اور قابلیت کے دل سے معترف تھے۔

مآخذ: ۱) نذیر نیازی سیّد: ''دانائے راز'' ص: ۱۹۱، ۱۹۲

۲) عبدالشکور احسن (مؤلف): ''زندگی نامہ'' ص: ۱۲۸

۳) سلطان محمود حسین، ڈاکٹر، شمس العلماء مولوی سید میر حسین'' حیات و افکار'' ص: ۲۱۲۔۲۱۴

۴) مہاراجا پرتاب سنگھ والیِ ریاست جموں و کشمیر ریاسی (RIASI) کے مقام پر ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا۔ ڈوگری، سنسکرت، فارسی اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔ ۱۸۸۵ء میں تخت نشین

ہوا۔اس کے عہد میں انتظامیہ میں اصلاحات ہوئیں۔ پرتاپ سنگھ نے ۲۳رستمبر۱۹۲۵ءکوسری نگر میں انتقال کیا۔

مآخذ:مظفرحسین برنی (مرتّب):کلیاتِ مکاتیب‘ دوم‘‘ ص:۸۱۶‘۸۱۷

بنام علاّمہ عبدالرشید طالوتؔ

تعارف

عبدالرشید نام‘ نسیم تخلص‘ قلمی نام طالوت۔ یکم فروری ۱۹۰۹ءکوڈیرہ غازی خان کے ایک نواحی قصبے چوٹی زیریں جمال خاں میں پیدا ہوئے۔ دیو بند کے فارغ التحصیل تھےاور گورنمنٹ اورینٹیل سکول ملتان میں پڑھاتے تھے۔ان کی سیاسی تحریریں ’’زمیندار‘‘ ’’عالمگیر‘‘ ’’خیام‘‘ اور دوسرے رسالوں میں شائع ہوتی تھیں۔اسلامی نظمیں زیادہ تر ’’بُرہان‘‘ دہلی اور ’’معارف‘‘ اعظم گڑھ میں شائع ہوتی تھیں۔اُردو‘ فارسی اور سرائیکی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ دیوانِ فرید کومرتب اور مدوّن کیا۔ان کا تاریخی کارنامہ عربی ادب کی تاریخ ہے۔انھوں نے ۳رمارچ ۱۹۶۳ءکوملتان میں وفات پائی۔

ہماری سیاسی اورقومی تاریخ میں ان کا نام اس لحاظ سے زندہ رہے گا کہ انھوں نے اپنی مراسلت کے ذریعے مولانا حسین احمد مدنی اوراقبالؔ کی باہم غلط فہمی دور کروادی تھی۔

مآخذ: ۱) افضل حق قرشی‘ قاضی: ’’اقبال کے ممدوح علما‘‘ ص:۸۸۔

۲) عبدالرحمٰن خان‘ منشی: ’’چندنا قابلِ فراموش شخصیات‘‘ ص:۹۳۔۹۵

(۱۲۱)

۱۶رفروری ۱۹۳۸ء

جنابِ من

مولانا حسین احمدؒ صاحب کے معتقدین اوراحباب کے بہت سے خطوط میرے پاس آئے۔ان میں سے بعض میں تو اصل معاملے کو بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے مگر بعض نے معاملے پرٹھنڈے دل سے غور کیا اور مولوی

صاحب کو بھی اس ضمن میں خطوط لکھے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خط میں مولوی صاحب کے خط کے اقتباسات[2] درج ہیں۔ اس واسطے مَیں نے آپ ہی کے خط کو جواب کے لیے انتخاب کیا ہے۔ جواب ان شاءاللہ اخبار ''احسان'' میں شائع ہوگا۔ میں فرداً فرداً علالت کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر ہوں۔

مخلص

محمدؐ اقبالؔ

حواشی وتعلیقات

[1] مولانا حسین احمد مدنی بمقام بانگر مئو ضلع اناؤ میں ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام چراغ محمد ہے۔ ابتدائی پرورش بانگر مئو ہی میں ہوئی۔ درالعلوم دیوبند سے امتیاز کے ساتھ سند حاصل کی۔ مدینہ طیبہ میں ایک عرصے تک قرآن اور حدیث کا درس دیا۔ بعدازاں درالعلوم دیوبند میں بھی درس وتدریس میں مشغول رہے اور صدر مدرس کے فرائض انجام دیے۔ مولانا نے ہند کی سیاسیات میں نمایاں حصہ لیا اور مولانا محمود حسن کے ساتھ مالٹا میں اسیر رہے۔ کانگریس اور خلافت کی تحریک میں پیش پیش رہے اور اس سلسلے میں کئی بار قید بھی ہوئے۔ جمعیت العلما کے صدر بھی رہے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں مولانا کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے علما اور مشائخ میں تھا۔ ۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو انتقال کیا اور دیوبند میں دفن کیے گئے۔

مآخذ: ۱) روزنامہ ''الجمعیۃ''، دہلی، ص: ۵۔۷

۲) اعجاز الحق قدوسی ''اقبال اور علمائے پاک وہند'' ص: ۳۷۸۔۳۸۸

۳) عبدالرشید ارشد: ''بیس بڑے مسلمان'' ص: ۶۴۳۔۶۹۸

[2] مولانا حسین احمد مدنی نے ۸ر جنوری ۱۹۰۸ء کو دہلی کے ایک جلسہ میں تقریر کی۔ یہ تقریر بہت طویل تھی۔ جس کا اختصار ۹ر جنوری کو روزنامہ ''تیج'' اور روزنامہ ''انصاری'' میں شائع ہوا۔ بعد میں ''انقلاب'' اور ''زمیندار'' نے نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھ دیا کہ مولانا حسین احمد نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ چونکہ زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتی ہیں، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں۔ جب یہ ''انقلاب'' اور ''زمیندار'' اقبالؔ کی نظر سے گزرے تو انھیں ذہنی وقلبی تکلیف ہوئی اور یہ اضطراب ایک شعری قطعہ میں ڈھل

گیا۔

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ　　ز دیوبند حسین احمدؐ ایں چہ بوالعجبی است!
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است　　چہ بے خبر زِ مقامِ محمدؐ عربی است!
بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است!

ان اشعار کا شائع ہونا تھا کہ بحث وتمحیص کے دروازے کھل گئے۔معترضین نے ان اشعار کا جواب اشعار میں دیا۔کتابچے شائع کیے‘ مضامین لکھے۔

مولانا طالوتؔ کو چونکہ مولانا حسین احمد سے عقیدت تھی۔اس لیے انھیں اقبالؔ کے مذکورہ اشعار سے صدمہ پہنچا۔انھوں نے اقبالؔ کو ایک طویل خط لکھا اور مولانا حسین احمد کے خط کے اقتباسات بھی لکھے‘ مولانا کا یہ طویل خط مختلف اخبارات و رسائل مثلاً ’’مدینہ‘‘، الجمعیت‘‘، ’’انصاری‘‘،’’ہندجدید‘‘، پاسبان‘‘ اور’’ترجمانِ سرحد‘‘ میں اشاعت کے لیے بھیجا گیا‘ اس خط میں انھوں نے اپنے فرمودہ’’قومیں اوطان سے بنتی ہیں‘‘ کی وضات کی کہ ان کے اس بیان کا وہ مطلب نہیں جو اقبالؔ سمجھے ہیں......اقبالؔ نے ایک مضمون’’جغرافیائی حدود اور مسلمان‘‘ لکھا جو اخبار’’احسان‘‘ لاہور کی ۹/مارچ ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں چھپا۔تاہم مولانا حسین احمد کے اعتراف کے بعد اقبالؔ نے اپنا بیان اخبار’’احسان‘‘ میں شائع کرایا اور وضاحت کی کہ انھیں مولانا صاحب سے ذاتی رنجش اور عناد نہیں ہے بلکہ نظریاتی اختلاف ہے کیونکہ اس نظریے کے اثرات بہت مضر ثابت ہو سکتے تھے۔طالوتؔ صاحب کے نام خطوط میں اسی مسئلے کو موضوع بنایا گیا ہے۔

مآخذ: ۱)　اقبالؔ اور مولانا سیّد حسین احمد مدنی‘ از پروفیسر یوسف سلیم چشتی‘ مشمولہ: روزنامہ ’’الجمیعۃ‘‘ دہلی‘ ص: ۳۷۹-۳۸۳

۲)　نور محمد قادری‘ سیّد (مرتب) اقبالؔ کا آخری معرکہ‘ ص: ۸۵-۹۵

(۱۲۲)

۱۸/فروری ۱۹۳۸ء

جنابِ من

سلام مسنون۔میں حسب وعدہ آپ کے خط کا جواب’’احسان‘‘ میں لکھوانے کو تھا کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی جس کا گوش گزار کر دینا

ضروری ہے۔ امید ہے کہ آپ مولوی صاحب کو خط لکھنے زحمت گوارا فرما کر اس بات کو صاف کر دیں گے۔ جو اقتباسات آپ نے ان کے خط سے درج کیے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اگر ان کا مقصود ان الفاظ سے صرف ایک امرِ واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا' کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔ البتہ اگر ان کا یہ مقصد تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریے کو قبول کر لیں تو پھر بحث کی گنجایش باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ کسی نظریے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی۔ اس خیال سے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اس بات کا صاف ہوجانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا۔ ان کا جو جواب[1] آئے وہ آپ مجھے روانہ کر دیجیے۔ مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلائیے کہ مَیں ان کے احترام میں کسی اور مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔ البتہ اگر مذکورہ بالا ارشاد سے ان کا مقصد وہی ہے جو مَیں نے اوپر لکھا ہے تو میں ان کے مشورے کو اپنے ایمان اور دیانت کی رُو سے اسلام کی روح اور اس کے اساسی اصولوں کے خلاف جانتا ہوں۔ میرے نزدیک ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایانِ شان نہیں اور وہ مسلمانانِ ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا۔ اگر مولوی صاحب نے میری تحریروں کو پڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا فرمائی ہے تو انھیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ مَیں نے اپنی عمر کا نصف حصہ اسلامی قومیت اور ملّت کے اسلامی نقطۂ نظر کی تشریح و توضیح میں گزارا ہے محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کے لیے اور خصوصاً اسلام کے لیے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک خطرۂ عظیم محسوس ہوتا تھا۔ کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈا کرنا نہ میرا اس سے پہلے مقصد تھا نہ آج مقصود ہے بلکہ وہ شخص جو دین کو سیاسی پروپیگنڈے کا پردا بناتا ہے' میرے نزدیک لعنتی ہے۔

مخلص

محمدؐ اقبالؔ

حواشی وتعلیقات: [۱] دیکھیے خط نمبر ۱۲۱ تعلیقہ نمبر ۲

(۱۲۳)

مارچ ۱۹۳۸ء[1]

جناب ایڈیٹر صاحب

احسان[1] لاہور

السلامُ علیکم۔

میں نے تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اس میں اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد کہ ''زمانۂ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں''، محض برسبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر مولانا نے مسلمانانِ ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریۂ وطنیت اختیار کریں تو دینی پہلو سے اس پر مجھ کو اعتراض ہے۔ مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار ''انصاری'' میں شائع ہوا۔ مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

> لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگانِ ملک کو منظّم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتے میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لیے کوئی رشتۂ اتحاد بجز متحدہ قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانانِ ہندوستان کو مشورہ دیا ہے۔ اسی بنا پر میں نے وہ مضمون[2] لکھا جو اخبار احسان میں شائع ہوا ہے۔ لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انھوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے۔ اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں:

> مرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیانِ واقعہ مقصود تھا اس میں

کوئی کلام نہیں اور اگر مشورہ مقصود ہے تو خلاف دیانت ہے۔ اس لیے مَیں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق وسابق پر نظر ڈال لی جائے۔ مَیں عرض کر رہا تھا کہ ''موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں''۔ یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیے۔ خبر ہے' انشا نہیں ہے۔ کسی ناقل نے مشورے کا ذکر بھی نہیں کیا۔ پھر اس مشورے کو نکال لینا کس قدر غلطی ہے۔

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ مَیں نے مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوشِ عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے سائے میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔ خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ مستفید کرے۔ نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیّتِ دینی کے احترام میں مَیں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔

محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i صابر کلوروی صاحب کے مطابق یہ خط مارچ ۱۹۳۸ء کے اوائل میں تحریر کیا گیا۔ (''اشاریۂ مکاتیب''، ص:۹۱)

حواشی وتعلیقات:

ا ''احسان''، لاہور سے ۱۹۳۴ء میں جاری ہوا۔ ملک نور الٰہی اس کے ناشر اور اقبالؔ سرپرست تھے۔ اس اخبار کو مرتضیٰ احمد خان میکش، چراغ حسن حسرت اور مولانا انعام اللہ خان ناصر ایسے ممتاز

صحافیوں کی خدمات حاصل تھیں۔ ''احسان'' فنی لحاظ سے ایک اعلیٰ اخبار تھا۔ یہ برصغیر کا پہلا اُردو اخبار تھا جس نے ٹیلی پرنٹر نصب کرایا۔ ورنہ دوسرے اُردو اخباروں کو خبر رساں ایجنسیاں دستی خبریں پہنچاتی تھیں۔

مآخذ: ۱) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر: صحافت، پاکستان و ہند میں'' ص: ۴۵۶۔۴۵۷

۲) مسکین علی حجازی، ڈاکٹر: ''پنجاب میں اُردو صحافت''، ص: ۳۷۰۔۳۷۲

۳) ایم۔ ایس۔ ناز: ''اخبار نویسی کی مختصر ترین تاریخ''، ص: ۲۹۸۔۳۰۱

۲۔ مضمون سے مراد ''جغرافیائی حدود اور مسلمان'' ہے، جو ۹/مارچ ۱۹۳۸ء کے اخبار ''احسان'' میں شائع ہوا۔

بنام شیخ مبارک علی

تعارف:

شیخ مبارک علی (۱۸۹۲ء۔۱۹۸۳ء) لاہور کے مشہور ناشر اور تاجر کتب۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ریلوے اکاؤنٹس میں ملازم ہو گئے۔ ملازمت سے مستعفی ہو کر کتابوں کا کاروبار شروع کر دیا۔ جو ابتداءً چھوٹے درجے کا تھا۔ ان کی کتابوں کی دُکان لوہاری دروازے میں تھی۔ اقبالؔ نے اپنی کتاب ''رموزِ بیخودی'' کی طباعت و اشاعت کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے طبع اول کی فروخت کا وقت تین مہینے مقرر کیا تھا۔ مگر تین ہی ہفتے میں مقررہ رقم اقبالؔ کو پہنچا دی۔ اس کے بعد اقبالؔ نے اپنی دوسری کتابوں کی اشاعت کے لیے بھی انھیں کو منتخب کیا اور ان کی اندرون لوہاری دروازہ کی دکان پورے برعظیم میں مشہور ہو گئی۔ اقبالؔ کے علاوہ انھوں نے محمد حسین آزادؔ، مولانا شبلیؔ، اور دیگر مصنفین کی اُردو اور فارسی کتابوں کی طباعت و اشاعت بھی کی۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی کتابیں بھی انھیں کے ذریعے فروخت ہوتی تھیں۔ ''ترجمان القرآن'' کی دونوں جلدیں شیخ مبارک علی ہی کے توسط سے اہلِ ذوق تک پہنچیں۔ آخر میں انھوں نے اپنی مشہور دکان اپنی بیٹی اور داماد کے حوالے کر دی اور خود انارکلی میں پبلشرز یونائٹیڈ کا کام سنبھالا۔

مآخذ: ''پاکستانیکا انسائیکلوپیڈیا'' مرتبہ سید قاسم محمود، جلد اوّل''، ص: ۸۰۹

(۱۲۴)

مارچ/اپریل[i] ۱۹۲۳ء

مکرم بندہ

۱۔کاپی جو تیار تھی بھیج دیجیے تاکہ میں دیکھ دوں۔

۲۔کاپی کے خالی حصے کے لیے جو شعر مَیں نے دیے تھے وہ کاپی میں لکھے گئے یا نہیں۔اگر عبدالمجید[1] نے انھیں نقل کر لیا ہو تو وہ کاپی بھی بھیج دیں۔

۳۔''خردہ''[2] کا مسوّدہ مجھے بھیج دیجیے کہ اس میں اور چند اشعار کا اضافہ کر دوں۔

محمد اقبالؔ

تحقیق متن:

i زیرِنظر خط کی تاریخِ تحریر صابر کلوروی صاحب نے مارچ/اپریل ۱۹۲۳ء متعین کی ہے۔ (''اشاریۂ مکاتیب''،ص:۹۱)

حواشی وتعلیقات:

1 برعظیم پاک و ہند کے نامور خطاط......ایمن آبادی دبستانِ نستعلیق سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد منشی عبدالعزیز اور دادا مولوی پیر بخش بھی خوش نویس تھے۔عبدالمجید نے ابتدا میں خلیفہ نور احمد سے اصلاح لی۔اس کے بعد وہ امام ویردی اور سید احمد ایمن آبادی کی پیروی کرنے لگے۔ آخر میں انھوں نے حکیم فقیر محمد چشتی سے مشورہ کیا اور دائرے بنانے میں کمال حاصل کیا۔عبدالمجید نے الفاظ کی پیوندوں کی پراخت میں نہایت دلکش اور حسین ترامیم کیں اور یوں ایک خاص طرزِ خطاطی کے موجد بنے۔انھوں نے اقبالؔ کے کلام کی کتابت کر کے شہرت حاصل کی۔آخری عمر میں تصوّف کی طرف مائل ہو گئے تھے۔غلام رسول مہرؔ نے انھیں ''پروین رقم'' کا خطاب دیا تھا۔ ۴/اپریل ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔

مآخذ:۱) محمد اسلم پروفیسر''خفتگانِ خاکِ لاہور''،ص:۱۹۶،۱۹۷

۲) اسلم کمال:''اسلامی خطاطی کا ایک تعارف'':۶۴،۶۶

2 ''خردہ'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ''پیامِ مشرق'' کی کتابت کے متعلق ہے جو پہلی بار ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی۔

(۱۲۵)

جناب شیخ مبارک علی صاحب

بانگِ درا[1] کی طباعت وغیرہ کا بل کریمی پریس کی طرف سے میرے پاس آ گیا ہے جس کو میں ادا کر دوں گا۔ آپ اسے ادا کرنے کی زحمت گوارا نہ کریں۔

لیکن عبدالمجید صاحب کاتب کا بِل ابھی تک میرے پاس نہیں آیا۔ اگر آپ نے ادا کر دیا ہے تو بہتر۔ اگر ابھی تک ادا نہیں ہوا تو اطلاع دیجیے کہ اس سے بِل منگوا کر ادا کر دیا جائے۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور ۲۶/اگست ۲۴ء

حواشی و تعلیقات

[1] ''بانگِ درا'' اقبال کا پہلا اُردو مجموعۂ کلام جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔

(۱۲۶)

مارچ/اپریل[i] ۱۹۲۳ء

مکرم بندہ

مندرجہ ذیل کاغذ مرسل ہیں۔

(۱) پیش کش (۲) ٹائٹل پیج۔ اس پر حسب فرمایش وغیرہ نہ لکھا جائے نہ کتاب کی پُشت پر کسی اور کتاب کا اشتہار دیا جائے۔ کاغذ[ii] کے ایک طرف کتاب کا نام وغیرہ ہے، دوسری طرف وسط میں لفظ ''کاپی رائٹ'' ہے۔ (۳) دیباچہ (۴) گزشتہ کاپی میں جو جگہ خالی رہ گئی تھی اس کے لیے اشتہار۔

مہربانی کر کے عبدالمجید سے میری طرف سے درخواست کیجیے کہ وہ اب اس کام کو ختم کر کے کہیں باہر جائے، اس سے پہلے نہ جائے کیونکہ اس تھوڑے سے کام کے لیے تمام کتاب میں دیر ہو جائے گی۔ ایک دو دن کا کام ہے اور وہ آسانی

سے ایک دو روز کے لیے اپنا سفر ملتوی کر سکتے ہیں۔ اگر ان کو روکنا ناممکن ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ پیش کش اور دیباچہ وغیرہ آپ کسی iii سے لکھوالیں؟ مجھے اندیشہ ہے کہ عبدالمجید کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں گے اور کام رُکا رہے گا۔ بہرحال مَیں یہ کام آپ پر چھوڑتا ہوں۔ اگر وہ ایک دو روز کے لیے اپنا سفر ملتوی کر دیں تو ان کی مہربانی ہے، نہیں تو جس طرح آپ مناسب سمجھیں کریں۔

باقی کاپیاں جو کل ختم ہو گئی ہوں گی ارسال کیجیے کہ مَیں ان کو دیکھ لوں۔ والسلام

محمدؐ اقبال

تحقیق متن:

i صابر کلوروی صاحب کے نزدیک یہ خط مارچ/اپریل ۱۹۲۳ء میں لکھا گیا۔ (''اشاریۂ مکاتیب''، ص:۹۱) ii انوار = کی۔ iii انوار = آپ اور کسی (دیکھیے: عکس)

بنام وصل بلگرامی

تعارف:

سیّد مقبول حسین نام، وصل تخلص، بلگرام کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے کی نہایت ہنگامہ پرور شخصیت گزرے ہیں۔ وصل نے ابتـــداءً رسالہ ''عالمگیر'' نکالا پھر ۱۹۲۵ء کے آخر میں لکھنؤ سے ادبی رسالہ ''مُرقع'' کے نام سے چھاپنا چاہا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے مختلف ادیبوں اور شاعروں کو قلمی تعاون کے لیے لکھا۔ اقبال سے فرمائش کی تھی کہ وہ سرورق کے لیے کوئی اچھا سا شعر تجویز کریں، اس کا ذکر اقبال کے خط محررہ ۱۸/نومبر ۱۹۲۵ء میں ہے۔ دوسرا شعر جس کا عکس وصل بلگرامی نے جنوری ۱۹۲۲ء کے ''مرقع'' میں شائع کیا تھا، درج ذیل ہے:

؎ تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ   عشق کاری است کہ بے آہ وفغاں نیز کنند

یہ شعر ''زبورِ عجم کے حصہ دوم میں موجود ہے۔ وصل بلگرامی کی وفات تھانہ بھون میں ۱۱/اکتوبر ۱۹۴۲ء کو ہوئی۔

مآخذ: ۱)   فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: ''معاصرینِ اقبال''، ص: ۱۱۹۰

۲) ''نقوش''شخصیات نمبر'ص:۵۳۵۔۵۳۷

۳) ماہنامہ''شاعر''اقبال نمبر۔جلد اوّل ۱۹۸۸ء بمبئی'ص:۴۷۷

(۱۲۷)

لاہور

۱۸/نومبر ۱۹۲۵ء

مخدومی'تسلیم

یہ ایک شعر حاضر ہے۔معلوم نہیں سرورق کے لیے موزوں ہوگا یا نہیں:

ندارد عشق سامانی و لیکن تیشہ ئی دارد

شگافد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است[۱]

حواشی و تعلیقات: یہ شعر''زبورِ عجم''(کلیاتِ فارسی'ص:۳۵۸)میں ہے اور مصرعۂ ثانی میں ''شگافد'' کی بجائے''خراشد'' ہے۔

[۱] ترجمہ عشق کے پاس سروسامان نہیں ہے مگر تیشہ تو ہے۔وہ پہاڑوں کا سینہ چیر دیتا ہے۔مگر خونِ پرویز سے پاک ہے۔

(۱۲۸)

نومبر/دسمبر[1] ۱۹۲۵ء

مخدومی'تسلیم

گفتند دِلآزار کہ پربستہ نکوتر

گفتم کہ زِبند دو جہاں رستہ نکوتر

گفتند زخلوت کدۂ خویش بروں آ

گفتم شرر جستہ ز نا جستہ نکوتر

گفتند کہ دربارۂ اُو چیزے دِگرے گو

گفتم چوگل از باد صبا خستہ نکوتر[۱]

دانت کے درد سے اب افاقہ ہے۔ہمدردی کا شکریہ قبول فرمائیے۔ٹائٹل پیج کے لیے شاید یہ شعر موزوں ہو۔

تاتو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ!
عشق کارے ست کہ بے آہ وفغاں نیز کنند[۲]

مخلص
اقبالؔ

تحقیق متن:

[۱] زیرنظر خط کی تاریخ تحریر صابر کلوروی صاحب نے متعین کی ہے۔ (اشاریۂ مکاتیب' ص:۹۱) ''ماہِ نو'' اقبال نمبر ۱۹۷۷ء ص: ۳۵۰-۳۵۲۔

حواشی تعلیقات

[۱] **ترجمہ:** انھوں نے کہا کہ پَر بندھے رہنا گویا قیدِ قفس میں رکھنا زیادہ بہتر ہے کہ پھر عاشق کی دل آزاری کے اسباب کم ہوں گے۔ میں نے کہا کہ ہر دو جہاں کی قید سے آزادی زیادہ بہتر ہے۔ انھوں نے کہا کہ تنہائی کے گوشے سے باہر نکل آ ؤ۔ میں نے کہا کہ دہکتا ہوا شرار مردہ شرارے سے زیادہ بہتر ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس (محبوب) کے بارے میں ذکر اذکار اس کے Exposure کے مترادف ہوگا جو ہوا سے پھول کے کھلانے کی طرح ہے)

[۲] **ترجمہ:** میں نے اس لیے نالہ کیا ہے کہ تو جاگ جائے ورنہ عشق تو وہ کاروبار ہے کہ جسے لوگ بغیر نالہ وفریاد کے بھی کرتے ہیں۔ (''زبورِ عجم'' ص:۷۱)

بنام وحید احمد

تعارف:

وحید احمد مسعود قصبہ شیخوپورہ ضلع بدایوں (یو۔ پی) کے ایک امیر گھرانے میں ۱۸/ مارچ ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے' لیکن پہلی جنگِ عظیم چھڑنے کے سبب بغیر کوئی ڈگری لیے واپس آ گئے۔ وحید احمد تصوف پر اچھی نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے تصوف کو سید علی ہجویری داتا گنج بخش کی تعلیمات کی روشنی میں عوام کو سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ اقبالؔ کے نظریے کے حامی تھے کہ صوفی کو بے عمل نہیں ہونا چاہیے۔ وحید احمد ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ بدایوں سے ایک رسالہ ''نقیب'' نکالتے تھے۔ جس میں اقبالؔ کے کلام کی اشاعت کے لیے

برابر خط لکھا کرتے تھے۔ ان کی مشہور تصانیف میں: حضرت بابا فریدؒ' سید احمد شہید' اسلام مشرق میں' اور' گردِ راہ' شامل ہیں۔ وہ شاعر بھی تھے۔ وحید تخلص کرتے تھے۔ ۱۵/ جنوری ۱۹۷۲ء کو انتقال کیا۔

مآخذ: مظفر حسین برنی (مرتب): ''کلیاتِ مکاتیب' دوم'': ۱۰۷۰' ۱۰۷۱

(۱۲۹)

لاہور

۴/ستمبر ۱۹۱۹ء[i]

مکرمی تسلیم

''نقیب[1]'' کے لیے دو تین اشعار حاضر ہیں:

از من اے بادِ صبا گوئی بہ دانائی فرنگ
عقل تا بال کشود است گرفتار تر است
برق را ایں بہ جگر میزند آں رام کند
عشق از عقل فسوں پیشہ جگر دار تر است
چشم جز رنگِ گل و لالہ نہ بیند ورنہ
آنچہ در پردۂ رنگ است پدیدار تر است[2]

مخلص

محمد اقبال

تحقیقِ متن:

i اشاریہ مکاتیب' ص: ۹۱

حواشی و تعلیقات:

1 یہ رسالہ پہلے پہل ۱۹۱۹ء میں جاری ہوا اور کچھ عرصے کے بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء میں دوبارہ جاری ہوا۔

2 یہ تین اشعار ''نقشِ فرنگ'' کے عنوان سے ''پیام مشرق'' میں شامل ہیں۔ (کلیات' فارسی' ص: ۳۲۱)

ترجمہ: اے بادِصبا میری طرف سے دانائے فرنگ سے کہہ دینا کہ:
جب سے عقل نے پَر پُرزے نکالے ہیں وہ اور بھی زیادہ گرفتار ہوگئی ہے۔
برق (بجلی) کو یہ جگر پر سہتا ہے اور عقل اسے مسخر کرتی ہے۔
دیکھا جائے تو عقلِ فسوں ساز سے عشق زیادہ جیالا ہے
آنکھ سوائے رنگِ گل ولالہ کے کچھ نہیں دیکھتی ورنہ جو کچھ رنگ کے پردے میں چھپا ہوا ہے وہ زیادہ ظاہر ہے۔

(۱۳۰)

لاہور

۷ر ستمبر ۱۹۲۱ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کے پاس میرا کوئی اور شعر ہوگا۔ اس شعر میں کیا رکھا ہے۔ اگر آپ کو مضمون لکھنے کی زحمت گوارا ہی کرنا ہے تو ایک رباعی حاضر کرتا ہوں۔ اس پر لکھیے اور اس شعر کو نہ چھاپیے اور اس پر مضمون لکھنے کا خیال ترک کیجیے۔

وہ رباعی مندرجہ ذیل ہے:

تو اے کودک منش خود را ادب کُن
مسلمان زادئ ترک نسب کُن
برنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگرؔ ترکِ عرب کُن[1]

اس زمانے میں سب سے زیادہ بڑا دشمن اسلام اور اسلامیوں کا نسلی امتیاز و ملکی قومیت کا خیال ہے۔ پندرہ [تیرہ لکھ کر کاٹ دیا اور اسے پندرہ بنایا] برس ہوئے جب میں نے پہلے پہل اس کا احساس کیا۔ اس وقت میں یورپ میں تھا اور اس احساس نے میرے خیالات میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا۔ یہ ایک

طویل داستان ہے۔کبھی فرصت ہوئی تو اپنے قلب کی تمام سرگزشت قلم بند کروں گا۔جس سے مجھے یقین (ہے) بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا۔اس دن سے جب یہ احساس مجھے ہوا آج تک برابر اپنی تحریروں میں یہ ہی خیال میرا مطمحِ نظر رہا ہے معلوم نہیں میری تحریروں نے اور لوگوں پر اثر کیا یا نہیں کیا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس خیال نے میری زندگی پر حیرت انگیز اثر کیا۔

زیادہ کیا عرض کروں۔امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

حواشی و تعلیقات:

[1] یہ رباعی ''پیامِ مشرق'' میں شامل ہے۔(کلیات، فارسی، ص:۲۲۳)

ترجمہ: اے بچوں کا سا مزاج رکھنے والے اپنی تربیت کر۔تو مسلمان زادہ ہے تو نسب کا فخر چھوڑ دے۔سرخ رنگ، خون اور رگ و پوست پر اگر عرب ناز کرتا ہے تو عرب کو بھی چھوڑ دے۔

بنام شاہ سلیمان پھلواروی

تعارف: دیکھیے خط نمبر۳ تعلیقہ نمبر ۷

(۱۳۱)

لاہور، ۲۴رفروری ۱۶ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا السلام علیکم

آپ کا خط جو ''خطیب'' میں شائع ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ میری مثنوی اسرارِ خودی[1] آپ تک نہیں پہنچی۔ایک کاپی ارسالِ خدمت کرتا ہوں تا کہ آپ یہ اندازہ کر سکیں کہ خواجہ حسن نظامی صاحب[2] نے جو اتہامات مجھ پر لگائے ہیں وہ کہاں تک درست ہیں۔

آپ نے جو خط شائع کیا ہے اس کے حرف حرف سے مجھے اتفاق

ہے اور مَیں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے خدا لگتی بات کہی۔

شیخ اکبر محی الدین ابنِ[3] عربی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت مجھے[1] کوئی بدظنی نہیں بلکہ مجھے ان سے محبت ہے۔ میرے والد کو فتوحات[4] اور فصوص[5] سے کمال توغل رہا ہے اور چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی۔ برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفل درس میں ہر روز شریک ہوتا۔ بعد میں جب عربی سیکھی تو کچھ کچھ خود بھی پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا میرا شوق اور واقفیت زیادہ ہوتی گئی۔ اس وقت میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات تعلیمِ قرآن کے مطابق نہیں ہیں اور نہ کسی تاویل وتشریح سے اس کے مطابق ہوسکتی ہیں لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ مَیں نے شیخ کا مفہوم غلط سمجھا۔ کئی سالوں تک میرا یہی خیال رہا ہے کہ مَیں غلطی پر ہوں گو اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ مَیں ایک قطعی نتیجے تک پہنچ گیا ہوں لیکن اس وقت بھی مجھے اپنے خیال کے لیے کوئی ضد نہیں۔ اس واسطے بذریعہ عریضہ ہٰذا آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ آپ ازراہِ عنایت ومکرمت چند اشارات تطہیر فرمادیں۔ مَیں ان اشارت کی روشنی میں فصوص اور فتوحات کو پھر دیکھوں گا اور اپنے علم ورائے میں مناسب ترمیم کرلوں گا۔ اگر آپ ایسا ارشاد فرمادیں تو مَیں مدت العمر آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

تجلیِ ذاتی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ اکبر فرماتے ہیں:

"**وَمَا بَعُدَهَذَاالتَّجِلی اُلااَلعَدمَ اُلمَحض فَلَا تَطْمَعُ وَلا تُتعِبْ فِیُ اِن تَرُقیُ مِنُ هَذَه الدَّرجَة مِنَ التَّجِلی الذَّاتِیُ**" اس میں شیخ نے تجلی ذاتی کو انتہائی مقام قرار دیا ہے اور اس کے بعد عدم محض حضرت مجدد نے یہ فقرہ ایک مکتوب میں نقل کیا ہے۔ میری کتابیں اس وقت لاہور میں موجود نہیں ہیں کہ صفحہ ومقام کا پتا دے سکتا۔

میرا یہ ہرگز عقیدہ نہیں کہ جن بزرگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے انھوں نے قرمطی تحریک[7] سے رافاضہ کیا۔ یہ خواجہ حسن نظامی کا بہتان ہے۔ بعض

صوفیہ کی تحریروں اور علمائے قرمطی کی تحریروں میں مماثلت ہونا اور بات ہے۔

یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ مَیں نے اپنی کسی تحریر میں کوئی سوالات نہیں کیے۔ خواجہ صاحب نے خود یہ تنقیحات قائم کی ہیں جو ان کے خیال میں میری تحریر سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ بات دیانت کے خلاف ہے کہ ان سوالوں کو جو خواجہ صاحب نے آپ کی خدمت میں ارسال کیے میری طرف منسوب کیا جائے اور ان کا نام ''ڈاکٹر اقبال کے آٹھ سوال'' رکھا جائے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس عریضے کے جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام

آپ کا خادم
محمدؐ اقبال

تحقیقِ متن:

زیرِنظر خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ انوار=نسبت کوئی۔

حواشی وتعلیقات:

۱ دیکھیے خط نمبر۳ تعلیقہ نمبر۲

۲ دیکھیے خط نمبر''۲'' کا تعارف

۳ شیخ محی الدین ابنِ عربی (۱۱۶۵ء۔۱۱۴۰) مرسیہ (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ تیس سال تک اشبیلیہ میں مشہور علما اور صوفیا سے ظاہر اور باطنی علوم کی تحصیل کرتے رہے۔ زُہد کی طرف میلان بڑھا تو حج کے ارادے سے حجاز روانہ ہو گئے۔ پھر بیت المقدس، بغداد اور حلب بھی گئے۔ بالآخر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ دمشق ہی میں وفات پائی اور جبل قاسیون میں دفن ہوئے۔ ابنِ عربی نے تصوف کی تحریک کو آگے بڑھایا۔ ان کی دو تصانیف ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحاتِ مکیہ'' نے تحریک تصوف پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ابنِ عربی کے نظریہ وحدت الوجود نے بڑے بڑے صوفیا کو متاثر کیا۔ یہاں تک مولانا روم بھی وحدت الوجود کے قائل ومعترف نظر آتے ہیں۔

اقبال نے ابنِ عربی کے فلسفۂ وحدت الوجود کی سخت مخالفت کی۔ ان کے خیال میں اس فلسفے نے قوم کو خودی سے نابلد کر کے ذوقِ عمل سے محروم کر دیا ہے۔ اقبال نے خودی کا فلسفہ دے

کر ذوقِ عمل کو بیدار کیا۔ ابنِ عربی بہت متنازعہ فیہ شخصیت ہیں۔ ایک گروہ انھیں ولی کامل مانتا ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک وہ ملحد ہیں۔

مآخذ: ۱) اعجاز الحق قدوسی: ''اقبال کے محبوب صوفیہ''، ص: ۵۱۹، ۵۲۰

۲) عابد علی عابدؔ، سیّد: تلمیحاتِ اقبال''، ص: ۱۵۱

۳) اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد: ۱، ص: ۶۰۵۔۶۱۲

۴) محسن جہانگیری، ڈاکٹر: ''محی الدین ابنِ عربی، حیات و آثار''، احمد جاوید، سہیل عمر (مترجم) ص: ۱۵۔۸۳

۴۔ فتوحات: پورا نام: **الفتوحات المکیہ فی معرفۃ الاسرار لمالکیہ و الملکیۃ**...... ابنِ عربی کی تصنیف، اس کتاب کے متعلق ابنِ عربی فرماتے ہیں کہ جو حقائق و معارف قاری کے لیے بطور امانت درج کیے ہیں، وہ اکثر خانہ کعبہ کے طواف کرنے کے وقت یا حرم شریف میں بحالتِ مراقبہ خداے تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں۔ ''فتوحاتِ مکیہ'' میں ایک اور جگہ تحریر فرمایا: ''ہم پر اس کتاب کی تکمیل کے لیے خداے تعالیٰ کا تاکیدی حکم وارد ہوا، اس وجہ سے ہم اس کتاب کی تصنیف میں مشغول ہو گئے، اور دوسرے امور کے انجام دینے سے رک گئے''۔

مآخذ: ۱) اعجاز الحق قدوسی: ''اقبال کے محبوب صوفیہ''، ص: ۵۳۱، ۵۳۲

۲) اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد: ۱، ص: ۶۰۵۔۶۱۲

۵۔ فصوص الحکم: علمِ تصوف میں شیخ محی الدین ابنِ عربی کی تصنیف۔ قرآنِ کریم میں انبیا کے حالات و کوائف کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، ان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، ابنِ عربی نے مسائلِ توحید اور مسائلِ تصوف سمجھانے کی کوشش ہے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ ابنِ عربی نے مکاشفے میں دیکھا کہ خیر البشرؐ نے یہ کتاب ان کو دی ہے اور اس کے ظاہر کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کے ایک باب کی شرح بھی لکھی ہے، جس کا نام ''خصوص الکلم فی حل خصوص الحکم'' ہے۔ تاہم اقبالؔ ''فصوص الحکم'' کو الحاد و زندقہ'' قرار دیتے ہیں اور اس پر مفصل لکھنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ (بنام سراج الدین پال، اقبالنامہ اول، ص: ۴۴)

۶۔ اس تجلی کے بعد عدم محض کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تجلی ذاتی کے مرتبہ سے اوپر جانے کی خواہش ہو یا اس کی طمع کی جائے۔

ے اسمٰعیلی خیالات کی سب سے پہلی جماعت جس کا ذکر پاک و ہند کی تاریخ میں ملتا ہے' قرامطہ ہے۔ جن کے داعی نویں صدی عیسوی ہی میں قاہرہ' عراق' حضرموت اور یمن سے مغربی پاکستان میں آنے شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ انھوں نے سندھ اور مغربی پنجاب میں بڑا اقتدار حاصل کر لیا۔ اہلِ سنت والجماعت سے ان کے شدید مذہبی اور سیاسی اختلافات تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط کے بعد قرامطہ کا ذکر ہندوستانی تواریخ میں نہیں ملتا' لیکن ان کے جانشین خوجے اور بوہرے موجود ہیں' جن کی اہمیت ان کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔

مآخذ: محمد اکرام' شیخ: ''آبِ کوثر'' ص: ۳۳۸' ۳۳۹

(۱۳۲)

لاہور

۹/ مارچ ۱۶ء

مخدوم ومکرم حضرت قبلہ مولانا السلام علیکم

جناب کا والا نامہ ملا جس کو پڑھ کر مجھے بہت اطمینان ہوا۔ مجھے اس کا یقین تھا کہ آپ کو مثنوی پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمالِ روحانی کے ساتھ علم وفضل سے آراستہ کیا ہے۔ مَیں نے خواجہ حسن نظامی کو بھی لکھا تھا کہ مثنوی سے اختلاف نہ کیجیے' دیباچے میں جو بحث ہے اس پر لکھیے۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے آج تک ایک حرف بھی اس کے متعلق نہیں لکھا۔ آپ کی تحریر سے مجھے یقیناً فائدہ ہوگا مگر میری استدعا ہے کہ مثنوی کے متعلق بھی جو خیال آپ نے خط میں ظاہر فرمایا ہے اس مضمون میں ظاہر فرمایئے کہ جو غلط فہمی خواجہ حسن نظامی کے مضامین سے پیدا ہوگئی ہے وہ دور ہو جائے۔ دیباچے کی بحث ایک علیحدہ بحث ہے اور وحدۃ الوجود کا مسئلہ اس میں ضمناً آ گیا ہے۔ اس مئلے کے متعلق جو کہ میرا خیال ہے وہ مَیں نے پہلے خط میں عرض کر دیا تھا۔ فارسی شعرا نے جو تعبیر اس مسئلے کی کی ہے اور جو جو نتائج اس سے پیدا کیے ہیں ان پر مجھے سخت اعتراض ہے۔ یہ تعبیر مجھے نہ صرف عقائدِ اسلامیہ کی مخالف معلوم ہوتی ہے بلکہ عام اخلاقی اعتبار سے بھی اقوامِ اسلامیہ

کے لیے مضر ہے۔ یہی تصوف عوام کا ہے اور شیخ علی حزیں[1] نے بھی اسی کو مدِ نظر رکھ کر کہا تھا کہ ''تصوّف برائے شعر گفتن خوب است''، لیکن حقیقی اسلامی تصوّف کا مَیں کیوں کر مخالف ہوسکتا ہوں کہ خود سلسلۂ عالیۂ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ مَیں نے تصوّف کر ّات سے دیکھا ہے۔ بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل کر دیے ہیں۔ جو شخص غیر اسلامی عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے وہ تصوف کا خیر خواہ ہے نہ (کہ) مخالف۔ انھیں غیر اسلامی عناصر کی وجہ سے ہی مغربی محققین نے تمام تصوف کو غیر اسلامی قرار دے دیا ہے اور یہ حملہ انھوں نے حقیقت میں مذہبِ اسلام پر کیا ہے۔ ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ تصوف اسلامیہ کی ایک تاریخ لکھی جائے جس سے معاملہ صاف ہو جائے اور غیر اسلامی عناصر کی تقطیع ہو جائے۔ سلاسلِ تصوف کی تاریخی تنقید بھی ضروری ہے اور زمانۂ حال کا علم النفس، جو مسالۂ تصوف پر حملہ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہے اس کا پیشتر سے ہی علاج ہونا ضروری ہے۔ میں نے اس پر کچھ لکھنا[2] شروع کیا ہے مگر میری بساط کچھ نہیں۔ یہ کام اصل میں کسی اور کے بس کا ہے۔ مَیں صرف اس قدر کام کر سکوں گا کہ جدید مذاق کے مطابق تنقید کی راہ دکھلا دوں۔ زیادہ تحقیق و تدقیق مجھ سے زیادہ واقف کار لوگوں کا کام ہے۔

آپ کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں اور حفاظت سے رکھنے کے قابل، نہ کہ ردّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ میں نے ان کو خود پڑھا ہے اور بیوی کو پڑھنے کے لیے دیا ہے۔ یہ اعتراف ضرور کرتا ہوں کہ بعض بعض مقامات سے مجھے اختلاف ہے اور یہ سب مقامات مسئلہ وحدت الوجود سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب آپ اپنے مضمون میں زیادہ تشریح سے کام لیں گے تو ممکن ہے کہ مجھے اختلاف نہ رہے کیونکہ مکتوبات میں ایک آدھ جگہ مسئلہ مذکورہ کی ایک ایسی تعبیر بھی ہے جس سے مجھ کو مطلق اختلاف نہیں اور نہ کسی مسلمان کو ہوسکتا ہے۔ امید ہے کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

آپ کا خادم
محمدؐ اقبالؔ لاہور

حواشی وتعلیقات

۱؎ شیخ علی حزیں: یکم اکتوبر ۱۷۰۱ء کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ۱۷۳۴ء میں ہندوستان آئے۔ ایران سے آنے والی آخری کھیپ کے شاعر تھے۔ کلیات چار دواوین پر مشتمل ہے، جس میں قصیدہ، غزل، رباعی ومثنوی سب کچھ شامل ہے۔ عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔ اگرچہ یہ کلام بہت تھوڑا ہے۔ فارسی میں اپنی سوانح عمری ''سوانح عمری شیخ علی حزیں'' کے نام سے لکھی جو ''کُلّیاتِ حزیں'' میں چھپی ہے اور علیحدہ بھی شائع ہو چکی ہے۔ ۱۷۶۶ء میں انتقال کیا، ان کا مزار بنارس میں ہے۔
شیخ علی حزیں نے برصغیر کے شعرا اور ادبا کے بارے میں بڑا تعصب دکھایا اور یہاں کے لوگوں کے لہجے اور سُبک ہندی کا انھوں نے استہزا کیا ہے۔ اقبالؔ نے مثنوی ''اسرارِ خودی'' کی اشاعت اوّل کے دیباچے میں حزیں کے معروف قول، تصوف برائے شعر گفتن خوب است'' پر انتقاد کیا ہے۔ ''زبورِ عجم'' کی ابتدا میں حزیں کی تضمین بھی ملتی ہے۔
مآخذ: محمد ریاض، ڈاکٹر: ''اقبالؔ اور فارسی شعرا'' ص: ۳۰۵، ۳۰۶

۲؎ اقبالؔ نے تصوف کی تاریخ کے ایک دو ابواب لکھ لیے تھے اور باقی ابواب کے لیے نوٹس لے لیے تھے لیکن یہ کام مکمل نہ کر سکے...... ڈاکٹر صابر کلوروی نے ان نامکمل ابواب کو ''تاریخ تصوف'' کے نام سے حواشی وتعلیقات کے ساتھ مرتب کر کے ۱۹۸۵ء میں چھاپ دیا۔ ان ابواب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبالؔ تصوف کی تاریخ اور تنقید کے بارے میں کس انداز میں لکھنا چاہتے تھے اور اس مسئلے کی افادیت سے کس حد تک باخبر تھے۔

بنام شیخ عطاء اللہ

تعارف:

شیخ عطاء اللہ ۱۸۵۷ء کے قریب گجرات کی قانون گو فیملی میں پیدا ہوئے۔ گجرات اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ چیف کورٹ پنجاب اور چیف کورٹ کشمیر میں درجہ اول کے پلیڈر تھے۔ ریاست پونچھ وکشمیر میں جج اور گورنر کے عہدے پر فائز رہے۔ جوانی سے ہی

دینی علوم اور صالح اعمال کی طرف راغب تھے۔ اکابر علما سے صحبتیں رہیں۔ نوجوانی میں مولانا عبیداللہ غزنوی کے ہاتھ پر شرک سے مجتنب رہنے کی بیعت کی۔ احمداللہ امرتسری سے حدیث پڑھی۔ شیخ صاحب گجرات میں ''اہل قرآن گروہ'' کے سرخیل تھے۔ بات بات میں قرآن سے استناد کرتے تھے۔ آپ نے ایک لغت قرآنِ پاک مرتب کی تھی؛ جس کے متعلق ابوالکلام آزاد نے کہا تھا: ایسی لغتِ قرآن سابقہ تیرہ صدیوں میں نہیں لکھی گئی''۔ مگر افسوس اس کا مسوّدہ علاّمہ عرشی سے تقسیم کے ہنگاموں میں ضائع ہوگیا۔ آپ نے ۱۹۰۷ء میں ایک کتاب ''شہادت الفرقان علی جمع القرآن''، لکھی تھی۔ آپ گجرات میں سرسید کے ساتھی اور نظریاتی پیروکار تھے۔

اقبالؔ اور شیخ صاحب کی پہلی ملاقات بیسویں صدی کے ابتدائی چند سالوں میں ہوئی جب اقبالؔ گجرات آیا کرتے تھے۔ ان کا شیخ صاحب سے تعارف انجمن تعلیم القرآن کے حوالے سے ہوا۔ شیخ صاحب لاہور چیف کورٹس میں اپنے پیشہ وارانہ امور کے سلسلے میں حاضر ہوتے تو اقبالؔ سے بھی ملاقات کرتے۔ شیخ صاحب نے ۱۹۳۹ء میں انتقال کیا اور گجرات میں دفن کیے گئے۔

مآخذ: ۱) رسالہ ''قانون گو'' لاہور، دسمبر ۱۹۶۶ء، ص: ۲۵، ۲۶

۲) دیباچہ: ''شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن''، از علاّمہ عرشی، ص: ۴۔۹

۳) منیر احمد سلیچ ''خفتگانِ خاکِ گجرات''، ص: ۱۳۵

(۱۳۳)

از لاہور

مخدوم و مکرم جناب قبلہ شیخ صاحب السلام علیکم

آپ کی تصنیف شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن[1] کئی روز ہوئے مجھے شیخ عتیق[2] اللہ صاحب سے ملی تھی۔ میں عرصے سے آپ کا[i] تحریری[ii] شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ عدیم الفرصت رہا۔ معاف کیجیے گا۔

یہ چھوٹا سا[iii] رسالہ نہایت لاجواب ہے اور مَیں اس کے طرز استدلال کو نہایت پسند کرتا ہوں۔ آپ کی محنت واقعی داد کے قابل ہے۔

اور آپ اس بات کے لیے تحسین کے مستحق ہیں کہ قانونی مشاغل میں

دینی خدمات کا موقع بھی نکال لیتے ہیں۔خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

یورپ میں اس مضمون پر تحقیق ہوئی اور ہو رہی ہے[iv]۔ خصوصاً علمائے جرمنی کے درمیان ایک شخص موسوم بہ خان کریمر[۳] نے جرمن زبان میں ایک مبسوط کتاب ''تاریخ القرآن'' لکھی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ کبھی فرصت ملے تو اسکے بعض حصص کا ترجمہ اُردو میں کر ڈالوں۔ کتاب کا انداز عالمانہ اور منصفانہ ہے اگرچہ مجموعی لحاظ سے اس کا مقصد ہماری آرا اور عقائد کے خلاف ہے۔ میرا مقصد ترجمے سے صرف یہ ہے کہ ہمارے علما کو یورپ والوں کے طرزِ استدلال و تحقیق معلوم ہو۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

والسلام[v]

محمد اقبال از لاہور[vi] انارکلی

۱۰/اپریل[vii] ۰۹ء

تحقیقِ متن:

زیرِ نظر خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔[i] انوار = کی۔[ii] انوار = تحریر کا۔ [iii] انوار = چھوٹا رسالہ [iv] انوار = ہیں۔ [v] انوار = ادا کرتا ہوں۔ [vi] انوار = محمد اقبال۔ [vii] انوار = تاریخِ تحریر خط کے آغاز میں درج ہے۔

حواشی و تعلیقات:

[۱] ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ اس میں قرآنی آیات سے ثابت کیا گیا ہے کہ (۱) کلماتِ وحی کی جمع و ترتیب کتاب کی شکل میں انبیاء کی سنتِ قدیم ہے۔ (۲) نزولِ قرآن کے وقت کاغذ اور کتابت کا رواج جاری تھا۔ (۳) قرآن کے نزدیک تحریر و کتابت ناگزیر اہمیت رکھتی ہے۔ (۴) نزولِ قرآن کے دوران میں مومنوں، مخالفوں، معترضوں کی زبان سے قرآن کے بصورتِ کتاب ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ (۵) وحی قرآنی کی کتابت ایک جماعتِ صالحہ کے سپرد تھی۔ (۶) قرآنی الفاظ نزول کے وقت ہی لکھ کر شاملِ کتاب کیے جاتے تھے۔ (۷) حفاظتِ قرآن کے متعلق مزید متفرق دلائل (۸) قرآن سے متعلق صحابہ کرامؓ کی خدمات (۹) قرآن ایک کامل و کافی کتاب ہے۔

کتاب ''شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن''، بعدازیں ادارہ طلوعِ اسلام' لاہور سے علاّمہ عرشی کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوئی۔

۲۔ شیخ عتیق اللہ، شیخ عطاء اللہ کے صاحبزادے، جو لاہور میں بسلسلہ کاروبار سکونت پذیر تھے۔

۳۔ فان کریمر: (۱۸۲۸ء۔۱۸۸۹ء) جرمن مستشرق، وزرا میں سے تھا۔ ویانا میں پیدا ہوا۔ وہیں تعلیم پائی۔ مصر اور شام میں بار ہا سفر کیے اور عربی زبان سیکھی۔ مصر میں قنصل بھی مقرر ہوا، پھر ۱۸۷۰ء میں بیروت میں رہا۔ یہاں سے واپس ویانا آیا اور یہاں کا وزیرِ خارجہ بنایا گیا۔ دوسرے محکموں میں بھی وزیر رہا۔ اس کی تقریباً ۲۰ کتابیں شائع ہوئیں۔ ان میں ''کتاب المغازی''، ''للواقدی''، الاحکام السلطانیہ''، للماوردی''، القصیدہ الحمیریہ''، لِنَسوان'' اور الاستبصار فی عجائب الامصار'' وغیرہ۔ کریمر نے جرمن زبان میں اسلام اور اسلامی ثقافت پر بھی لکھا ہے۔ اس کی کتاب ''تاریخ القرآن'' بہت مشہور ہے۔ (مآخذ: ''المستشرقون''، ص: ۱۶۷)

(۱۳۴)

لاہور

۶/جنوری ۲۲ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ شیخ صاحب السلام علیکم۔

والا نامہ ملا۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

اگرچہ نمایشی چیزوں سے دل گریز کرتا ہے اور میرے قلب کی کیفیت یہ ہے کہ

دلم بہ ہیچ تسلّی نمی شود حاذق　　بہار دیدم گُل دیدم و خزاں دیدم[۱]

بوجہ تعلقاتِ دیرینہ آپ کے خط نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا جس کے لیے مَیں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں۔ حضرت قبلہ گاہی کی خدمت میں آپ کی مبارکباد پہنچا دوں گا۔ عزیز عتیق اللہ قریباً ہر روز ملتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا اور زاویہ نشینی کی وجہ سے قرآن کریم پر غور و خوض کرنے [کا] بہتر موقع آپ کو ملتا ہوگا۔

حواشی و تعلیقات: ۱۔ ترجمہ: حاذقؔ گیلانی کا شعر ہے۔ حاذقؔ میرا دل کسی چیز سے

تسلی نہیں پاتا، بہار بھی دیکھی، پھول بھی دیکھ لیے، خزاں بھی دیکھ لی۔ حکیم کمال الدین حاذق بن حکیم ہمام گیلانی فتح پور میں پیدا ہوا۔ عہدِ جہانگیری میں ممتاز منصب ملا۔ عہد شاہجہانی میں والد کی طرح والیِ توران امام قلی خان کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ بعد ازاں بارگاہ بادشاہی میں لوٹا اور سہ ہزاری کا منصب پایا۔ آخری عمر میں دارالحکومت آگرہ میں گوشہ نشیں ہو گیا اور یہیں ۱۶۵۷ء میں وفات پائی۔ صاحبِ ''شمعِ انجمن'' نے لکھا ہے کہ حکیم حاذق فن کا واقف اور سخن کا نبض شناس تھا۔ (مآخذ: احمد علوی سندیلوی (مصنف)، محمد باقر، ڈاکٹر (مرتب): ''مخزن الغرائب''، ادارہ تحقیقاتِ دانشگاہِ پنجاب لاہور۔

بنام میاں عبدالرشید

تعارف: میاں عبدالرشید ابنِ میاں امام دین یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونی ورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ پنجاب اسمبلی میں رپورٹر رہے اور ''نوائے وقت'' لاہور میں تاحیات کالم ''نور بصیرت'' لکھتے رہے۔ اہم تصانیف میں اسلام اور تعمیر انسانیت، سیفِ کشمیر، شیرہ شاہ سوری، زندگی کا راستہ (ترجمہ)، پنجاب کے لوک گیت، Islam in Indo-Pak Sub-Continent، ماہنامہ ''حیات'' اور ''جاوداں'' لاہور کے ۱۹۶۱ء، ۱۹۶۷ء میں مدیر رہے۔ ۱۶/ستمبر ۱۹۹۱ء میں فوت ہوئے۔ مآخذ: زاہد حسین انجم ''ہمارے اہل قلم''، ص: ۳۳۳۔۳۳۴

(۱۳۵)

جون[i] ۱۹۳۶ء

آپ کے خط کے جواب کے لیے ایک دفتر چاہیے جو مَیں لکھنے سے قاصر ہوں۔ دوسرا زمانۂ حال کے فلسفہ اور سوشل حالات کا بغور مطالعہ ضروری ہے جس کے لیے چند برسوں کی ضرورت[1] ہے۔ آپ کے سوالات ویسے ہی ٹیکنیکل ہیں جیسے ریاضی کے مسائل جس کو بغیر خاص تربیت و تعلیم کے سمجھنا مشکل ہے۔

محمد اقبال

تحقیقِ متن:

i میاں عبدالرشید نے یہ خط ۸/جون ۱۹۳۶ء کو لکھا تھا، لہٰذا زیرِ نظر خط کی تاریخ تحریر

صابر کلوروی صاحب کے نزدیک ۹ر تا ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء ہے۔ (''اشاریہ مکاتیب''ص: ۹۱)

حواشی وتعلیقات:

۱؎ میاں عبدالرشید، جنھوں نے اپنے خط میں کچھ فلسفیانہ شکوک کا اظہار کیا تھا، اقبال نے اسی خط پر جواب لکھ کر انھیں واپس بھیج دیا تھا۔ (دیکھیے عکس)

(۱۳۶)

لاہور

۲۱ راگست ۳۶ء

جنابِ من۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں خوش ہوں کہ آپ کے شکوک رفع ہوئے۔ زیادہ تدبر سے اور باتیں معلوم ہوں گی۔

آپ کے دوست جب چاہیں تشریف لائیں، میں ہمیشہ گھر پر ہوتا ہوں، بوجہ علالت باہر بہت کم جاتا ہوں

پارلیمنٹری ۱؎ بورڈ کا کام زیادہ تیزی سے ستمبر کے بعد شروع ہوگا جب کہ ان لوگوں (کی) درخواستیں نامزدگی کے لیے وصول ہو جائیں گی جو بورڈ کے ٹکٹ پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ نامزدگی درخواست پر ہوتی ہے بغیر اس کے نہیں کی جاتی۔ بورڈ کا اجلاس ۲۳ راگست کو ہونے والا ہے۔ اس میں نامزدگی کے لیے درخواستیں وصول ہونے کی آخری تاریخ مقرر ہوگی۔ مَیں نے علالت کی بنا پر استعفا دیا تھا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ تمام امور سوچ سکوں۔

والسلام

محمدؐ اقبال

حواشی وتعلیقات:

۱؎ آل انڈیا مسلم لیگ نے ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے ایک ''سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ'' اور مختلف صوبوں میں پروانشل پارلیمنٹری بورڈ بنائے۔ پنجاب میں ایک بورڈ اقبال کی صدارت میں بنا۔ (مآخذ: محمد رفیق افضل (مرتب) گفتارِ اقبال''ص: ۲۰۲۔۲۰۶)

بنام سید عبدالواحد معینی

تعارف:

ان کا سلسلۂ نسب خواجہ معین الدین اجمیری سے ملتا ہے۔ اسی نسبت سے انھوں نے اپنے نام کے ساتھ معینی کا اضافہ کیا۔ ۲۰؍جنوری ۱۸۹۸ء کو اجمیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، پھر وہیں گورنمنٹ کالج سے بی۔ ایس۔ سی کیا۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۰ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں رہے۔ حکومت نے اسکالرشپ پر ان کو آکسفورڈ یونی ورسٹی بھیجا، جہاں سے انھوں نے ۱۹۳۳ء میں نباتات پر ڈگری لی۔ لندن سے واپس آکر انڈین فارن سروس میں ملازمت کی۔ کچھ عرصہ سی پی میں گزارا، پھر حیدرآباد جاکر ناظم جنگلات ہوگئے۔ یہ زمانہ ان کی اقبال شناسی کا تھا۔ اقبال سے مختلف امور کے سلسلے میں خط کتابت ہوتی رہی۔ اقبال کی وفات کے بعد معینی صاحب کی جو کتاب منظر عام پر آئی، اس کا موضوع اقبال اور اس کا فن تھا۔ دیگر کتب میں ''باقیاتِ اقبال'' "Thoughts and Reflection of Iqbal" ''نقشِ اقبال'' اور ''مقالاتِ اقبال'' شامل ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان آگئے۔ ۱۹۵۲ء میں اقوام متحدہ کے مشیرِ جنگلات ہوئے، ایک طویل عرصہ روم، قاہرہ، افغانستان اور ترکی میں گزارا۔ ۱۹۵۷ء میں وظیفے پر ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ پھر یورپ جاکر مختلف ملکوں میں اقبال کے پیغام کو عام کیا۔ ۱۹۶۳ء میں پاکستان واپس آکر کراچی میں اقامت گزیں ہوگئے۔ ۱۹۷۰ء میں اقبال اکادمی کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ۳؍مارچ ۱۹۸۰ء کو کراچی میں وفات پائی۔ (مآخذ: عبدالرؤف: رجالِ اقبال''، ص: ۴۵۷، ۴۵۹)

(۱۳۷)

۱۲؍ستمبر ۳۴ء

جنابِ من۔ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ میں ابھی تک علیل ہوں۔ یونانی دوا کے استعمال سے صحتِ عامہ بہت اچھی ہوگئی ہے مگر آواز پر ابھی کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا۔ دعا فرمائیے۔ والسلام

محمد اقبال

حواشی وتعلیقات:

۱؎ گلے کی تکلیف کا آغاز ۱۰ر جنوری ۱۹۳۴ء کو عید الفطر کے دن سے سویوں پر دہی ڈال کر کھانے سے ہوا۔ پہلے انفلوئنزا ہوا اور پھر کھانسی۔ علاج کیا گیا۔ چند دنوں بعد انفلوئنزا اور کھانسی کی شکایت تو دور ہو گئی لیکن گلا بیٹھ گیا اور ایلو پیتھک، یونانی اور ریڈیائی علاج کے باوجود یہ تکلیف رفع نہ ہوئی۔ یہ عارضہ آخری دم تک رہا، جس کے نتیجے میں کھل کر یا بلند آواز سے بول نہ سکتے تھے۔

مآخذ: جاوید اقبال، ڈاکٹر: ''زندہ رُود......حیاتِ اقبال کا اختتامی دور''، ص:۵۳۶۔۵۳۹

☆☆☆

(۱۳۸)

جناب من۔ تسلیم

مَیں اکتوبر میں لاہور ہی میں حاضر رہوں گا سوائے ۲۵/۲۶/۲۷/
اکتوبر کے کہ ان ایام میں مولانا حالؔی[1] مرحوم کی سنٹری پانی پت میں ہوگی۔
وہاں جانے کا وعدہ ہے۔ صحت نسبتاً اچھی ہے۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبالؔ

لاہور ۱۶ر ستمبر ۳۵ء

افسوس کہ پروفیسر نکلسن[2] والے خط کی کوئی کاپی میرے پاس موجود نہیں۔

حواشی و تعلیقات

[1] مولانا حالؔی ۱۸۳۷ء میں پانی پت کے محلّہ انصار میں ایزد بخش انصاری کے ہاں پیدا ہوئے۔ حالؔی کی والدہ سیدانی تھیں اور والد کا شجرۂ نسبت حضرت ابوایوب انصاری سے جاملتا ہے۔ حالؔی نو برس کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ حالؔی نے قاری حافظ ممتاز حسین سے قرآن شریف پڑھا اور قرآن حفظ کیا۔ فارسی کی تعلیم سیّد جعفر علی سے اور عربی کی تعلیم حاجی ابراہیم حسین سے حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں شادی ہوئی لیکن علم کی پیاس بجھانے کے لیے دِلّی آ گئے۔ مولوی نوازش علی کے علاوہ دلی کے زمانۂ قیام میں انھوں نے مولوی فیض الحسنؔ، مولوی امیر احمد اور شمس العلما سیّد نذیر حسین کے درس سے بھی استفادہ کیا۔ اسی زمانے میں غالبؔ سے ملاقات ہوئی اور غالبؔ کی ہمت افزائی کی بنا پر انھوں نے شعر گوئی کی تھوڑی بہت مشق جاری رکھی، اس زمانے میں خستہ تخلص کرتے تھے۔ حالؔی ۱۸۵۵ء میں پانی پت واپس آ گئے۔ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ فرو ہونے پر دلی آئے جہاں ان کی ملاقات نواب مصطفٰی خان شیفتہؔ سے ہوگئی، انھوں نے حالؔی کو جہانگیر آباد بلا کر اپنے بچوں کی اتالیقی ان کے سپرد کردی۔ حالؔی نے آٹھ سال جہانگیر آباد میں گزارے۔ ۱۸۶۹ء میں شیفتہؔ کے انتقال کے بعد حالؔی کو لاہور میں پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں جگہ مل گئی۔ وہ چار برس تک لاہور میں انگریزی سے ترجمہ کی ہوئی اُردو کتابوں پر نظر ثانی کرتے رہے۔ محمد حسین آزادؔ نے ۱۸۷۴ء میں ایک نئے قسم کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی جس میں طرح مصرع کے بجائے شاعروں کو کوئی موضوع طبع آزمائی کے لیے دیا جاتا تھا، حالؔی نے اس کے چار جلسوں کے لیے چار مسلسل

نظمیں یا مثنویاں لکھیں: برکھا رُت، اُمید، تعصب وانصاف اور حبِ وطن...... لاہور میں چار سال کے قیام کے بعد دلی میں اینگلو عربک اسکول میں مدرس ہو گئے۔ سر سید سے حالؔی کی ملاقات انھیں قومی زندگی کی طرف لائی اور اس جذبے کے تحت انھوں نے ''مسدسِ حالؔی'' لکھی۔ ۱۹۰۴ء میں حکومت نے انھیں شمس العلما کا خطاب دیا، اسی سال ان کو انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی اور وہ پیری اور نقاہت کے باوجود اس میں شریک ہوئے۔ اقبالؔ کی نظم ''تصویرِ درد'' کا ایک شعر پسند کر کے مولانا نے انجمن کو دس روپے کا نوٹ عنایت فرمایا اور اس طرح اقبالؔ کی حوصلہ افزائی کی لیکن جب خود ان کے نظم پڑھنے کی باری آئی تو ضعفِ پیری کی وجہ سے ان کی آواز لوگوں تک نہ پہنچ سکی۔ شیخ عبدالقادر نے مجمع کو خاموش کیا اور کہا کہ آپ لوگ مولانا حالؔی کی زبان سے جو سنا جائے سن لیجیے، بعد میں یہی نظم اقبالؔ پڑھ کر سنائیں گے۔ اقبالؔ حالؔی کی نظم سنانے سے پہلے ایک فی البدیہہ رباعی پڑھی۔

مشہور زمانے میں ہے نام حالؔی — معمورِ مئے حق سے ہے جامِ حالؔی
مَیں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا — نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

''بانگ درا'' کے اس شعر میں بھی اقبالؔ، حالؔی کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

اٹھ گئے ساقی جو تھے، میخانہ خالی رہ گیا
یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالؔی رہ گیا

(کلیات، اُردو، ص:۹۰)

حالی کی اہم تصانیف میں: مقدمہ شعروشاعری، یادگار غالبؔ، حیاتِ سعدی، حیاتِ جاوید، مسدس مدّ وجزر اسلام شامل ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں وفات پائی۔

مآخذ: ۱) صالحہ عابد حسین۔ یادگارِ حالؔی، ص:۲۵۔۴۷

۲) فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: معاصرین اقبالؔ، ص:۱۹۵

۲ NICHOLSON, REYONLD, ALLEYNE (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۵ء):
ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۸۸۸ء میں ٹرینٹی کالج، کیمبرج میں داخلہ لیا۔ مشرقی زبانوں میں دلچسپی اس کو اپنے دادا جان نکلسن کے کتب خانے سے پیدا ہوئی۔ جو انجیل کے اسکالر تھے۔ عربی و فارسی کے مخطوطات اسے ان ہی سے ملے تھے۔ کیمبرج یونی ورسٹی میں براؤن کے بعد پہلا فارسی کا لیکچرار (۱۹۰۲ء۔۱۹۲۶ء) اور ۱۹۲۶ء میں عربی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۹۳۳ء میں ملازمت سے

سبکدوش ہوالیکن اورینٹل اسکول سے ۱۹۴۰ء تک وابستگی قائم رہی۔
نکلسن کوتصوف سے خاصا شغف تھا۔اس نے دیوانِ شمس تبریز مع ترجمہ شائع کیا۔(۱۸۹۸ء) اس کے بعد ۱۹۰۵ء۔۱۹۱۴ء کے درمیانی عرصے میں اس نے تصوف پر چار اہم تصانیف کے تراجم کیے۔عطار کی ''تذکرہ اولیاء''۔(۱۹۰۷ء۔۱۹۰۵ء)' کشف المحجوب ہجویری'' (۱۹۱۱ء) اور ابن عربی کا کلام ''ترجمان الاشواق'' (۱۹۱۱ء) سراج کی کتاب ''کتاب اللمع'' (۱۹۱۴ء) کے علاوہ براؤن کے ساتھ مختلف تصانیف وتالیف میں معاون رہا۔۱۹۱۴ء میں عام قاری کے لیے ''اسلامی صوفیاء'' (The Mystics of Islam) کے نام سے شائع کی۔۱۹۰۷ء میں ''تاریخِ ادبیاتِ عرب''لکھی۔ان کا ایک اور ایڈیشن ۱۹۰۷ء۔۱۹۱۱ء میں تصنیف کیا۔پہلی جنگ عظیم کے بعد دو اور اہم تصانیف ''اسلامی تصوف کا مطالعہ'' (Studies in Islamic Mysticism) اور ''اسلامی شاعری کا مطالعہ'' (Studies in Islamic Poetry) ۱۹۲۱ء میں دو جلدوں میں مکمل کیں جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئیں۔
نکلسن' اقبال شناسوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔اقبال کی فارسی مثنوی ''اسرار خودی'' کا انگریزی ترجمہ کیا جو ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۴ء میں اقبال کے تصحیح کردہ ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا۔

مآخذ:۱) "The Ne Encyclopaedia Britanica Vo:8,P:689-690"

بنام ڈاکٹر سید یامین ہاشمی

تعارف:

سید یامین ہاشمی کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی۔لندن سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔''اقبال کی پیش گوئیاں'' (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور' ۱۹۶۲ء) نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ جس زمانے میں کتاب شائع ہوئی۔یامین ہاشمی سندھ مسلم کالج کراچی میں پروفیسر تھے۔

(۱۳۹)

لاہور ۹ / مارچ ۳۴ء[i]

جناب ڈاکٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ لیکن میں آپ کے [ii]خط [کا] مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھ سکا۔ کیا آپ ادھر پنجاب یا لاہور میں کوئی ملازمت چاہتے ہیں؟ اگر آپ کا مقصود یہ ہے تو افسوس ہے کہ فی الحال کوئی امکان اس بات کا نظر نہیں آتا۔ البتہ میرا ارادہ ہے کہ ایک پبلشنگ فرم یہاں بنایا جائے خواہ شراکت کے اصول پر خواہ کمپنی کی صورت میں۔ اگر یہ تجویز کوئی صورت پکڑ گئی تو آپ اس فرم میں شریک ہو سکتے ہیں یا اس کی ملازمت کر سکتے ہیں۔ آپ مفصل لکھیں کہ آپ کا اصل مقصود کیا ہے۔ صحافت کا حال بھی اس وقت پنجاب میں خراب ہے۔ والسلام

محمد اقبالؔ

تحقیق متن:

[i] عکس میں سنہ درج نہیں ہے۔ [ii] انوار = آپ (کا)۔ دیکھیے عکس

(۱۴۰)

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

میں نے آپ کی تعمیلِ ارشاد میں آپ کے پہلے شعر کی اصلاح اپنے خیالِ ناقص کے [i]مطابق کر دی[1] ہے۔ مگر مضمون کے اعتبار سے باقی اشعار کا ٹون اس شعر سے مختلف ہے اور بحیثیت مجموعی آپ کے اشعار کا رنگ عجمیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ زمانۂ حال میں عجمیت سے اجتناب لازم ہے۔ اس وقت مسلمان کا فرض ہے کہ جو قوت خدا تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے اسے اسلام کی خدمت اور اقوام و ملل اسلامیہ کے احیاء و بیداری میں صرف کرے۔ میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ اس وقت اس باطل کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے۔ شاید عربوں اور افغانوں کے سوا تمام اقوامِ اسلامیہ اس زہر سے خطرناک طور پر متاثر ہو چکی ہیں۔

شعرائے عرب سے میری مراد شعرائے زمانۂ جاہلیت اور زمانہ بنو

امیہ[۲] ہیں۔عباسیوں[۳] کے عہد میں عجمیت عرب کے لٹریچر پر غالب آ گئی تھی۔ اس زمانے کی شاعری کا مطالعہ کچھ زیادہ مفید نہیں خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو ایک لٹریری آئیڈیل کی تلاش میں ہوں۔

دیگر یہ عرض ہے کہ مری صحت اچھی نہیں۔نقرس کی شکایت ہے اس واسطے بہت کم خط وکتابت کرتا ہوں اور اوروں کی اصلاح سے اصولاً اجتناب کرتا ہوں۔ خیالات کا اثر خط کتابت[ii] سے نہیں ہوتا اس کے لیے صحبت ضروری ہے۔ باقی رہی زبان اُردو اور فنِ شاعری سو ان سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔میرے مقاصد شاعرانہ نہیں بلکہ مذہبی اور اخلاقی ہیں اس واسطے فنِ شعر کی اصلاح کے لیے آپ کو کوئی موزوں تر آدمی تلاش کرنا چاہیے۔مَیں اس میدان کا مرد نہیں ہوں۔والسلام

محمدؐ اقبالؔ لاہور

۳۰رجولائی ۳۴ء

میرے خیالات کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں دیکھیے:

(1) A voice from the East [iii] on the Poetry of Iqbal by Sir Zulfiqar Ali Khan, Kt, C.S.I. Simla.

(2) Introduction to Nicholson's English translation of Asrar-i-Khudi.

ان کتب کے علاوہ اور مضامین جو امریکہ و یورپ کے اخباروں اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے ہیں۔

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

زیرِنظر خط کا عکس آرکائیوز اسلام آباد میں موجود ہے۔**i** انوار= ناقص میں کر۔**ii** انوار= خط و کتابت۔**iii** انوار=or۔

حواشی وتعلیقات:

۱؎ سید یامین ہاشمی نے اپنی ایک نظم ''قلزمِ ہستی'' بہ غرضِ اصلاح بھیجی تھی۔ اس نظم کے پہلے شعر کی اقبالؔ نے اصلاح کر دی اور باقی اشعار اسی طرح چھوڑ دیے۔ اصل شعر اس طرح تھا:

مری حیات وجۂ عرفانِ زندگی ہے یعنی کہ زندگی پر احسانِ زندگی ہے

اقبالؔ کی اصلاح کے بعد

کہتے ہیں مرگ جس کو عرفانِ زندگی ہے یعنی کہ موت پر بھی احسانِ زندگی ہے

یہ سات اشعار پر مشتمل نظم تھی۔ آرکائیوز اسلام آباد (DAC/۱۵۹) میں یہ نظم محفوظ ہے۔

۲؎ بنو امیہ: عرب خلفا کا خاندان (۶۶۱۔۷۵۰ء) جس کی بنیاد امیر معاویہؓ نے ۶۶۱ء میں رکھی۔ اس کے تمام حکمرانوں کی تعداد ۱۴ ہے۔ امویوں کا دارالخلافہ بالعموم دمشق رہا تا آنکہ ۷۵۰ء میں مروان دوم (خلیفہ چہاردہم) کو عباسیوں نے جنگ میں شکست دی اور امیہ خاندان کے افراد مارے گئے، البتہ اس خاندان کا ایک رکن عبدالرحمٰن اول بھاگ کر ہسپانیہ چلا گیا، جس نے ۷۵۶ء میں امیر قرطبہ کی حیثیت سے حکومت قائم کی۔ دسویں صدی عیسوی میں یہ امارت خلافت میں تبدیل ہوگئی۔ یہ خلافت ۱۰۳۱ء تک قائم رہی۔

مآخذ: محمد رضا خان، پروفیسر: ''تاریخِ مسلمانانِ عالم''، ص: ۱۳۹

۳؎ عباسیوں: خلفا کا یہ خاندان اپنا سلسلۂ نسب رسولِ کریمؐ کے حقیقی چچا حضرت عباس ابنِ عبدالمطلب تک پہنچاتا ہے۔ ان کی خلافت ۷۴۹ء سے ۱۲۵۸ء تک قائم رہی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں سلطنت کا جاہ و جلال اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔ تاہم چنگیز خان کے کامیاب حملوں نے عباسیوں کا رعب داب مٹا دیا اور ۱۲۵۸ء میں چنگیز کے پوتے ہلاکو نے بغداد میں قتل و غارت کے بعد سینتیسویں (۳۷) اور آخری عباسی خلیفہ معتصم باللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عباسی خاندان کا ایک رکن بچ کر قاہرہ پہنچ گیا تھا۔ جہاں مملوکوں نے اسے خلیفہ تسلیم کر لیا، لیکن وہاں عنانِ اقتدار فی الحقیقت مملوکوں ہی کے ہاتھ میں رہی۔ تاہم وہاں عباسی خلفا مملوکوں کے زیرِ سایہ ۱۵۱۷ء تک منصب خلافت پر فائز رہے تا آنکہ ترکانِ آلِ عثمان نے مصر فتح کر لیا۔

مآخذ: محمد رضا خان، پروفیسر ''تاریخ مسلمانانِ عالم''، ص: ۲۱۴۔۲۱۹

بنام سیّد شاہ نظیر احمد ہاشمی غازی پوری

تعارف:

نظیر احمد ہاشمی ضلع غازی پور کے موضع نئے سارہ میں پیدا ہوئے۔اعظم گڑھ کے کسی موضع میں اپنی ننھیال میں تربیت پائی۔اُردو فارسی اور عربی کے علاوہ انگریزی زبان وادب میں مہارت پیدا کی۔حصولِ تعلیم کے بعد تحصیل دار کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ادبی ذوق رکھتے تھے۔کچھ عرصے کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔جون پور کے ممتاز رئیس نواب یوسف کی ہمشیرہ سے ان کا عقد ہوا۔غالباً اسی وجہ سے نواب صاحب کی الہ آباد والی کوٹھی میں مقیم رہے۔نہایت ذہین و فطین تھے۔ مختلف رسائل و جرائد کے لیے کئی مضامین بہ یک وقت لکھا کرتے تھے۔ایک ماہنامہ ''کلیم'' بھی نکالتے تھے۔

مآخذ:مظفر حسین برنی (مرتب) ''کلیاتِ مکاتیب' دوم''، ص:۱۰۵۶ء۔

(۱۴۱)

لاہور

۱۹ر جون ۲۳ء

مکرم بندہ جناب سید صاحب۔السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔افسوس کہ آپ سفر میں بیمار ہو گئے۔مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوتی مگر ایک اعتبار سے یہ اچھی بات ہوئی کہ لاہور کی گرمی آپ کے لیے شاید نا قابل برداشت ہوتی۔

مجھے آپ کے ترجمے[1] اور تمہید کی اشاعت میں کیوں کر عذر ہو سکتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اجازتِ اشاعت دینے سے پہلے مَیں آپ کی کتاب پڑھ لوں۔ترجمہ نہایت مشکل کام ہے اس کے علاوہ بسا اوقات نثر میں شعر کے مطالب بیان [کرنے] کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

مَیں آپ سے کتاب منگوا لیتا لیکن اس میں بھی ایک دقّت ہے اور وہ یہ کہ ستمبر کے آخر تک مجھے بالکل فرصت نہیں۔اگرچہ ہائی کورٹ جولائی کے آخر میں بند ہو جائے گا تاہم مجھے تعطیلوں میں مطلقاً فرصت نہیں۔بہت سے کام ہیں جن میں سے ایک ''پیامِ مشرق'' کی دوسری ایڈیشن کی ترتیب ہے جو

غالباً جرمنی میں طبع ہو گی۔ البتہ ماہِ نومبر میں مَیں آپ کا ترجمہ اور تمہید پڑھ کر کوئی رائے قائم کر سکوں گا۔

کیا میر غلام بھیک صاحب[2] نیرنگ نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے؟ ان کی کیا رائے ہے؟ اگر آپ اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے تو شاید میر غلام بھیک صاحب آپ کے کام پر غائر نظر ڈال کر رائے دے سکیں گے۔ آپ ان سے دریافت کریں کہ آیا وہ یہ زحمت گوارا کر سکیں گے۔ میرے خط کا حوالہ دے دیجیے۔ گوئٹے[3] کے مغربی دیوان کی اکثر نظموں کا ترجمہ انگریزی میں ہو چکا ہے شاید بان لائبریری سیریز میں نکلا تھا۔ غالباً پنجاب پبلک لائبریری[4] لاہور میں اس کی ایک جلد ہے۔ کسی انگریزی کُتب فروش سے دریافت کیجیے۔

والسلام

محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

زیرِ نظر خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی و تعلیقات:

1. نظیر احمد ہاشمی، اقبالؔ کے فارسی مجموعے ''پیامِ مشرق'' کا ترجمہ کرنا چاہتے تھے۔
2. دیکھیے خط نمبر ۳، تعلیقہ نمبر ۱
3. گوئٹے (Johann-Wolfgang-von Goethe) (۱۷۴۹ء-۱۸۳۲ء)، جرمن شاعر، ڈراما نگار اور ناول نویس۔ فرینکفرٹ میں پیدا ہوا۔ سولہ برس تک گھر پر ہی تعلیم حاصل کی اور پھر لائپزس یونی ورسٹی بھیج دیا گیا۔ شٹراس بورگ میں (۱۷۶۵ء-۱۷۶۸ء) قانون کا مطالعہ کرتا رہا۔ گوئٹے کی ملاقات ہرڈر (Herder) سے ہوئی، جس کے باعث گوئٹے لوک شاعری اور تغزّل کی جانب متوجہ ہوا۔ جرمنی ادب کی تحریکوں سے بھی وہ تاثر لیتا رہا۔ گوئٹے کا لافانی شاہکار فاؤسٹ (Faust) ہے، جس کا پہلا حصہ ۱۸۰۸ء میں شائع ہوا اور یہ اس کی زندگی کے ساتھ ہی ۱۸۳۲ء میں مکمل ہو کر اس کے مرنے کے بعد شائع ہوا۔ ۱۸۱۹ء میں اس نے ''غربی شرقی دیوان'' (West Oesttieher Divan) لکھا، جو لطیف غزلیہ نظموں کا مجموعہ ہے۔ اس تصنیف میں

اس نے ایرانی شعرا بالخصوص حافظؔ سے بہت فیضان حاصل کیا۔

گوئٹے سے اقبالؔ کی ذہنی مناسبت اور فکری رابطہ بہت قدیم ہے۔ ''شذراتِ فکرِ اقبالؔ'' میں اقبال مختلف مقامات (ص:۱۰۵، ۱۵۰) پر اس جرمن حکیم کو خراج پیش کرتے ہیں۔ ''بانگِ درا'' کی نظم ''مرزا غالب'' کا شعر ہے:

آہ! تو اُجڑی ہوئی دِلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

(کلیات، اُردو، ص:۴۰)

'گلشن ویمر'' سے مراد گوئٹے کی ابدی خواب گاہ ہے۔ اقبالؔ کا مجموعۂ کلام ''پیام مشرق'' گوئٹے کے 'دیوانِ مغربی کے فیوض و تاثرات کا مرہون منت ہے۔ ''پیام مشرق'' کی نظم جلال و گوئٹے'' کا آخری شعر مولانا رومؔ کا ہے، اس میں گوئٹے کی یوں تعریف کی ہے:

شاعر کو ہچو آں عالی جناب　　　نیست پیغمبر و لے دارد کتاب!

(کلیات، فارسی، ص:۳۳۲)

رومؔی کے بعد اقبالؔ سب سے زیادہ گوئٹے سے متاثر ہوئے۔ گوئٹے کا انسانی شخصیت کے ارتقا سے والہانہ لگاؤ، مشرق اور مشرقی ادبیات سے دلچسپی، اسلام اور پیغمبر اسلامؐ اور قرآن مجید سے عقیدت نے اقبالؔ کو گوئٹے سے مزید قرب اور لگاؤ پیدا کر دیا۔

مآخذ: ۱) افتخار احمد صدیقی ڈاکٹر: ''فروغِ اقبالؔ'' ص:۱۵۲

۲) ممتاز حسن، ڈاکٹر: ''مقالاتِ ممتاز'' ص:۴۳۷۔۴۴۹

۴؎ دیکھیے خط نمبر ۳۲ تعلیقہ نمبر ۱

بنام سید عبدالغنی

تعارف:

سید عبدالغنی، سید محمد شاہ کے صاحبزادے اور شمس العلما میر حسن کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ ۱۸۶۳ء کے لگ بھگ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اسکاچ مشن ہائی اسکول سے میٹرک کیا اور محکمہ ڈاک میں ملازم ہو گئے۔ سر سید کی تعلیمی اور علمی سرگرمیوں سے بے حد متاثر تھے۔ سید عبدالغنی کو

مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی تعلیمی و علمی پسماندگی کا خاص خیال رہتا تھا' چنانچہ جب گورداسپور کے ایک قصبہ دینانگر میں پوسٹ ماسٹر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا تو انھوں نے وہاں کے مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی مدد آپ کے اصولوں پر ایسی کوئی انجمن قائم کریں جس سے ان کی فلاحی اور تعلیمی اغراض پوری ہو سکیں چنانچہ وہاں کے بعض معززین کے تعاون سے ''نصرت الاسلام'' کے نام سے ایک انجمن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس انجمن کے زیر اہتمام ہر سال اجلاس ہوتے اور ان میں مسلمانوں کے مسائل پر غور کیا جاتا تھا اور ان کے حل کے لیے مختلف تجاویز پیش کی جاتی تھیں۔ اپنی وفات سے چند سال پہلے سید عبدالغنی گورداسپور سے دوبارہ دہلی چلے گئے اور وہیں ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) نذیر نیازی سید: ''مکتوباتِ اقبال''، ص: ۷

۲) عبدالرؤف عروج ''رجالِ اقبال''، ص: ۳۵۰، ۳۵۱

(۱۴۲)

مخدومی جناب قبلہ شاہ صاحب۔ السلامُ علیکم

انجمن[۱] کی طرف سے مجھے کوئی خط نہیں ملا۔ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر' مگر افسوس ہے کہ حاضری سے معذور ہوں۔ جولائی کے آخر میں مجھے اور ضروری کام ہے۔ اس کے علاوہ مَیں نے تو پبلک لائف بوجوہات قریباً ترک کر دی ہے۔ والسلام

آپ کا خادم محمدؐ اقبالؔ

از لاہور

۲۰ر جولائی

تحقیق متن:

اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں اس خط کا عکس موجود ہے۔

حواشی وتعلیقات:

۱۔ سید عبدالغنی نے گورداسپور میں اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ''نصرت الاسلام'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ وہ اقبالؔ کو اپنے بھائی (مولوی

میر حسن) کے عزیز ترین شاگرد کی حیثیت سے انجمن کے سالانہ اجلاس میں مدعو کرنا چاہتے تھے۔ انجمن نے دعوت نامہ بھی بھیجا لیکن جب اقبالؔ کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں ملا تو سید عبدالغنی نے ان سے شکایت کی۔اس کے جواب میں اقبالؔ نے زیرِنظر خط لکھا کہ انھیں انجمن کی طرف سے کوئی خط نہیں ملا۔

مآخذ: نذیر نیازی سیّد ''مکتوباتِ اقبال''ص:۸۷

بنام سیّد عشرت حسین

تعارف:

سید عشرت حسین، اکبر اِلٰہ آبادی کے نسبتاً گم نام فرزند تھے اور آخر میں یہی اکیلے فرزند حضرتِ اکبر کے رہ گئے تھے۔شیعہ بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے۔۱۹۱۰ء میں سیتا پور کے ڈپٹی کلکٹر بنے۔سّید عشرت خیالات میں اپنے والدِ گرامی کی حرارتِ ایمانی سے کوئی نسبت نہ رکھتے تھے۔اکبؔر کو اس کا بہت رنج تھا۔انھوں نے اشعار میں اس درد اور کرب کا ذکر بھی کیا ہے۔

عشرتی گھر کی محبت کا مزا بھول گئے — کیک کو چکھ کر سِوّیُوں کا مزا بھول گئے
موم کی پُتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی — چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے
کیسا کیسا دل نازک کو ستایا تم نے — خبرِ فیصلۂ روزِ جزا بھول گئے

عشرت حسین پرتاپ گڑھ، لکھیم پور وغیرہ مختلف شہروں میں ڈپٹی کی حیثیت سے رہے۔آخر میں پنشن لی اور پنشن کے کچھ ہی روز بعد ۱۹۴۵ء میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

مآخذ: عبدالماجد دریابادی: ''معاصرین''ص:۸۲،۸۳

(۱۳۴)

لاہور ۱۳ر ستمبر ۲۱ء

مخدومی۔السلام علیکم

ابھی زمیندار[۱] سے آپ کے والدِ بزرگوار (اور میرے مرشد معنوی) کے انتقالِ پُر ملال کی خبر معلوم ہوئی۔اِنا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون اس بات کا

ہمیشہ قلق رہے گا کہ ان سے آخری ملاقات نہ ہوسکی۔ مَیں اور میرے ایک دوست قصد کر رہے تھے کہ ذرا گرمی کم ہو جائے تو ان کی زیارت کے لیے الٰہ آباد کا سفر کریں۔ انھوں نے اپنے آخری خط میں مجھے لکھا بھی تھا کہ اِمسال ضرور ملنا۔ بعض باتیں ایسی ہیں کہ خطوط میں نہیں سما سکتیں۔ میری بدنصیبی ہے کہ مَیں ان کے آخری دیدار سے محروم رہا۔ ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں میں مرحوم کی شخصیت قریباً ہر حیثیت سے بے نظیر تھی۔ اسلامی ادیبوں میں تو شاید آج تک ایسی نکتہ رس ہستی پیدا نہیں ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ تمام ایشیا میں کسی قوم کے ادبیات کو اکبر[۲] نصیب نہیں ہوا۔ فطرت ایسی ہستیاں پیدا کرنے میں بڑی بخیل ہے۔ زمانہ سینکڑوں سال گردش کھاتا رہتا ہے جب جا کے ایک اکبر اسے ہاتھ آتا ہے۔ کاش اس انسان کا معنوی فیض اس بدقسمت ملک اور اس کی بدقسمت قوم کے لیے کچھ عرصے اور جاری رہتا۔

خدا تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ مَیں نے ابھی ایک تار[۳] بھی آپ کو دیا ہے۔

مخلص محمدؐ اقبالؔ

حواشی تعلیقات:

۱۔ دیکھیے خط نمبر ۴۰ تعلیقہ نمبر ۱۱

۲۔ دیکھیے خط نمبر ۳ تعلیقہ نمبر ۸

۳۔ تار کا متن درج ذیل ہے:

Heart felt sympathy India loses a great personality

Iqbal. (ب۔ا۔ڈار، ص:۱۹۷)

بنام شفاعت اللہ خاں

تعارف: شفاعت اللہ خان اخبار ''زمیندار'' کے منیجر تھے۔

(۱۴۴)

لاہور

۲۲/اپریل ۲۲ء

ڈیر شفاعت اللہ خاں

چند شعر[۱] ابھی ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ ''اتحاد'' کا آخری شعر یوں چھاپیے:

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے ''بدری''
مسجد سے نکلتا نہیں ضدی ہے ''مسیتا''

محمد اقبال

تحقیقِ متن:

خط کا متن عکس کے مطابق ہے، جو اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی و تعلیقات:

۱ اقبال نے ''اتحاد'' کے عنوان سے درجِ ذیل اشعار بھیجے تھے:

یہ آیۂ نو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر — گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا
کیا خوب ہوئی آشتیِ شیخ و برہمن — اس جنگ میں آخر نہ یہ ہارا نہ وہ جیتا
یہ کفر سے آزاد وہ اسلام سے آزاد — مندر میں نہ بدری ہے نہ مسجد میں مسیتا

(''کلیاتِ اقبال (اردو) ص: ۳۲۲)
(دیکھیے: عکس)

بنام ضامن نقوی

ضامن نقوی نے ایک سلسلۂ مضامین ''ہمایوں'' لاہور میں شائع کرایا۔ پھر اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے ایک مثنوی ''اسرارِ ہستی'' کے نام سے لکھی اور اقبال کو بغرض تنقید بھیجی۔ اقبال کا یہ خط اسی سلسلے میں ہے۔ ضامن نقوی نے ۱۹۳۴ء میں ایک مثنوی ''صہبائے راز'' اور ایک مقالہ ''اصلِ حیات'' طبع کرا کے اقبال کی خدمت میں بھیجا۔ ان کے مطالعے سے اقبال نے

اندازہ لگایا کہ نقوی صاحب برگساں سے متاثر ہیں چنانچہ اقبال نے تبصرے کے طور پر ایک نظم ''فلسفہ زدہ سید زادے کے نام'' کہی جو ''ضربِ کلیم'' میں شامل ہے۔

(۱۴۵)

مکرم تسلیم

آپ کی فلسفیانہ مثنوی موسوم بہ ''اسرارِ ہستی'' نہایت سبق آموز ہے اور اس کا طرزِ بیان بھی دلچسپ ہے۔

اقبال لاہور

۱۱؍جون ۲۳ء

بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

تعارف:

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم ابنِ صوفی غلام رسول' ۴؍اگست ۱۸۹۹ء امرتسر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتدا امرتسر ہی میں مفتی حکیم غلام رسول کے مطب سے ہوئی۔ چرچ مشن ہائی سکول امرتسر سے میٹرک اور خالصہ کالج امرتسر سے ایف۔اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں ایف۔سی کالج سے فارسی آنرز کے ساتھ بی۔اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۲۴ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے ایک سال میں ایم۔اے فارسی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۷ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج میں السنہ شرقیہ کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ اس کالج سے ۱۹۳۱ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں آ گئے اور یہاں سے ۱۹۵۴ء میں ریٹائر ہوئے۔

ریٹائر ہونے کے بعد خانۂ فرہنگِ ایران کے ڈائریکٹر اور بعد میں معلم مقرر ہوئے۔ سول سروس اکیڈمی اور فنانس سروسز اکیڈمی میں بنگالی طلبہ کو اُردو پڑھاتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں صوفی صاحب کو گورنمنٹ آف پاکستان کی طرف سے تمغۂ اعزاز کارکردگی اور ۱۹۶۷ء میں ''ستارۂ امتیاز'' عطا ہوا۔ ایرانی حکومت نے آپ کو تمغۂ نشان سپاس سے بھی نوازا۔ اپریل ۱۹۷۵ء کو چیئرمین پاکستان آرٹس کونسل لاہور اور ۱۹۷۶ء کو وائس پریذیڈنٹ اقبال اکادمی لاہور مقرر

ہوئے۔ہفت روزہ ''لیل ونہار لاہور'' اور رسالہ ''بلاغ'' امرتسر کے مدیر٬ ماہنامہ ''مخزن''، ''سکھی گھر'' کے اعزازی مدیر٬ ماہنامہ ''اطفال'' اور پنجابی ادب کے نگران اور رسالہ ''پھول'' کی مجلسِ مشاورت میں شریک رہے۔ ۷رفروری ۱۹۷۸ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال ہوا۔

اقبالؔ کے ساتھ صوفی تبسم کی عقیدت کا آغاز طالب علمی کے زمانے سے ہوا اور تا حیات قائم رہا۔ اقبالؔ کے ساتھ ایک متعلم٬ نیاز مند اور معلم کے رشتوں کے سبب انھیں اقبالؔ کی شخصیت وفن کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع ملا۔ بقول ڈاکٹر تاثیر: ''ان کی آمد بکثرت تھی اور اقبالؔ انھیں فارسی محاورے اور زبان کا استاد بھی سمجھتے تھے۔ اور سندات کے سلسلے میں انھیں کئی ارشادات کیا کرتے تھے۔ صوفی صاحب نے اقبالؔ کی زندگی ہی میں (۱۹۳۲ء) میں ایک طویل مقالہ تحریر کیا٬ جسے اقبالؔ نے سراہا۔ وہ عمر بھر اقبالیات کی تشریح٬ توضیح اور ترویج کے لیے کام کرتے رہے۔

مآخذ:

۱) نثار احمد قریشی: ''علامہ اقبال (صوفی تبسیم کی نظر میں)''، ص: ۱۹ اور ۱۸

۲) صوفی تبسم (مصنف)٬ گلزار احمد٬ صوفی (مرتب): ''علامہ اقبال سے آخری ملاقاتیں''٬ ص: ۲۳۔۳۱

۳) ''نقوش''، آپ بیتی نمبر٬ ص: ۱۰۹۳۔۱۰۹۶

(۱۴۶)

لاہور ۶ رستمبر ۲۵ء

جناب من۔ السلام علیکم

مَیں کل شام مولوی[۱] صاحب کا منتظر رہا لیکن چونکہ وہ تشریف نہ لائے اس واسطے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے خط سے کوئی غلط فہمی نہ ہوئی ہو۔ مَیں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں وقت کا تعین اس واسطے نہ کی تھی[۲] کہ اس بارے میں مولوی صاحب موصوف کی آسایش کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کی یہ عنایت کم نہیں کہ وہ محض مرے فائدے کے لیے لاہور تشریف لانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں۔ یہ بات قرینِ انصاف نہیں کہ ان حالات میں مَیں

اپنی سہولت اور [ii] اوقات کو ملحوظ رکھوں۔ مجھ کو یہ بات اس خط میں واضح کر دینی چاہیے تھی کہ وہ جب چاہیں تشریف لائیں مجھ کو صرف ایک روز پہلے مطلع کر دیں تا کہ مَیں ان کی تشریف آوری کے وقت مکان پر ہی رہوں کہیں اِدھر اُدھر نہ چلا جاؤں۔ باقی موضوعِ گفتگو کے متعلق اگر سرِ دست اجتہاد نہیں تو اور بہت سے امور ہیں جن کے متعلق میں ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ آپ مہربانی کر کے میری تحریر سے یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ مجھے ان سے فائدہ اٹھانے میں تامل ہے۔

آپ کو گذشتہ خط لکھنے کے بعد میں نے چند باتیں نوٹ بھی کر رکھی تھیں جن پر میں مولوی صاحب کے خیالات سننے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا آرزومند ہوں۔

مخلص محمدؐ اقبالؔ

مولوی صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دیجیے گا۔

تحقیقِ متن:

i انوار = واسطے (کیا؟) ii سہولت اوقات۔

حواشی و تعلقیات:

۱ ''مولوی صاحب'' سے مراد مولوی احمد دین ہیں۔ بازارِ حکیماں کی محفلوں میں اقبالؔ سے ان کا تعارف ہوا' عمر میں اگرچہ اقبالؔ سے بڑے تھے مگر دِلی دوست' قدردان اور ہمدرد تھے۔ ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتدا گوجرانوالہ سے ہوئی۔ لاہور سے بی۔اے کیا۔ انجمن حمایتِ اسلام کی تعلیمی' اصلاحی اور علمی سرگرمیوں کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا۔ علمی زندگی کی ابتدا صحافت سے کی۔ ''پیسہ اخبار'' سے تعلق رہا۔ خود بھی ''غم خوارِ عالم'' کے نام سے ایک اخبار نکالا۔ تصنیفات و تالیفات میں ''سرگزشت الفاظ' بالخصوص قابلِ قدر ہے۔

مولوی احمد دین نے اقبالؔ کی شخصیت اور فن کے حوالے سے مضامین لکھے۔ اقبالؔ کو دیوانی امور میں مشورے کی جب کبھی ضرورت ہوتی تو اکثر انھی سے کرتے۔ ۱۹۱۸ء میں اقبالؔ کے عزیزوں نے انارکلی میں جائیداد خریدی تو اقبالؔ نے خاص طور پر اپنے عزیز ڈاکٹر غلام حمد کو مشورہ دیا کہ وہ بیع نامہ اور مکمل دستاویزات کا مسوّدہ مولوی احمد دین سے لکھوائیں چنانچہ منشی طاہرالدین نے انھی سے یہ مسوّدہ لکھوایا تھا اور وہی آخر تک رہا۔

اقبال کا اُردو کلام سب سے پہلے انھیں نے مرتب کیا۔ چونکہ اسی زمانے میں اقبال ''بانگِ درا'' کی اشاعت کا اہتمام کر رہے تھے اس لیے مولوی صاحب کی کتاب ''اقبال'' چھپ کر جب اقبال کے پاس پہنچی تو انھوں نے شیخ گلاب دین سے کہا: مَیں تو اپنا کلام خود ہی مرتب کر رہا تھا' نظر ثانی ہو رہی تھی' کیا اچھا ہوتا مولوی صاحب ذرا انتظار کر لیتے۔ مولوی صاحب کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ اقبال کو کسی پہلو سے ناراض کریں' یا نقصان پہنچائیں۔ سارے کا سارا مجموعہ کتب جو چھپ کر آیا تھا' صحن میں رکھا اور نذرِ آتش کر دیا۔ اقبال کو معلوم ہوا تو انھیں بڑا صدمہ ہوا۔ دل سے معذرت کی۔ ''بانگِ درا'' کی اشاعت کے بعد ۱۹۲۶ء میں اگرچہ یہ کتاب پھر شائع ہوئی لیکن مولوی صاحب نے بہت سا کلام حذف کر دیا۔

مآخذ: ۱) نذیر نیازی' سید: ''دانائے راز'' ص:۱۶۳۔۱۶۴

۲) عبداللہ چغتائی' ڈاکٹر: ''اقبال کی صحبت میں'' ص:۴۴۴'۴۴۵

۳) احمد دین' مولوی (مصنف)' مشفق خواجہ (مرتب): ''اقبال''، ۱۹۷۹ء

۴) احمد شجاع' حکیم ''لاہور کا چیلسی'' ص:۶۳۔۶۵

بنام میر حسن الدین

تعارف:

میر حسن الدّین ۲ر دسمبر ۱۹۰۳ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے پاس کیا۔ ایل۔ ایل بی کے بعد چند برس تک وکالت کی۔ طبعاً وکالت کا پیشہ انھیں پسند نہیں تھا۔ ۱۹۴۰ء میں ہفتہ وار ''مملکت'' جاری کیا اور ریاست حیدر آباد کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لینے لگے۔ ''مملکت'' کا مزاحیہ کالم ''نمک پارے'' حسن الدین لکھا کرتے تھے۔ اقبال کے کئی مضامین کا ترجمہ کیا اور ان کے مضامین کو ''مملکت'' میں شائع کیا۔ ۱۹۲۷ء میں میر حسن الدین نے اقبال کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے The development of Metaphysics in Persia کا ترجمہ کیا جو ''فلسفۂ عجم'' کے نام سے ۱۹۳۶ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ مآخذ: مظفر حسین برنی (مرتب) کلیاتِ مکاتیب' دوم'' ص: ۸۴۵

(۱۴۷)

لاہور ۱۱ر جنوری [i] ۲۷ء

جناب من' اسلام علیکم

مجھے کوئی تامل نہیں' آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ [۱] شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آ چکا ہے۔ جرمن زبان میں غزآلی [۲]' طوسی [۳] وغیرہ پر علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آیندہ آپ کو اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔ والسلام [ii]

محمدؐ اقبالؔ [iii]

تحقیق متن:

[i] ''انوار'' میں تاریخ تحریر خط کے آخر میں درج ہے۔ [ii] انوار = فقط [iii] انوار = محمدؐ اقبال لاہور

حواشی وتعلیقات:

[۱] اقبال سے ان کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کا اُردو ترجمہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ یہ مقالہ اقبال نے ۱۹۰۷ء میں قیامِ یورپ کے دوران میں لکھا تھا اور اس پر انھیں میونخ یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند عطا ہوئی تھی۔ میر حسن الدین نے ۱۹۲۸ء میں اس مقالے The Development of Metaphysics in Persia کا ترجمہ مکمل کیا اور ''فلسفۂ عجم'' کے نام سے ۱۹۳۶ء میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ اب تک اس کے آٹھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

[۲] دیکھیے خط نمبر ۵۷' تعلیقہ نمبر ۶

[۳] ''طوسؔی'' (نصیر الدین) (۱۲۰۱ء-۱۲۷۴ء): ایرانی عالم دین اور ماہر فلکیات...... طوسؔ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ انھیں مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ

حاصل تھی خصوصاً ہیئت اور فلسفہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ طوسی نے اقلیدس کا ترجمہ جو یونانی زبان میں تھی، عربی میں کیا۔ انھوں نے عربی کی ایک کتاب الطہارت فی الحکمت عملی کا فارسی میں ترجمہ کیا، جو ''اخلاقِ ناصری'' کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ طوسی نے علم ہیئت کے متعلق کچھ نقشے بھی تیار کیے تھے جو زیچ ایلخانی کہلاتے ہیں۔ ان کی تصانیف میں ''اوصاف الاشراف'' اور ''بحرالمعانی'' اہم ہیں۔ اقبال نے ''زبورِعجم'' کے اس شعر میں طوسی کا یوں ذکر کیا ہے۔

ے درآں عالم کہ جزو از کل فزون است
قیاسِ رازی و طوسی جنون است

(کلیات، فارسی، ص: ۵۴۸)

مآخذ: اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱۲۔ ص: ۵۷۴۔ ۵۷۷

بنام رشید احمد صدیقی

تعارف:

مشرقی اتر پردیش کے ضلع جونپور کے ایک قصبہ مَریاہو میں (۱۸۹۶ء) پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں جونپور سے میٹرک کیا۔ علی گڑھ کالج سے ۱۹۱۹ء میں بی اے کیا اور ۱۹۲۱ء میں ایم۔ اے ۱۹۲۳ء میں مسلم یونی ورسٹی میں اُردو کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ تیرہ سال تک اسی عہدے پر کام کرتے رہے، اس کے بعد ۱۹۳۵ء میں ان کو اقبال کی سفارش پر ریڈر بنایا گیا۔ اس طرح ان میں اور اقبال میں باقاعدہ خط وکتابت شروع ہوگئی اور بتدریج اقبال کے بہت قریب آ گئے۔ اقبال کی بیوی کا ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا تو انھیں جاوید اور منیرہ کی نگہداشت کے لیے ایک خاتون کی ضرورت پیش آئی، اس سلسلے میں انھوں نے رشید احمد صدیقی کو بھی خط لکھا۔ رشید احمد نے ایک جرمن خاتون کا انتظام کر دیا۔ اقبال کی زندگی میں جب ہندوستان کے کئی شہروں میں جشنِ اقبال منایا جا رہا تھا تو رشید صاحب کی سعیِ جمیلہ سے بدایوں میں جشنِ اقبال انتہائی شاندار طریقہ سے منایا گیا۔ اقبال کی شاعری اور شخصیت پر انھوں نے مضامین بھی لکھے اور یوں اپنی عقیدت کا عملی ثبوت پیش کیا۔

رشید احمد نے اپنی زندگی علی گڑھ میں گزاری اور ۱۵رجنوری ۱۹۷۷ء کو علی گڑھ میں انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) مالک رام: ''تذکرۂ معاصرین''، جلد۴، ص: ۲۰۱۔۲۱۶
۲) معین الرحمٰن، سید، ڈاکٹر: ''مضامین رشید''، ص: ۱۹
۳) ناموران علی گڑھ (تیسرا کارواں) جلد اول''، ص ۲۴۹۔۲۵۴

(۱۴۸)

لاہور ۷/دسمبر ۱۹ءi

جناب صدیقی صاحب، السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔

میری رائے ناقصii میں خواجہ[۱] حافظ کے شعر میںiii لفظ ''بادیہ پیمائی''[۲] ہے۔

پہلے مصرع میں ''اینجا'' سے مُراد ''دریں بادیہ'' ہے۔ مفہوم شعر کا یہ ہے کہ اس دشت میں سینکڑوں ہوائیں بے سلسلہ (یعنی بے زنجیر، آزادانہ) رقص کر رہی ہیں اور یہی ہوائیں اے دل تیری رفیق (حریف بمعنی رفیق) ہیں۔ جب تک تو بادیہ پیما ہے یا ان کا رقص اس غرض سے ہے کہ تو آسانی اور اطمینان سے اس صحرا کو طے کرلے۔ شاعر کا مقصود اپنے آپ کو تسکین دینا ہے کہ تو اس بادیہ گردی میں تنہا نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر ذرّہ تیری ہی خاطر حالتِ رقص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلا مصرع بہت بلند ہے۔ اور کسی اور مضمون کا متقاضی ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ

تحقیق متن:

i انوار = تاریخِ تحریر خط کے خر میں درج ہے۔ ii انوار = ناقص رائے میں iii انوار = میں ''بادیہ پیمائی''۔

حواشی وتعلیقات

[۱] خواجہ حافظؔ (شمس الدین محمد حافظؔ) (۱۳۹۲ء بہ مقام شیراز) فارسی گو شاعر۔ لقب لسان الغیب اور ترجمان الاسرار۔ والد کا نام بہاء الدین، جو تاجر تھے اور اصفہان چھوڑ کر شیراز میں آ بسے تھے۔ ان کا زمانہ سیاسی بے چینی کا تھا۔ جس کا اثر شاعری پر بھی پڑا۔ غزلیات کا رنگ عموماً عارفانہ

ہے۔شہرت ہندوستان پہنچی تو محمود شاہ بہمنی بادشاہ دکن اور غیاث الدین حاکم بنگالہ نے آنے دعوت بھیجی لیکن حافظؔ سفر کی زحمت برداشت نہ کر سکے۔''دیوانِ حافظؔ'' کی قدر و قیمت کا یہ عالم ہے کہ لوگ اس سے فال بھی نکالتے ہیں۔دیوان کا ترکی اور عربی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا۔جرمن کے وہ شعرا جن کا تعلق ''تحریک مشرقی'' سے ہے‘انھوں نے حافظؔ کی شاعری کے گہرے اثرات قبول کیے ہیں۔حافظ نے شیراز میں انتقال کیا اوران کی آرام گاہ''حافظیہ'' کے نام سے معروف ہے۔

اقبالؔ نے مثنوی''اسرارِخودی'' میں پینتیس اشعار میں حافظ پر تنقید کی۔جس کو بعض علما اور مشائخ نے تصوف پر تنقید قرار دیا اور کہا کہ اقبال تصوف کے خلاف ہیں۔اس سلسلے میں اقبالؔ کے مکاتیب میں کئی جگہ بحث ملتی ہے۔۳۰/اپریل ۱۹۱۶ء کے خط میں مہاراجا کشن پرشاد کو لکھتے ہیں کہ حافظؔ کا صوفی ہونا یا محض شاعر‘ ہر دو اعتبار سے ان کے کام کی قدر و قیمت کا اندازہ اور صحیح اندازہ علم الحیات کے اعتبار سے ہونا چاہیے۔۱۴/جولائی ۱۹۱۶ء کو سید فصیح اللہ کاظمی کے نام اقبالؔ لکھتے ہیں کہ تصوف کے متعلق میں خود لکھ رہا ہوں۔حافظؔ کی شاعری نے بالخصوص اور عجمی شاعری نے بالعموم مسلمانوں کی سیرت اور عام زندگی پر نہایت مذموم اثر کیا ہے‘اسی واسطے میں نے ان کے خلاف لکھا ہے۔سراج الدین پال کے نام خطوط میں بھی حافظؔ کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کو واضح کیا۔

مآخذ:۱) شبلی نعمانی علاّمہ:''شعرالعجم'دوم''ص:۲۳۶۔۳۱۲

۲) منظور حسین خواجہ:''اقبال اور بعض دوسرے شاعر''ص:۲۲۶'۲۹۴

۳) صدیق شبلی ڈاکٹر:''فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ''ص:۹۲'۹۳

۴) اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ‘جلد ۷‘ص:۷۹۷۔۷۹۹

۲ خواجہ حافظؔ کا شعر ہے:

صد بادِصبا ایں جا بے سلسلہ می رقصند

این است حریف اے دل تا بادیہ پیمائی

(ترجمہ: یہاں سو(۱۰۰)بادِصبا بے زنجیر رقص کرتی ہیں۔اے دل یہی تیری حریف ہیں‘اگر تو بادیہ پیمائی کرے)۔''بادیہ پیمائی'' کی جگہ دیوان میں اختلاف ہیں۔ایک''بادنہ پیمائی'' دوسرا''بادہ نہ پیمائی''سوال غالباً یہ تھا کہ تینوں میں سے کون سا صحیح ہے۔اقبالؔ نے''بادیہ پیمائی'' کو درست قرار دیا ہے۔(ب۔ا۔ڈار:۲۰۲)

بنام خواجہ بشیر احمد

تعارف:

خواجہ بشیر احمد، مولوی احمد دین کے صاحبزادے۔ بشیر احمد کے بارے میں ان کے بھائی خواجہ اعجاز احمد کا بیان ہے کہ وہ والد صاحب کے بہت قریب تھے اور اکثر ڈاکٹر اقبال کے ہاں بھی کئی معاملات میں گفت وشنید کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب کی کتابوں کی نشر واشاعت کا کام خواجہ بشیر احمد ہی کے سپرد تھا جسے وہ خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ خواجہ بشیر احمد شیخ مبارک علی کے پاس برسوں کام کرتے رہے۔ تقسیم سے کئی برس پیشتر وفات پائی۔

مآخذ: احمد دین، مولوی (مصنف) مشفق خواجہ (مرتب): ''اقبال''، ص: ۴۰

(۱۴۹)

۱۱/اکتوبر ۱۹۲۹ء

عزیزم بشیر

السلام علیکم

افسوس ہے کہ میں مولوی[1] صاحب مرحوم کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ مجھے اس سے دو ایک روز پہلے نقرس ہو گیا، جس کی وجہ سے پاؤں میں سخت تکلیف تھی، حرکت سے قاصر رہا۔ دوسرے روز دانت کے درد کا پھر اضافہ ہو گیا۔ میں نے خواجہ صاحب (خواجہ فیروز[2] الدین) کے ہم دست آپ کو اپنی معذوری کا پیغام بھی بھیجا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ پیغام آپ تک پہنچا کہ نہ پہنچا۔ بہر حال مجھے یہ افسوس تا زیست رہے گا کہ مرحوم کے لیے آخری دعا جو کی گئی، مَیں اس میں شریک ہونے سے محروم رہا۔ خُدا تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ کل آپ کے ہاں حاضر ہونے کا قصد تھا مگر اس سے پہلے انجمن کے جلسے میں دیر ہو گئی۔ اِن شاء اللہ اب حاضر ہوں گا۔ اُمید ہے شام کے قریب آپ سب بھائی گھر پر ہوتے ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعاے صبرِ جمیل کے۔ والسلام

محمد اقبال

تحقیق متن:

زیرنظر خط "حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں" (ص:۸۶) میں بھی شائع ہوا ہے۔

حواشی و تعلیقات:

۱ دیکھیے خط نمبر ۱۴۶، تعلیقہ نمبر ۱

۲ خواجہ فیروز الدین: خان بہادر رحیم بخش کے صاحبزادے علی گڑھ کالج سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۴ء میں انگلستان چلے گئے۔ اور ۱۹۱۷ء میں وہاں سے بیرسٹری کی سند لے کر واپس آئے اور لاہور میں وکالت شروع کر دی۔ ۱۹۱۹ء میں جب رولٹ ایکٹ کے نفاذ پر پنجاب میں مارشل لا لگا تو لاہور میں سب سے پہلے جو سرکردہ لوگ کارگزاریوں کی بنا پر گرفتار ہوئے، ان میں خواجہ صاحب بھی شامل تھے۔ اقبال کے دوست اور ہم زلف (والدۂ آفتاب کے تعلق سے) بھی تھے۔ ممتاز موسیقار خورشید انور انھیں کے صاحبزادے تھے۔

مآخذ: فیوض الرحمٰن ڈاکٹر: "معاصرینِ اقبال"، ص:۸۸۹

بنام سردار رب نواز خان

تعارف:

سردار محمد رب نواز خان وہوا، ضلع ڈیرہ غازی خان میں ۸ر فروری ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ دُرّانی پٹھانوں کے کھتران قبیلے کے تمندار (سردار) آنریری مجسٹریٹ درجہ اول، وائسریگل درباری اور امپریل بلوچی جرگہ کے ممبر تھے۔ ان کا پیشہ زمینداری تھا۔ عربی فارسی میں اچھی دسترس حاصل تھی۔ انگریزی زبان سے معمولی واقفیت تھی۔ اقبال سے بے حد عقیدت تھی جب کبھی لاہور آتے تو لازماً اقبال کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سردار کریم نواز کے بہ قول: "اقبال کے کلام کے حافظ تھے...... سردیوں کے موسم میں گھر پر الاؤ کے گرد بیٹھے علاّمہ صاحب کا کلام سب گھر والوں کو سناتے"۔ سردار محمد سعداللہ خان کے الفاظ میں "کوئی دن ایسا بمشکل ہوگا جب ان کی محفل میں علاّمہ کا ذکر نہ ہوا ہو۔ علاّمہ کے اشعار کی قرآن اور حدیث سے تطبیق ان کا خاص کمال تھا"۔ ۱۷ر اگست کو اپنے آبائی گاؤں وہوا میں انتقال کیا۔

مآخذ: رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: "خطوطِ اقبال"، ص:۱۹۴، ۱۹۵

(۱۵۰)

لاہور ۲۶؍ جولائی ۳۰ء[i]

جنابِ سردار صاحب' السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکر گزار ہوں۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ[ii] ہر طرح[iii] خیریت ہے۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ اَللّٰھُمَّ زِدفَزِدْ[iv]

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

تحقیق متن:

زیرِ نظر خط کا عکس اقبال اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ مزید ''خطوطِ اقبال'' (ص:۱۹۲) میں دیکھیے۔ i انوار = جون۔ ii عکس میں ''لِلّٰہ'' رہ گیا ہے۔ iii انوار = کہ iv ''انوار'' کے متن میں عربی کا یہ جملہ موجود نہیں ہے۔

حواشی وتعلیقات

i سردار کریم نواز زیرِ نظر مکتوب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں گورنمنٹ نے ڈیرہ غازی خان کے جملہ تمنداروں کو ۱۵ مربعہ اراضی Landed Gentry Grant میں فی تمندار عطیہ کیا۔ تمنداروں کے سربراہ اس زمانے میں نواب سر بہرام خان مزاری K.C.I.E تھے۔ جملہ تمندار بلوچ تھے۔ صرف ہمارا قبیلہ پٹھان تھا۔ اس لیے نواب صاحب مرحوم نے یہ گرانٹ صرف بلوچ سرداروں کے لیے منظور کرائی۔ ہمیں اس عطیہ سے محروم رکھا گیا' حالانکہ اس دور کی خدمات آنریری مجسٹریٹ اور ممبر جرگہ کی حیثیت سے ہم برابر تھے۔ میاں سر فضل حسین اس زمانے میں وزیر تھے اور اقبال سے ان کے مراسم تھے۔ والد صاحب نے اقبال سے گزارش کی کہ ہمارے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے' میاں صاحب سے سفارش کرا کے اس کا ازالہ کرائیں۔ غالباً علاّمہ صاحب نے معذوری بیان کی کہ وہ دنیاوی معاملات میں کسی سفارش کے قائل نہیں۔ والد صاحب خُود میاں سے علاّمہ صاحب کے فرمان کے مطابق ملے اور اپنا کیس بیان کیا۔ جس

پرانھیں بھی باقی بلوچ تمنداروں کی طرح عطیہ دیا گیا۔ اس کی اطلاع والد صاحب نے علاّمہ صاحب کو دی، جس کا یہ خط جواب تھا۔ مآخذ: رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: ''خطوطِ اقبال''، ۱۹۵، ۱۹۶۔

بنام ڈاکٹر محمد دین تاثیر

تعارف:

محمد دین تاثیر ۲۸ر فروری ۱۹۰۲ء کو امرتسر کے ایک قصبہ اجنالہ میں پیدا ہوئے۔ تاثیر کی تمام تعلیم میاں نظام الدین کے زیرِ اثر ہوئی۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۱۸ء میں اسلامیہ ہائی اسکول شیرانوالہ گیٹ سے پاس کیا۔ بی۔ اے آنرز انگریزی کا امتحان ۱۹۲۲ء میں پاس کیا۔ ایم۔ اے انگریزی کا امتحان ۱۹۲۴ء میں پاس کیا۔ جولائی ۱۹۲۵ء سے انجمنِ اسلامیہ پنجاب کے سہ ماہی رسالہ ''انجمن'' کے مدیر مقرر ہوئے اور ستمبر ۱۹۲۷ء تک یہ ذمہ داری نبھاتے رہے ۱۹۲۶ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں جے۔ اے وی کلاس کے لیے سو روپیہ مشاہرہ پر انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ ۹ر فروری ۱۹۲۸ء کو اس ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ بعدازاں محکمۂ اطلاعات پنجاب میں کام کرنے کی خواہش کی جو اقبال کے توسط سے پوری ہوئی۔ اس ملازمت سے ستمبر ۱۹۲۸ء میں علیحدہ ہو کر اسلامیہ کالج آ گئے اور ۱۹۳۶ء تک رہے۔ ۱۹۳۲ء میں کیمبرج یونی ورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ قیامِ پاکستان کے بعد وزارتِ امورِ کشمیر میں بحیثیت ڈائریکٹر پبلسٹی تقرر ہوا۔ اور ۱۹۴۸ء میں آزاد کشمیر کے صدر سردار محمد ابراہیم خان کے ساتھ امریکا چلے گئے۔ اگست ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے اور انتقال تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ ۳۰ر نومبر ۱۹۵۰ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

اقبال سے محمد دین تاثیر کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ ایف سی کالج لاہور میں انٹرمیڈیٹ میں پڑھتے تھے۔ اس کے بعد وہ روزانہ شام کو اقبال کے گھر جاتے اور ان سے شعر و ادب کے مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ تاثیر کی انگریز بیوی کرسٹابل اقبال کے ہاتھوں مسلمان ہوئیں اور اقبال نے ان کا نکاح خود پڑھایا۔ تاثیر نے ''نیرنگ خیال'' کے اقبال نمبر میں اسمائے رجالِ اقبال کے عنوان سے ایسے لوگوں کے مختصر حالات بھی لکھے تھے جو اقبال کے حاضر باش دوستوں میں سے تھے۔

مآخذ: ۱)   محمد دین تاثیر، ڈاکٹر (مصنف) افضل حق قرشی (مرتب):
''اقبال کا فکر وفن''، ص: ۱۷۔۱۹
۲)   ''نقوش''، شخصیات نمبر، ص: ۵۸۵۔۵۸۸
۳)   ماہر القادری (مصنف)، طالب ہاشمی (مرتب): ''یادِ رفتگاں (حصہ اول)''، ص: ۱۲۹
۴)   نصر اللہ خان: ''کیا قافلہ جاتا ہے''، ص: ۱۱۵۔۱۱۹

(۱۵۱)

بھوپال شیش محل
۲۲ / جولائی ۳۵ء[1]

ڈیر تاثیر صاحب السلام علیکم

جاوید[1] کے لیے الف لیلہ[2] کا نسخہ جو آپ نے بھیجا ہے مجھے آج یہاں بھوپال میں موصول ہوا۔ جاوید بھی میرے ساتھ ہے۔ وہ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہے اور آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہے۔

مَیں یہاں بھوپال میں بغرضِ علاجِ برقی مقیم ہوں اور اگست کے آخر تک علاج جاری رہے گا۔ بہ نسبت سابق حالت بہتر ہے اور ڈاکٹر صاحبان یقینی اُمید دلاتے ہیں کہ آواز عود کر آئے گی۔ اعلیٰ حضرت نواب صاحب[3] بھوپال نے نہایت دردمندی سے میرا علاج کرایا ہے۔ اس کے علاوہ جب ان کو سر راس مسعود[4] سے معلوم ہوا کہ میں ایک کتاب مقدمۃ القرآن لکھنا چاہتا ہوں تو اس ارادے کی تکمیل کے لیے مجھے انھوں نے تاحیات پانچ سو روپیہ ماہوار لٹریری پنشن عطا فرمائی ہے۔ آپ کو شاید اس کا علم اخباروں سے ہو گیا ہوگا۔ اب ذرا صحت اچھی ہولے تو ان شاءاللہ اس کتاب کو لکھنا شروع کروں گا۔ اسی سال کے دوران میں امید ہے صورِ اسرافیل[5] بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر کچھ مدت کے لیے مقدمۃ القرآن کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دوں گا۔ باقی اب زندگی میں کوئی دل چسپی مجھ کو نہیں رہی صرف جاوید و منیرہ کی خاطر زندہ ہوں۔ انگلستان آنا بھی اب ممکن نہیں رہا۔ اگر مَیں

کچھ مدّت کے لیے ادھر چلا جاؤں تو ان بچوں کی نگرانی کون کرے گا۔اس کے علاوہ میرے لیے ان کی جدائی بھی مشکل ہے۔ ان کی ماں کی آخری وصیت بھی یہ تھی کہ جب تک یہ دونوں بچے بالغ نہ ہو جائیں ان کو اپنے سے جدا نہ کرنا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ لاہور سے فساد کی خبریں آ رہی ہیں۔ملٹری نے فائر کر دیے تھے۔آج کی خبر ہے کہ ۱۰مسلمان مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد معلوم نہیں ہے۔ ملٹری اور پولیس کے آدمی بھی زخمی ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ مسجد شہید[۶] گنج کے انہدام کے سلسلے میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ انگریزی تدبر کے اب آخری دن ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

علی بخش[۷] سلام کہتا ہے، جاوید آداب لکھواتا ہے۔

محمد اقبال

حاشیہ پر:

میاں صاحب کے باغ کے آم لاہور سے کھا کر روانہ بھوپال ہوا تھا اگرچہ ان آموں کا موسم کچھ میرے بعد شروع ہوگا۔

آپ نے ارادہ کیا تھا کہ جاوید نامہ[۸] پر لکچر دیں گے وہ لکچر لکھا گیا یا ابھی تک معرضِ التوا میں ہے۔لکھا جائے تو ایک کاپی ضرور ارسال کیجیے۔

محمد اقبال

تحقیق متن:

[i] انوار=۳۰ء۔صابر صاحب کے نزدیک ۱۹۳۵ء تاریخِ تحریر ہے۔(''اشاریہ مکاتیب''،ص:۹۱) اور ''تصانیفِ اقبال''میں بھی یہی سنہ صحیح ہے(ص:۲۴۴)

حواشی و تعلیقات

[۱] دیکھیے خط نمبر ۵۹، تعلیقہ نمبر ا

[۲] الف لیلہ (الف لیلہ ولیلہ): عربی زبان میں کہانیوں کی ایک مشہور کتاب، جس کے مؤلف یا مؤلفین کے متعلق کچھ معلوم نہیں، مگر قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کہانیاں عراق اور مصر میں مختلف

اوقات میں قلم بند ہوئی تھیں۔ان کی بنیاد ایک ایرانی افسانوی داستان پر ہے۔جس کی حکایات شہرزاد کی زبانی بیان ہوئی ہیں۔رفتہ رفتہ دیگر حکایات کے اضافے سے اس کی ہئیت ایسی بدل گئی کہ الف لیلہ اپنی موجودہ صورت میں قرونِ وسطیٰ کے عربی اسلامی تہذیب وتمدن کے مختلف پہلوؤں کی ایک نہایت دل کش اور تقریباً ہو بہو تصویر پیش کرتی ہے۔کئی زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔(مآخذ:''اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا'اول''،ص:۱۲۳

۳۔ ۱۹۳۴ء میں حکیم نابینا کے علاج سے اقبالؔ کی عام صحت تو بحال ہو گئی لیکن گلے کی تکلیف میں کوئی فرق نہ آیا۔کئی احباب نے یہ مشورہ دیا کہ وہ بھوپال جا کر بجلی کا علاج کرائیں' جو اس وقت جدید ترین و کامیاب ترین علاج سمجھا جاتا تھا اور بھوپال کے حمیدیہ ہسپتال میں اس کی قیمتی مشینیں لگ چکی تھیں اور ماہر ڈاکٹر بھی موجود تھے' جن میں ڈاکٹر عبدالباسط' ریڈیالوجسٹ کا اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔چنانچہ اقبالؔ' نواب حمید الہ خان اور سر راس مسعود کی خواہش پر بھوپال' بجلی کے ذریعے علاج کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے۔اور ۳۱رجنوری ۱۹۳۵ء کو بھوپال پہنچے۔(مآخذ صہبالکھنوی:''اقبالؔ اور بھوپال''،ص:۸۹۔۱۱۲

۴۔ سر راس مسعود (۱۸۸۸ء۔۳۰رجولائی ۱۹۳۷ء) جسٹس سیّد محمود کے بیٹے' سر سید احمد خان کے پوتے' علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔آکسفورڈ میں تعلیم پائی' پٹنہ ہائی کورٹ سے وکالت شروع کی' پھر پٹنہ ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔کنگ کالج میں تاریخ کے پروفیسر ہوئے۔۱۹۱۵ء میں حیدرآباد دکن میں ناظم تعلیمات مقرر ہوئے۔۱۴رجنوری ۱۹۲۹ء کو اقبالؔ جامعہ عثمانیہ میں لیکچر دینے کے لیے حیدرآباد گئے تو وہاں سر راس مسعود سے ملاقات ہوئی' جو وقت کے ساتھ انتہائی گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی۔۱۹۳۳ء میں وہ نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان کے تعلیمی نظام کا مطالعہ کرنے کے لیے اقبالؔ اور مولانا سید سلیمان ندوی کے ساتھ افغانستان گئے۔۱۹۳۴ء میں وزیر صحت و تعلیم ہو کر ریاست بھوپال آ گئے۔اقبالؔ بھوپال جاتے تو ان کی کوٹھی ''ریاض منزل'' میں قیام کرتے۔اقبالؔ نے ''ضربِ کلیم'' کی اکثر نظمیں بھوپال ہی کے قیام کے دوران میں لکھیں۔سر راس مسعود نے بھوپال میں اپنی نگرانی میں اقبالؔ کے علاج و معالجے کا انتظام کیا۔۳۰رجولائی ۱۹۳۷ء کو راس مسعود کا بھوپال میں انتقال ہوا اور اگلے دن علی گڑھ میں دفن ہوئے۔

مآخذ: ۱) محمد حنیف شاہد (مرتب):''مقالاتِ عبدالقادر''،ص:۱۷۱۔۱۷۹

۲) مجلّہ ''اقبال' اکتوبر ۱۹۸۹ء' ص:۱۶۱۔۱۷۰

۳) فتح محمد خان (مقالہ نگار): ''اقبال اور راس مسعود'' (ایم فل۔اقبالیات)'۱۹۹۴ء

۴) غلام السیّدین' خواجہ: ''آندھی میں چراغ'' ص:۱۲۱۔۱۳۶

۵ اقبال نے پہلے پہل ''بالِ جبریل'' کا نام صورِ اسرافیل'' تجویز کیا تھا۔ یہ اُردو مجموعہ کلام ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔

۶ مسجد شہید گنج: مسجد نولکھا اور لنڈا بازار کے مابین ایک بزرگ شاہ کاکو چشتی کا مزار تھا' جن کی وفات ۱۴۷۷ء میں ہوئی تھی۔ یہیں ایک مقبرہ میر منو کا تھا جن کی وفات ۱۷۵۲ء میں ہوئی تھی۔ یہ میر منو' نواب قمر الدین خان وزیر محمد شاہ کے فرزند تھے اور سکھ ان کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ اسی کے ساتھ ایک پختہ مسجد اور حمام تھے۔ اس مسجد کے تین گنبد اور تین محرابیں تھیں اور اسے داراشکوہ کے خانساماں عبداللہ خاں نے ۱۶۵۳ء میں تعمیر کرایا تھا۔ سکھوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں اس مسجد اور مقبرہ کو مسمار کر کے گوردوارہ تعمیر کیا اور اس جگہ کو شہید گنج کہنے لگے کیونکہ ان کے خیال میں میر منو (نواب میر معین الملک) نے فرخ سیر کے عہد میں یہاں سکھوں کو قتل کیا تھا۔ میر منو کا مقبرہ بارہ دری کی صورت میں تھا۔ اسے مسمار کر کے میر کی لاش نکال کر اس کی بے حرمتی کی' بقیہ عمارتوں کے آثار برطانوی عہد حکومت تک باقی تھے اور مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ یہ مسجد اور ملحقہ عمارتیں ان کے حوالے کر دی جائیں لیکن مسلمان دشمن انگریزوں کی حکومت نے اسے مسلمانوں کے حوالے نہ کیا بلکہ ۸ / جولائی ۱۹۳۵ء کو سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے انگریزی حکومت اور پولیس کی قیادت میں اس مسجد اور مزار حضرت شاہ کاکو چشتی کو مسمار کر دیا مسلمانوں نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ مولانا ظفر علی خان نے دس ہزار رضا کار بھرتی کرنے کا اعلان کیا جنھیں نیلی پوش کا نام دیا گیا۔ حکومت نے ظفر علی خان اور ان کے دیگر رفقا جن میں سید حبیب ایڈیٹر روزنامہ ''سیاست'' اور ملک لال خان بھی شامل تھے' گرفتار کر لیا۔ حکومت کے اس قدام سے مسلمانوں میں مزید اشتعال بڑھا' حکومت نے مسلمانوں کی یلغار کو روکنے کے لیے کرفیو نافذ کر دیا۔ ۲۱ / فروری ۱۹۳۶ء کو قائداعظم نے لاہور آ کر معاملے کو رفع دفع کرانے کے لیے مسلمانوں اور سکھوں کے تین تین افراد پر مشتمل ایک مشترکہ بورڈ بنایا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد عالم نے مقدمہ بھی دائر کر دیا تاہم اب بھی یہ جگہ سکھوں کے لیے محفوظ مقامات میں شامل ہے۔

مآخذ: ۱) ابواللیث صدیقی' ڈاکٹر: ''ملفوظاتِ اقبال مع حواشی وتعلیقات'' ص: ۴۱۸'۴۱۹۔

۲) عاشق حسین بٹالوی ''اقبال کے آخری دو سال'' ص: ۵۴۷'۵۸۱

۷؎ دیکھیے خط نمبر ۵۸ تعلیقہ نمبر ا
۸؎ دیکھیے خط نمبر ۴۶ تعلیقہ نمبر ۲

بنام سید مصطفیٰ حسن

تعارف:

سید مصطفیٰ حسن، جو سید رجب علی میر منشی وائسرائے ہند دہلی کے نواسے تھے۔ غالبًا مکتوب الیہ نے جگراؤں آ کر نوادر دیکھنے کی دعوت دی، جس کے جواب میں اقبال نے یہ خط لکھا۔

(۱۵۲)

جنابِ من۔ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ جس کے لیے مَیں سراپا سپاس ہوں۔ افسوس کہ جگراؤں آنے کا مجھے کبھی اتفاق نہ ہوا، ورنہ آپ کے کتب خانے کے نوادر دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوتی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

محمدؐ اقبالؔ

۱۷ر فروری ۳۲ء

بنام مولانا محمد عرفان خاں

تعارف:

موضع پکھووال ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا محمد اسحاق کے ہم وطن اور ساتھی۔ ذات کے تناول، اُردو زبان کے فصیح و بلیغ مقرر۔ سلسلۂ خیر آباد کے عالم معقولات اور مدرس۔ ۱۹۲۰ء میں درس و تدریس کے بجائے قومی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ شُدھی کے خلاف تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ دہلی کے جمعیۃ العلما کے سیکرٹری رہے۔ بعد میں مجلسِ خلافت کے سیکرٹری ہو کر بمبئی آ گئے اور وفات تک وہیں رہے۔ شریف حجاز اور ابنِ سعود کی لڑائی کے زمانے میں حجاز جا کر معاملات کی تحقیق کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ صوبہ سرحد سے جلاوطن کر دیے گئے۔ جلاوطنی کے خاتمے پر بھی وطن آ کر اپنی خدمات کو محدود کرنا پسند نہ کیا۔ حد درجہ غیور، شریف

اور سادہ تھے، ساری عمر مجاہدانہ گزاری۔ کئی مرتبہ جیل گئے، ہمیشہ حق وصداقت کا ساتھ دیا۔ کبھی جان کی پروانہ کی۔ بڑے قناعت پسند تھے۔ دل کے صاف مگر کان کے کچے تھے۔ ساری عمر شادی نہ کی ساری عمر قوم کی خدمت میں گزار دی۔ عربی کے بہترین استاد اور عالم۔ اُردو اہل زبان کی طرح بولتے۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۲۵ء کو جو وفد سلطان عبدالعزیز ابنِ سعود کی دعوت پر موتمر اسلامی کے انعقاد کے لیے بھیجا گیا۔ اس میں ظفر علی خاں اور شعیب قریشی کے ہمراہ شرکت کی۔ ۱۹۳۹ء میں بمبئی میں حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال کیا۔

مآخذ: ۱) ضیاء الدین برنی ''عظمت رفتہ''ص: ۳۷۷۔۳۸۱

۲) رئیس احمد جعفری: ''دید وشنید''ص: ۱۱۴۔۱۱۹

۳) شیر بہادر خان پنی، ڈاکٹر: ''دیدہ شنیدہ''ص: ۷۸، ۷۹

۴) سلیمان ندوی، سید: ''یادِ رفتگاں''ص: ۱۹۲، ۱۹۳

(۱۵۳)

۵ر جولائی[i] ۳۲ء بصیغہ راز

جناب مولانا۔ السلامُ علیکم

مولانا شوکت[۱] علی تو اس وقت مقدمے کی تیاری میں مصروف ہوں[۲] گے۔ آپ ان سے دریافت حالات کر کے اس خط کا جواب دیں۔ کچھ روز ہوئے مَیں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ہندو بزرگ مسٹر للت[۳] کا خط میرے پاس آیا تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ ''ڈاکٹر[ii] مونجے[۴] تمھاری اسکیم کو جو تم نے لیگ کے صدارتی ایڈریس میں پیش کی تھی تسلیم کرتے ہیں۔ پنڈت مالوی[۵] سے بھی مشورہ کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کی[iii] خاطر اس کو تسلیم کر لیں گے گو اس وقت علانیہ طور پر اس اسکیم کو تسلیم کرنا مصلحت نہیں ہے''۔ یہ خط بصیغہ راز تھا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں[iv] نے مولانا شوکت علی صاحب سے بھی گفتگو کی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ ہیں۔ اسکیم جس کی طرف مَیں نے اشارہ کیا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے یعنی شمالی ہندوستان کے مسلمان صوبوں کا ایک ہو جانا۔

اس خط کے موصول ہونے پر مَیں نے مولانا شوکت علی کو لکھا اور انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مسٹر [v] للت ان سے ملے تھے۔ میں نے مسٹر موصوف کو دو خط اس کے جواب میں لکھے تھے مگر یہ خط قریباً ایک ماہ کے بعد ڈ ڈیلیٹر آفس کے ذریعے سے میرے پاس واپس آ گئے ہیں۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ اس میں کوئی چال اور عیاری نہ ہو مگر اب خطوں کے واپس آ جانے سے یہ شبہ رفع ہوا۔ مسٹر للت اب معلوم نہیں کہاں ہیں اور مذکورہ بالا خط لکھنے [vi] سے ان کا کیا مقصد تھا۔ ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ بعض لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ میرے خطوط کے واپس آ جانے کے بعد مسٹر للت کے خط کو شائع کرنا چاہیے۔ اگر ممکن ہو تو حالات دریافت کرنے کے بعد مجھ کو مطلع فرمائیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام [vii]

مخلص محمدؐ اقبال

افسوس [viii] کہ بمبئی کے [۲] فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے۔ والسلام [ix]

تحقیق متن:

i انوار = ۸ر جون۔ ii انوار = مونجے۔ iii انوار = صلح کے خاطر۔ iv انوار = کہ مولانا۔ v انوار = مسٹر پنڈت للت۔ vi انوار = خط کے لکھنے۔ vii ’’انوار‘‘ میں والسلام درج نہیں ہے۔ viii انوار = افسوس ہے کہ۔ ix ’’انوار‘‘ میں والسلام درج نہیں ہے۔ (دیکھیے عکس)

حواشی و تعلیقات:

۱ مولانا شوکت علی (۱۰ر مارچ ۱۸۷۳ء۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۳۸ء): والد کا نام عبدالعلی خان، وطن: رام پور۔ مولانا محمد علی کے بڑے بھائی۔ والدہ آبادی بیگم تحریک خلافت کے دنوں میں بی اماں کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ مولانا نے ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد ’’انجمن خدام کعبہ‘‘ کی بنیاد رکھی۔ پہلی عالمی جنگ میں مولانا محمد علی کے ساتھ مہرولی، پھر چھنڈواڑے، بعدازاں بیتول میں نظر بند رہے۔ ۱۹۱۹ء میں رہا ہو کر تحریکِ خلافت کا آغاز کیا۔ مختلف اسلامی ممالک کی سیاحت بھی کی۔ ’’مؤتمر اسلامی‘‘ منعقدہ مکہ معظّمہ، نیز مؤتمر اسلامی منعقدہ یروشلم میں شریک ہوئے۔ دوسری گول میز کانفرنس کے رکن تھے۔ آخر میں مسلم لیگ میں شریک ہو گئے تھے۔ مرکزی اسمبلی کے رکن تھے۔

دہلی میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوا اور جامع مسجد کے سامنے دفن ہوئے۔
مآخذ: ۱) ''نامورانِ علی گڑھ (تیسرا کارواں)'' ص:۲۳۔۲۹
۲) عبدالسلام خورشید ڈاکٹر: ''وَے صورتیں الٰہی'' ص:۲۰۹۔۲۱۱

۲۔ یہ مقدمہ مولانا شوکت علی نے فری پریس جرنل کے مالک اور اڈیٹر سدانند کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کے سلسلے میں دائر کیا تھا۔ سدانند نے الزام لگایا تھا کہ رضا کارانِ خلافت کی لاری سے خون آلود چھرے دستیاب ہوئے جن سے ہندوؤں کو قتل کیا گیا۔ اس مقدمے میں سدانند کو جرمانے کی سزا ہوئی تھی۔ (''انوار'' ص:۲۰۸)

۳۔ مسٹر للت کوئی وکیل تھے اور مولانا شوکت علی سے ملے تھے۔ اس ملاقات کے بعد مولانا نے روزنامہ ''خلافت'' میں اس تجویز کی حمایت میں اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔ مسٹر للت کا خط ''زندہ رود...... حیات اقبالؔ کا اختتامی دور'' (ص:۴۱۸) میں شامل ہے، جس میں وہ مسلم سٹیٹ کی اصطلاح کو ''مسلم پروانس'' کا نام دیتے ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر مونجے: (۱۸۷۲ء۔۱۹۴۸ء)، ۱۲/دسمبر کو بلاسپور (مدھیہ پردیش۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۴ء میں گورنمنٹ میڈیکل کالج، ناگپور میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۸ء میں ایل۔ایم۔اینڈ ایس کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۱ء میں ناگپور میں ڈاکٹری پریکٹس شروع کی۔ یہ آنکھوں کے امراض کے ماہر تھے۔ ۱۹۰۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت کی۔ ۱۹۲۱ء میں عدم تعاون کی تحریک میں حصہ لیا۔ اور دوبارہ قید کی سزا پائی۔ بعد ازاں ہندومہاسبھا میں شامل ہو گئے اور ۱۹۲۶ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر مونجے نے ہریجنوں کی نمائندگی کے بارے میں ایک سمجھوتہ ان کے رہنما ایم۔سی۔راجا کے ساتھ کیا جو مونجے راجا سمجھوتے کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۹۳۷ء میں ہندو ملٹری ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی اور ناسک کے قریب بھونسلے ملٹری اسکول کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر مونجے نے ۳/مارچ ۱۹۴۸ء کو ناگپور میں وفات پائی۔ ڈاکٹر مونجے کا مؤقف یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان یا ہندو بن کر رہیں یا عرب چلے جائیں۔ مآخذ: مظفر حسین برنی (مرتب) ''کلیاتِ مکاتیب، سوم'' ص:۹۸۹، ۹۹۰۔

۵۔ پنڈت مالوی: (مدن موہن مالویہ)، (۱۸۶۱ء۔۱۹۴۶ء)، اِلٰہ آباد میں ۲۵/دسمبر ۱۸۶۱ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں میٹرک پاس کیا اور میور سینٹرل کالج اِلٰہ آباد سے ۱۸۸۴ء میں بی۔اے کی ڈگری لی۔ ۱۸۹۱ء میں ایل۔ایل۔بی کا امتحان پاس کیا۔ اور ۱۸۹۳ء میں اِلٰہ آباد ہائی کورٹ میں

وکیل ہو گئے۔ اگرچہ پنڈت مالویہ کانگریس کے زبردست حامی تھے تاہم انھوں نے ۱۹۰۶ء میں ہندو مہا سبھا قائم کی اور تین بار اس کے صدر رہے۔ ان کا انتقال ۱۹۴۶ء میں ہوا۔

مآخذ: رئیس احمد جعفری: ''دید و شنید''، ص: ۱۹۷۔۱۹۹

۶ یہ بڑا ہولناک فساد تھا۔ جو بمبئی کے پٹھانوں کے خلاف ہوا تھا۔ ہندوؤں کو شُبہ ہو گیا تھا کہ پٹھان ہندو بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ اس خون ریزی میں پٹھانوں کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ مولانا شوکت علی نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر پٹھانوں کو بچایا۔

(ب۔ا۔ڈار، ص: ۲۰۹)

بنام خواجہ عبدالوحید

تعارف:

خواجہ عبدالوحید، خواجہ کریم بخش کے بیٹے اور خواجہ عبدالحمید مؤلف ''جامع اللغات'' کے چھوٹے بھائی تھے۔ خواجہ صاحب ۳ر جنوری ۱۹۰۱ء کو لاہور میں ایک مکان ''للّی لاج'' میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک یہ مکان لاہور کا سب سے اہم تہذیبی اور ادبی و علمی مرکز تھا۔ اس مکان میں ہر شام منعقد ہونے والے اجتماعات میں علاّمہ اقبال، سر عبدالقادر، مولانا ظفر علی خان، سر شہاب الدین، مولوی احمد دین اور مولوی انشاء اللہ خان تواتر سے شریک ہوتے تھے۔

مرّوجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ خواجہ صاحب نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے تفسیر کا باقاعدہ درس لیا۔ علومِ قرآنی اور اصولِ تفسیر پر انھیں مکمل عبور حاصل تھا۔ خواجہ صاحب نے کم و بیش تیس برس برصغیر کے مشاہیر کی کتابوں اور ڈاکٹریٹ کے مقالوں پر نظرِ ثانی کا کام کیا۔ منجملہ اور کتابوں کے انھوں نے عبداللہ یوسف علی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے انگریزی تراجم کی تصحیح بھی کی۔

۱۹۲۸ء میں خواجہ صاحب نے ''اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس کی دعوت پر خالدہ ادیب خانم، مفتی اعظم فلسطین اور غازی حسین روف لاہور تشریف لائے۔ اس ادارے کے سرپرست اعلیٰ اقبال تھے۔ پہلا ''یومِ اقبال'' اقبال کی حیات ہی میں ۱۹۳۲ء میں اسی ادارے کے زیرِ اہتمام خواجہ صاحب نے منانے کا اہتمام کیا تھا۔ ۱۹۳۴ء میں

انجمن خدام الدین نے پندرہ روزہ انگریزی اخبار ''اسلام'' جاری کیا۔علّامہ اقبال کا مشہور مقالہ "Islam and Qadianism" اسی اخبار کے ۲۲/جنوری ۱۹۳۶ء کے شمارے میں پہلی بار شائع ہوا۔ پندرہ روزہ ''اسلام'' کے تمام ایڈیٹوریل اقبال کے مشورے سے لکھے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں خواجہ صاحب کراچی منتقل ہو گئے۔

خواجہ صاحب نے ۱۹۲۴ء میں سرکاری ملازمت کا آغاز کیا اور وزارتِ اطلاعات سے ۱۹۶۰ء میں ریٹائر ہوئے۔اس کے بعد اقبال اکیڈمی کراچی اور پی ای سی ایچ کالج کراچی قابلِ ذکر ہیں۔قرآنی خدمات کے سلسلے میں ایک اہم کام ''تبویب القرآن'' کی تالیف ہے۔اگست ۱۹۷۹ء میں انتقال ہوا اور کراچی میں آسودۂ خاک ہیں۔

مآخذ: عبدالوحید خواجہ (مؤلف): ''موضوعاتِ قرآن اور انسانی زندگی''، ص: ع، ص، ق

(۱۵۴)

فروری/ مارچ[i] ۱۹۳۴ء

جنابِ خواجہ صاحب

ابھی تک جواب نہیں [آیا] مگر امید ہے کہ آج شام تک آجائے گا اور اگر انھوں نے تار کی جگہ خط لکھا تو کل صبح جواب ملے گا۔اس کے علاوہ ڈاکٹر انصاری[۱] کا تار ابھی آیا ہے کہ دہلی آکر رؤف[۲] پاشا کے لیکچر کی صدارت کروں۔ یہ لیکچر ۴، ۶، ۸ مارچ کو ہوں گے۔مَیں ان کے لیکچر کی صدارت کے لیے جاؤں گا مگر واپس آنے کی جواب آنے کے بعد تاریخ مقرر کر سکوں گا۔ آپ آج شام کو پھر دریافت کریں تو شاید مَیں کوئی مستقل جواب دے سکوں۔

محمدؐ اقبالؔ

تحقیقِ متن:

i مذکورہ تاریخ صابر کلوروی صاحب کی متعین کردہ ہے۔عکس میں یہ خط بلا تاریخ ہے۔(''اشاریہ مکاتیب''، ص:۹۱) (دیکھیے عکس)

حواشی و تعلیقات:

۱ دیکھیے خط نمبر ۸۲، تعلیقہ نمبر ۲

۲ے ''رؤف پاشا'' ۱۸۸۱ء میں بمقام استنبول پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد مظفر پاشا کا عثمانی بحریہ سے تعلق تھا۔ چنانچہ رؤف پاشا کو بھی بحریہ کی تربیت دی گئی' اس سے فراغت پانے کے بعد وہ جہاز 'حمیدیہ' پر مامور ہوئے۔ جنگِ بلقان میں ان کو 'حمیدیہ' کا سالار مقرر کیا گیا۔ آپ انجمن اتحادِ ترقی کے سرگرم رکن اور مصطفیٰ کمال پاشا کے ساتھیوں میں سے تھے۔ ۱۹۲۲ء میں وزارت انگورہ کا انتخاب از سرِ نو عمل میں آیا تو وزارت عظمیٰ کا اہم منصب آپ کے حصے میں آیا۔ اس کے دو ماہ بعد رؤف بے کو پاشا کے سب سے بڑے خطاب سے نوازا گیا' لیکن وہ اتاترک کے مغرب پسندانہ اقدامات میں زیادہ دنوں تک ساتھ نہ دے سکے اور حکومت سے الگ ہو گئے' بالآخر انھیں جلاوطن ہو جانا پڑا اور ایک عرصے تک پیرس میں مقیم رہے۔

۱۹۳۳ء میں جامع ملّیہ اسلامیہ نے دہلی میں توسیعی خطبات کا سلسلہ شروع کیا اور اعلان کیا کہ اس کی ابتدا غازی رؤف پاشا کی تقریر سے کی جائے گی۔ غازی رؤف پاشا کی تقاریر کی صدارت کے لیے اقبالؔ کا نام تجویز ہوا چنانچہ ۱۸/ مارچ ۱۹۳۳ء کو اقبالؔ' ڈاکٹر انصاری کی دعوت پر جامعہ ملیہ میں رؤف بے کے دو خطبوں کی صدارت کے لیے دہلی پہنچے۔ رؤف بے نے وطنیت اور اتحاد اسلامی کے موضوع پر اپنا خطبہ پڑھا۔ بعدازاں اقبال نے بحیثیت صدر جلسہ انگریزی میں ایک طویل تقریر کی۔ آخر میں اپنی معروف نظم ''مسجدِ قرطبہ'' (جو اس وقت غیر مطبوعہ تھی) کا آخری بند سنایا۔ ۲۰/ مارچ ۱۹۳۳ء کو رؤف بے کے دوسرے توسیعی لیکچر کے لیے اجلاس کی صدارت پھر اقبالؔ نے کی۔ خطبے کا موضوع جنگِ عظیم تھا۔ رؤف پاشا ہندوستان کی سیاحت کے بعد وطن واپس پہنچے تو انھیں وزارت بحریہ کا نگران مقرر کیا گیا' کچھ دنوں اس عہدے پر فائز رہنے کے بعد خرابی صحت کی بنا پر کنارہ کشی اختیار کر لی اور بالآخر طویل بیماری کے بعد ۷/ جولائی ۱۹۶۴ء کو انتقال کر گئے۔

مآخذ: ۱) رئیس احمد جعفری: ''دید و شنید'' ص: ۴۶۔۴۸

۲) فیوض الرحمٰن' ڈاکٹر: ''معاصرینِ اقبال'' ص: ۳۴۰

۳) جاوید اقبال' ڈاکٹر: ''زندہ رود...... حیاتِ اقبال کا اختتامی دور'' ص: ۵۶۶' ۵۶۷۔

بنام پروفیسر علم الدین سالکؔ

تعارف:

مولانا علم الدین سالکؔ باغبانپورہ (لاہور) کے قریب بستی سلامت پورہ میں یکم جنوری ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۲۲ء تک مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کر لیے اور پھر تحریکِ خلافت کے خاتمے پر ۱۹۲۴ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے بی۔اے کر لیا۔ ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ یونی ورسٹی سے پرائیویٹ طور پر فارسی میں ایم۔اے کیا اور اسلامیہ کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔

۱۹۲۲ء میں سالکؔ صاحب نے ایک ادارہ ''دارالعلوم السنہ شرقیہ'' کے نام سے قائم کیا اور اس کے بانی اور اعزازی پرنسپل کی حیثیت سے ۱۹۲۹ء تک فرائض انجام دے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۵۸ء تک پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج میں ایم۔اے فارسی کی کلاسوں کو پڑھایا۔ ۱۹۶۷ء میں سالک صاحب اسلامیہ کالج سے بطور وائس پرنسپل ریٹائر ہوئے لیکن ۱۹۷۱ء میں پھر اسلامیہ کالج لاہور کینٹ میں پرنسپل ہو گئے۔ ۲۷؍جولائی ۱۹۷۳ء کو انتقال کیا۔ اقبالؔ سے ان کا گہرا ربط تھا۔ وہ اقبالؔ کے ایک سیاسی رفیق اور بے لوث کارکن تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک تحریک آزادیِ کشمیر کا ہر مرحلے پر ساتھ دیا اور اس تحریک کے دستۂ ہراول کے سالارِ اول تھے۔ ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اقبالؔ نے انھیں ''اعزازی کشمیری'' اور ''اعزازِ کشمیر'' کے القابات سے نوازا تھا۔ جب اقبالؔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر تھے تو انھیں مولانا سالکؔ پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ کشمیر کے بارے میں کوئی بیان جاری کرنے سے پہلے مولانا سے تبادلۂ خیال ضروری سمجھتے تھے۔ سالکؔ صاحب نے افسانے اور ڈرامے بھی لکھے۔ بعد میں ان کا رجحان تحقیق و تنقید کی طرف ہو گیا۔

مآخذ: ۱) مظفر حسین برنی (مرتب) ''کلیاتِ مکاتیب، سوم''، ص: ۸۳۱، ۸۳۲؛

۲) روزنامہ ''جنگ''، راولپنڈی ۵؍اگست ۱۹۷۳ء؛

۳) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر ''وے صورتیں الٰہی''، ص: ۱۸۴۔۱۸۷

(۱۵۵)

۸؍جون ۳۳ء

جناب پروفیسر صاحب

وہ مسودہ[1] ابھی تک نہیں آیا۔ میں اس کا منتظر ہوں تا کہ ڈیپوٹیشن جانے سے پہلے اس کی اشاعت ہو جائے۔

محمد اقبالؔ

حواشی و تعلیقات:

[1] یہ خط کشمیر کے معاملات سے متعلق ہے۔ اقبالؔ کشمیر کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے کشمیر کے معاملات کے متعلق ایک بیان جاری کرنا چاہتے تھے، جس کا مسوّدہ تیار کرنے کے لیے پروفیسر سالکؔ سے کہا گیا تھا۔ (''روحِ مکاتیبِ اقبالؔ''، ص:۴۶۳)

بنام مرزا یعقوب بیگ

تعارف: ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ ۱۶؍اپریل ۱۸۷۲ء کو کلانور (ضلع گورداسپور) میں پیدا ہوئے۔ آپ مرزا نیاز بیگ رئیس کلانور کے تیسرے فرزند تھے۔ ابتدائی تعلیم قصبہ قصور (ضلع لاہور) اور اس کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول امرتسر میں حاصل کی۔ انٹرنس کے بعد میڈیکل کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۷ء میں ڈاکٹر کا آخری امتحان پاس کیا، اس کے علاوہ آپ نے پرائیویٹ طور پر غالباً کلکتہ یونی ورسٹی یا الٰہ آباد یونی ورسٹی سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ جون ۱۸۹۸ء میں ایچی سن چیفس کالج لاہور میں سائنس ماسٹر مقرر ہوئے۔ میو ہسپتال لاہور میں ہاؤس سرجن مقرر ہوئے۔ میڈیکل سکول لاہور میں پروفیسر اناٹومی اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں سینئر ڈیمانسٹریٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب ۵؍فروری ۱۸۹۲ء کو مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت میں داخل ہوئے، اور آخری عمر تک جوشِ تبلیغ جاری رکھا۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۴ء تک صدر انجمن احمدیہ کے معتمد کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ ۱۹۱۴ء میں مولانا نورالدین کی وفات کے بعد جماعت کے دو فریق بن گئے۔ مئی ۱۹۱۴ء میں احمدیہ انجمن اشاعت الاسلام کی بنیاد ڈالی گئی اور ۳؍مئی ۱۹۱۴ء کو معتمدین کا پہلا اجلاس ہوا۔ مرزا یعقوب جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے ۱۲؍فروری ۱۹۳۲ء کو وفات پائی۔ مآخذ: مسعود بیگ مرزا: ''آئینہ صدق وصفا''، ص:۳۔۷۷

(۱۵۶)

۱۲ر ستمبر ۳۳ء

جناب مرزا صاحب

آپ کا دستی خط ابھی ملا ہے۔ اس وقت تک مجھے کوئی اطلاع نہ تھی۔ ہاں اخباروں میں ضرور دیکھا تھا کہ آپ کا کوئی جلسہ لورینگ[۱] ہوٹل میں ہوا ہے۔ آپ کے خط کے ساتھ مہرؔ صاحب[۲] کا ایک خط ملا' جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ۱۶ر ستمبر سے پہلے جواب دیا جائے۔ افسوس ہے کہ مَیں ان کے خط کا جواب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں ان کا خط پیش کرنے کے بغیر عرض نہیں کر سکتا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس ۱۶ر ستمبر تک ممکن نہیں کیونکہ بہت سے ممبران لاہور سے باہر ہیں۔ دونوں سکیرٹری بھی باہر ہیں۔ رحیم بخش[۳] صاحب بھی یہاں نہیں ہیں۔ مَیں اپنی ذمہ داری پر کوئی جواب لکھنا نہیں چاہتا۔ ہاں ذاتی رائے رکھتا ہوں جس کے بیان کرنے کا موقع ابھی نہیں آیا۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ

مہربانی کر کے یہ خط مہرؔ صاحب تک پہنچا دیں کہ ان کے خط کا جواب بھی یہی ہے جو اِدھر مذکور ہوا۔

محمدؐ اقبالؔ

حواشی وتعلیقات:

۱ ۱۹۳۱ء کے آخری مہینوں میں کشمیر میں فسادات کا ایک بے پناہ سلسلہ شروع ہوا۔ مجلسِ احرار نے عملی مظاہرے شروع کیے۔ دوسری طرف ایک علیحدہ کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا مقصد آئینی ذرائع سے مسلمانانِ کشمیر کی مدافعت تھی۔ اس سلسلے میں اس کمیٹی نے مسلمان سیاسی قیدیوں کی قانونی مدد کے لیے وکلا کو کشمیر بھیجنا شروع کیا۔ اس کمیٹی کے صدر مرزا بشیرالدین محمود تھے۔ کشمیر کمیٹی کے اکثر اجلاس لورینگ ہوٹل میں ہوتے تھے۔ جو مال روڈ پر واقع تھا۔

مآخذ: ۱) محمد احمد خان: ''اقبالؔ کا سیاسی کارنامہ''، ص: ۴۱۵-۴۲۳

۲) محمد رفیق افضل (مرتب): گفتارِ اقبالؔ''، ص: ۱۷۳-۱۷۷

۲؎ دیکھیے خطوط بنام غلام رسول مہر
۳؎ رحیم بخش مرحوم ریٹائرڈ سیشن جج تھے جو کشمیر کے معاملات میں بہت دل چسپی رکھتے تھے۔ (''انوار''، ص:۲۱۱)

بنام نواب بہادر یار جنگ

تعارف:

محمد بہادر خاں جو بعد میں نواب بہادر یار جنگ کے نام سے مشہور ہوئے' ۲۸ر فروری ۱۹۰۵ء کو بمقام کوسہ واڑی بیگم بازار' حیدر آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ اور مفید الانام میں ہوئی۔ پندرہ سال کے تھے کہ قومی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا تو انگریزی سامراج اور یونانیوں کے مظالم کے خلاف مظلومینِ سمرنا کی امداد کے لیے فنڈ جمع کرنے میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۳۱ء میں حج و زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔ واپسی کے بعد حیدر آباد کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے مجلس سے وابستگی اختیار کی اور ۱۹۳۲ء۔۱۹۳۵ء تک ریاست میں ایک پُر زور تحریک چلائی۔ آپ ایک بے مثال خطیب تھے۔ ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ حیدر آباد میں فرقہ وارانہ فساد میں دو نوجوان پٹھانوں کو قتل کر دیا گیا تو مسلمان جلوس کی شکل میں نکل پڑے۔ اس سے قبل حیدر آباد میں کبھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا تھا۔ نواب صاحب نے اس مجمعے کو آدھے راستے میں جا لیا اور دو گھنٹے کی تقریر کی۔ بالآخر جلوس منتشر ہو گیا' جو کام پولیس کے دستے نہ کر سکے وہ نواب بہادر یار جنگ کی خطابت نے کر دیا۔ وہ کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ جب نظام (حیدر آباد) نے فرمان جاری کیا کہ خطاب یافتہ جاگیرداروں کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تو نواب صاحب نے اپنے خطاب اور جاگیرات ۳ر مارچ ۱۹۴۴ء کو واپس کر دیں۔ نواب بہادر یار جنگ شاعر بھی تھے اور خلیقؔ تخلص فرماتے تھے۔ ۲۵ر جون ۱۹۴۴ء کو نسبتاً کم عمری میں انتقال فرما گئے۔ نواب صاحب کو اقبالؔ سے خاص عقیدت تھی۔ ان کی فکر و نظر کا ایک سر چشمہ کلامِ اقبالؔ تھا۔ ۱۹۳۳ء میں اقبالؔ نے پہلی بار' بہادر یار جنگ کو بذریعہ خط مخاطب فرمایا:

مآخذ: ۱) نظر حیدر آبادی: ''اقبال اور حیدر آباد''، ص: ۲۲۲' ۲۲۷

۲) محمد ایوب قادری، ڈاکٹر: ''کاروانِ رفتہ''، ص:۶۸۔۷۱

۳) "Muslims in India, A Biographical Dictionary Vol: I", P:116

(۱۵۷)

لاہور ۱۴ ستمبر ۳۳ء

مخدومی جناب نواب صاحب۔ السلام علیکم

مظلومینِ کشمیر[۱] کی امداد کے لیے آپ سے درخواست کرنے کے لیے یہ عریضہ لکھتا ہوں۔ اسوقت حکومت کی طرف سے ان پر متعدد مقدمات چل رہے ہیں جن کے اخراجات کی وجہ سے فنڈ کی نہایت ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی تھوڑی سی توجہ سے یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ایک خط مجھے ایک بزرگ محمد اعظم نامی نصیر والہ عمان آباد کی طرف سے آیا تھا۔ انھوں نے نے خود بھی چندہ[i] کر کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اور مجھے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کی توجہ اس طرف منعطف کروں[ii]۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ کشمیر کو امداد کا مستحق تصور کرتے ہیں۔ یہ طباع اور ذہین قوم ایک مدت سے استبداد وظلم کا شکار ہے۔ اس وقت مسلمانانِ ہند کا فرض ہے کہ ان کی موجودہ مشکلات میں ان کی مدد کی جائے۔

زیادہ کیا عرض کروں اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ یہ خط خلیفہ عبدالحکیم[۲] صاحب پروفیسر عثمانیہ[۳] یونی ورسٹی کی معرفت آپ تک پہنچاتا ہوں۔ مجھے آپ کا ایڈریس معلوم نہ تھا اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ میرا خط کسی اور طرف نہ چلا جائے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

تحقیقِ متن:

i انوار = چیدہ۔ ii انوار = اس طرف کراؤں (دیکھیے عکس)

حواشی وتعلیقات:

۱ دیکھیے خط نمبر ۱۵۶، تعلیقہ نمبر ۱

۲؎ خلیفہ عبدالحکیم (۱۸۹۵ء۹/اگست ۱۹۵۹ء) لاہور میں پیدا ہوئے۔ لاہور اور دہلی میں تعلیم مکمل کر کے ہائیڈل برگ (جرمنی) گئے اور پی۔ ایچ۔ ڈی (فلسفہ) کی ڈگری لی۔ واپس آ کر جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) میں صدر شعبۂ فلسفہ مقرر ہو گئے۔ آخر میں کئی سال ڈین آف دی فیکلٹی آف دی آرٹس کے مرتبے پر فائز رہے۔ مدتِ ملازمت پوری کر کے پنشن لی۔ بعد ازاں سری نگر کالج کے پرنسپل رہے۔ آزادیٔ پاکستان کے بعد ''ادارہ ثقافتِ اسلامیہ'' (لاہور) کے ناظم مقرر کیے گئے۔ یہاں انھوں نے اسلامی فلسفے اور اسلامی نظریات پر متعدد کتابیں لکھیں اور لکھوائیں۔ ادبی، علمی اور دینی مجلسوں سے گہری وابستگی تھی۔ اہم تصانیف میں: ''فکرِ اقبالؔ''، ''افکارِ غالبؔ''، ''اقبال اور مُلّا''، ''مابعدالطبعیاتِ رومیؔ'' شامل ہیں۔

مآخذ: ۱) ''ناموارانِ علی گڑھ (تیسرا کارواں، جلد اوّل)'' ص: ۲۰۵۔۲۱۶،

۲) وَلےصورتیں الٰہی'' ص: ۲۴۳۔۲۴۶

۳) زاہد حسین انجم: ''ہمارے اہل قلم''، ص: ۳۳۰

۴) ممتاز اختر مرزا: ''ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ سوانح اور علمی وادبی خدمات'' ص: ۵۔۴۳

۳؎ دیکھیے خط نمبر ۹۵، تعلیقہ نمبر ا

بنام جناب نصراللہ خاں

تعارف:

برصغیر کے مشہور صحافی اور صاحب طرز کالم نگار......ریاست جاورہ (بھارت) میں ۱۱/نومبر ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں امرتسر آ گئے اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں آگرہ یونی ورسٹی سے بی۔ اے اور بی۔ ٹی کی اسناد حاصل کیں۔ ۱۹۴۷ء میں ناگپور یونی ورسٹی سے ایم۔ اے (اُردو) کیا۔ اسی سال کراچی آئے۔ آپ کراچی کے مشہور تعلیمی ادارے پپی ڈیل اسکول کے آپ بانیوں میں سے ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہوئے۔ اس کے لیے بے شمار فیچر، ڈرامے اور دیگر پروگرام لکھے۔ ''دیکھتا چلا گیا'' ان کا مقبول ترین پرگروام تھا۔ زمانۂ طالب علمی ہی میں صحافت کی تربیت مولانا ظفر علی خاں سے حاصل کی اور ان کے اخبار ''زمیندار'' میں کام کیا۔ ۱۹۳۸ء میں مضطر ہاشمی کے اشتراک سے لاہور سے روزنامہ ''نقاد'' جاری کیا۔ ایک عرصے تک روزنامہ ''احسان'' (لاہور) ''امروز'' (کراچی)

اور ''جنگ'' (کراچی) میں کالم نگاری کی۔ ۱۹۶۱ء میں روزنامہ ''حرّیت'' (کراچی) جاری ہوا تو اس کے پہلے شمارے سے کالم لکھنا شروع کیا۔ اخباری کالموں کا انتخاب ''بات سے بات'' کے نام سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ شخصی خاکوں کا مجموعہ ''کیا قافلہ جاتا ہے'' شائع ہو چکا ہے۔

مآخذ: ۱) نصر اللہ خان: ''کیا قافلہ جاتا ہے (فلیپ)''، ۱۹۸۴ء

۲) راغب مراد آبادی (مرتّب) خطوطِ جوش ملیح آبادی'' ص: ۲۳۷، ۲۳۸

(۱۵۸)

لاہور

۵/ اگست ۳۶ء

جنابِ من۔ السلام علیکم

اپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ افسوس کہ مَیں ابھی تک علیل ہوں۔ اگر چہ پہلے کی نسبت کسی قدر افاقہ ہے۔ عام صحت کسی قدر بہتر ہو گئی ہے مگر آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ اسمبلی کے آیندہ انتخابات میں حصہ لینے کی نہ ہمت[i] ہے نہ ارادہ۔ والسلام[ii]

محمد اقبال

تحقیق متن:

i انوار= تمنّا۔ ii ''انوار'' میں ''والسلام'' نہیں ہے۔ اس خط کا عکس ماہنامہ ''کائنات'' امرتسر میں جولائی ۱۹۳۸ء کے شمارے میں شائع ہوا' اور اس پر لکھا ہے 'مرسلہ نصر اللہ خاں جرنلسٹ' رکن ادارہ زمیندار لاہور'' (کلیاتِ مکاتیب' چہارم' ص: ۳۷۳)

بنام نور حسین

تعارف:

نور حسین اقبال کے مدّاح و عقیدت مند تھے۔ انھوں نے اقبال کے نام اپنے خط میں یہ خواہش ظاہر کی اگر روزگار کا انتظام ہو سکے تو وہ لاہور میں آ کر مقیم ہو جائیں اور اس طرح اقبال کی

صحبت سے مستفید ہوسکیں۔ جناب نورحسین نے لاہور کو ''مدینہ محمد اقبالؔ'' کا نام دیا ہے۔

(۱۵۹)

لاہور

۱۷/مارچ ۳۷ء

جنابِ من

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔ میں خرابیِ صحت اور کمزوریِ بصارت کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتا۔ اس واسطے ایک دوست (سے) خط کا جواب لکھوا رہا ہوں۔ معاف کیجیے۔

افسوس ہے کہ شہر لاہور میں آپ کے لیے کوئی صورت گزارا ہو جانے کے متعلق میں کوئی اُمید آپ کو نہیں دِلا سکتا۔ یہاں کے سیکڑوں تعلیم یافتہ نوجوان بے کار پھر رہے ہیں۔ سرکاری ملازمت کا دروازہ عملاً بند ہے اور پرائیویٹ ملازمت تجارت کی کساد بازاری کی وجہ سے قریباً ناممکن ہوگئی ہے۔ ایسی حالت میں مَیں آپ کو لاہور کی طرف رخ کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ مَیں ذاتی تجربے کی بِنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو لوگ لاہور میں ملازمت کی تلاش میں آتے ہیں ان کو بے اندازہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

باقی رہے آپ کے خواب[۱] سو عرض یہ ہے کہ مَیں فنِ تعبیر میں کوئی ملکہ نہیں رکھتا۔ البتہ عام مسلمانوں کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ حضورِ رسالت مآبؐ کی زیارت خیر و برکت کا باعث ہے۔ گزشتہ دس پندرہ سال سے میں کئی لوگوں نے مجھ سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے حضور رسالت مآبؐ کو جلالی رنگ میں یا سپاہیانہ لباس میں خواب میں دیکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ علامت احیاے اسلام کی ہے۔

والسلام
محمد اقبالؔ

تحقیقِ متن:

اس خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی وتعلیقات:

۱ جناب نور حسین نے اپنا یہ خواب اقبالؔ کو تحریر کر کے اس کی تعبیر دریافت کی تھی:

''بندہ گنبدِ خضرا کے اندر پالتی مار کر بیٹھا ہے۔حضورؐ مقبرے کے چبوترے پر بیٹھے ہیں' چہرہ خوفناک ہے' آنکھیں ماتھے پر ہیں' خوف اور کراہت ہو رہی ہے۔تھوڑی دیر بعد صورت منقلب ہوتی ہے۔چہرہ مبارک نورانی' داڑھی نصف سیاہ نصف سفید ہے۔رات کی جگہ دن ہے۔ پھر صورت منقلب ہوتی ہے۔چہرہ بہت نورانی ہے۔تیس بتیس کا سن ہے۔سر پر بال بڑے رکھتے ہیں۔داڑھی چھوٹی چھوٹی سیاہ۔پھر چوتھی حالت پیدا ہوگئی ہے۔آپؐ کا سن ۱۸'۱۹ سال کا ہے۔ سبزہ آغاز نوجوان ہیں۔بندہ نے حضرت اقبالؔ کے کلام سے پڑھنا شروع کیا ہوا ہے...... جوں ہی اقبالؔ کے کلام سے بندہ نے شعر پڑھا تو آپ نے بھی حضرتِ علاّمہ کے کلام کو اسی طرح پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ بندہ اور آنحضرتؐ بالکل آمنے سامنے جیسے استاد شاگرد یا دوست دوست حضرت علاّمہ اقبالؔ کے کلام کو دہراتے اور داد دیتے ہیں۔سرور کا وہ عالم ہے جس کی کیفیت تحریر میں نہیں آ سکتی''۔(ب۔ا۔ڈا'ص:۲۱۶)

بنام ظفر احمد صدیقی

تعارف:

پروفیسر ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی ۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ایم۔اے فلسفہ کا امتحان ۱۹۳۵ء میں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے پاس کیا اور پھر اسی یونی ورسٹی سے فلسفہ میں پی۔ایچ۔ڈی کی سند حاصل کی' ان کے تحقیقی مقالہ کا موضوع ''فلسفۂ ابنِ طفیل'' تھا۔ظفر احمد نے ملازمت کا آغاز ۱۹۳۹ء میں مجیدیہ اسلامیہ کالج اِلٰہ آباد میں فلسفے کے لیکچرار کی حیثیت سے کیا۔ ۱۹۴۵ء تک اسی کالج میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔۱۹۴۵ء میں اسلامیہ کالج اٹاوہ کے پرنسپل مقرر ہوئے اور ۱۹۴۷ء تک اس منصب پر فائز رہے۔۱۹۴۷ء میں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ فلسفہ میں لیکچرار کی حیثیت سے درس وتدریس کا آغاز کیا اور پھر ریڈر ہوئے اور پروفیسر بنے' شعبہ فلسفہ کے صدر مقرر ہوئے اور فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

علی گڑھ یونی ورٹسی کے ماحول اور ذاتی کوشش و کاوش نے ان کے علمی وادبی ذوق کی جلا بخشی۔۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۵ء علی گڑھ میگزین کے مدیر رہے۔۱۹۳۸ء میں رسالہ ''اقبال'' جاری کیا۔جو ۱۹۴۰ء تک شائع ہوتا رہا۔شاعری سے بھی شغف رہا۔کلام کا مجموعہ ''فکر ونظر'' شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر ظفر احمد نے اقبالیات پر وقیع اور معیاری کام کیا ہے۔اس سلسلے میں ''مثنوی پس چہ باید کرد'' کا منظوم اُردو ترجمہ ''حکمتِ کلیمی'' کے نام سے ۱۹۵۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا۔اقبال پر ان کے فاضلانہ خطبات کا مجموعہ ''اقبال......فلسفہ اور شاعری'' کے نام سے ۱۹۷۵ء میں طبع ہوا۔

مآخذ:۱) مجلّہ ''اقبال'' جولائی ۱۹۸۸ء ص:۱۶۵۔۱۶۹

۲) افتخار احمد صدیقی' ڈاکٹر:''فروغ اقبال'' ص:۱۱۴

(۱۶۰)

لاہور ۱۲ر دسمبر ۳۶ء

جناب من۔ا۔معترض[1] قادیانی معلوم ہوتا ہے ار یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ[1] قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہے علیٰ ہذا القیاس اسلامی تصوف میں مسئلہ خودی کی تاریخ اور نیز میری تحریروں سے ناواقف محض ہے۔موخر الذکر صورت میں مَیں اسے معذور جانتا ہوں۔آخر اس غلامی کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس کون سا ذریعہ ہے جس سے وہ اپنی آیندہ نسلوں کو اسلامی تصورات کے بننے اور بگڑنے کی تاریخ سے آگاہ کر سکیں۔غلام قومیں مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور جب اِن میں خوے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتے ہیں جس کا مقصد قوتِ نفس اور روحِ انسانی کا ترفع ہو۔

۲۔ اعتراض کا جواب آسان ہے' دینِ اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدے کی رُو سے ہر شے پر مقدم ہے نفسِ انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود معین کرتا ہے۔ان حدود کے متعین کرنے کا نام اصطلاحِ اسلام میں شریعت یا قانونِ الٰہی ہے۔خودی خواہ مسولینی[2] کی ہو خواہ ہٹلر[3] کی قانونِ الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔مسولینی نے

حبشہ کو محض جوع الارض کی تسکین کے لیے پامال کیا[۴]۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں دوسری صورت میں قانونِ الٰہی و اخلاق کی پابند ہے۔ بَہر حال حدودِ خودی کے تعین کا نام شریعت ہے۔ اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکامِ الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیہ اسلام نے فنا کہا ہے بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے۔ لیکن ہندی اور ایرانی صوفیہ میں سے اکثر نے مسئلہ فنا کی تفسیر فلسفہ وہ یدانت[۵] اور بُدھ مت[۶] کے زیر اثر کی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے عقیدے کی رُو سے یہ تفسیر بغداد[۷] کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی اور ایک معنی میں مری تمام تحریریں اس تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔

۳۔ معترض کا یہ کہنا کہ اقبالؔ اس دورِ ترقی میں جنگ کا حامی ہے غلط ہے۔ مَیں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کی حدودِ معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہوسکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جبکہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے۔ مسلمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے۔ (نہ حکم) دوسری صورت میں جس میں جہاد کا حکم ہے ۹:۹۴[۸] میں بیان ہوئی ہے ان آیات کو غور سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ چیز جس کو سیمویل[۹] ہور جمعیت اقوام[۱۰] کے اجلاس میں Collective Security[۱۱] کہتا ہے قرآن نے اس کا اصول کس سادگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے اگر گزشتہ زمانے کے مسلمان مدبرین اور سیاسئین قرآن پر تدّبر کرتے تو اسلامی دنیا میں جمعیت اقوام کو بنے ہوئے آج کئی صدیاں گزر گئی ہوتیں۔ جمعیت اقوام جو زمانہ حال میں بنائی گئی ہے اور اس کی

تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانونِ الٰہی کی پابند نہ ہو امنِ عالم کی (کوئی) سبیل نہیں نکل سکتی۔ جنگ کی مذکورہ بالا دوصورتوں کے سوا مَیں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لیے جنگ کرنا دین اسلام میں حرام ہے علیٰ ہذاالقیاس دین کی اشاعت کے لیے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔

۴۔ شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں ہے۔اس جانور میں اسلامی فقر کے تمام خصوصیات پائے جاتے ہیں۔(۱) خُوددار و غیرت مند ہے کہ اور کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔(۲) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا۔(۳) بلند پرواز ہے (۴) خلوت پسند ہے (۵) تیز نگاہ ہے۔

آپ کے خط کا جواب حقیقت میں طویل ہے لیکن افسوس کہ مَیں طویل خط لکھنا تو درکنار معمولی خط و کتابت سے بھی قاصر ہوں۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ

تحقیق متن:

i ''انوار'' اور ''اقبالنامہ'' اول' (ص:۲۰۱۔۲۰۵) کے متن میں یہ جملہ محذوف ہے۔عکس ناقص ہے اور چونکہ اصل مکتوب دستیاب نہیں تھا اس لیے یہ عبارت اندازے سے لکھی گئی تاہم مفہوم یہی ہے اور یہ اندازہ جناب ظفر احمد صدیقی کے ۶/۱اکتوبر ۱۹۸۷ء کے خط کی روشنی میں قائم کیا گیا ہے اور جناب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے بھی ایک ملاقات میں اس بات کی تصدیق کی ہے' جناب ابواللیث صدیقی اس زمانے میں علی گڑھ میگزین کے مدیر تھے۔ جب یہ خط پہلی مرتبہ علی گڑھ میگزین میں شائع ہوا تھا۔ان کا کہنا یہ ہے کہ اس زمانے کے حالات کے پیشِ نظر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر کی ہدایت پر یہ عبارت حذف کی گئی تھی۔ بہر حال اقبالؔ کا اندازہ درست نہیں تھا۔اصل معترض پروفیسر ڈاکٹر عبدالعلیم تھے جو قادیانی بہر حال نہیں تھے۔

(مجلّہ: ''اقبال'' جولائی ۱۹۸۸ء ص:۱۷۶۔۱۷۷)

حواشی و تعلیقات:

۱ ظفر احمد صدیقی کے ایم۔اے کے زمانۂ طالب علمی میں علی گڑھ یونی ورسٹی کے شعبہ اُردو

میں ایک انجمن ''اُردوئے معلّٰی'' قائم ہوئی تھی۔ انجمن کے اجلاس میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کے علاوہ، پروفیسر عبدالعلیم اور پروفیسر ظفر احمد صدیقی بھی شریک ہوتے تھے۔ پروفیسر عبدالعلیم ترقی پسندوں کی ترجمانی کرتے' اور ظفر احمد صدیقی اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے بات کرتے تھے۔ ایسی ہی ایک بحث کے دوران میں پروفیسر عبدالعلیم نے اقبالؔ کی شاعری اور فلسفہ پر اعتراضات کیے۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے جوابات دیے اور اس بحث کی روشنی میں ایک نظم (نذرِ اقبالؔ''انوار''ص:۲۲۰۔۲۲۲) بھی لکھی۔

مآخذ: افتخار احمد صدیقی' ڈاکٹر:''فروغ اقبالؔ''ص:۱۱۴'۱۱۵

۲؎ بنی ٹو مسولینی (Mussolini Benito): اطالیہ کے صوبے فارلی کے ایک قصبے میں ۲۹ر جولائی ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوا۔ مسولینی اطالیہ کا وزیر اعظم اور آمرِ مطلق تھا۔ علاّمہ اقبالؔ نے مسولینی سے ۲۷ر نومبر ۱۹۳۱ء کو ملاقات کی تھی اور اٹلی کی ترقی کے لیے چند مشورے بھی دیے تھے۔ اقبالؔ مسولینی سے متاثر بھی ہوئے لیکن اس وقت تک مسولینی کی انتہا پسندانہ توسیعی سرگرمیاں ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ اطالوی قوم فاشی پارٹی کے پرچم تلے منظّم ہو رہی تھی' ایسی حالات میں اقبالؔ کا مسولینی کی انقلابی شخصیت سے متاثر ہونا تعجب انگیز نہ تھا۔ آلِ احمد سرور کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ مسولینی میں Devil اور Saint کی خصوصیات جمع ہوگئی ہیں۔ (اقبال نامہ' ص:۵۷۰) انھیں مسولینی کی نگاہ میں ناممکن البیان تیزی نظر آئی جسے انھوں نے ''شعاعِ آفتاب'' سے تعبیر کیا۔ (کلیات' اُردو' ص:۴۸۰۔۴۸۱) مسولینی کی طرح اقبالؔ بھی قوت کے علمبردار تھے لیکن ان کا مطمحِ نظر مادی قوت کے بجائے اخلاقی اور روحانی قوت تھا۔ (اقبال نامہ' ص:۳۴۲) مسولینی ۲۶ر اپریل ۱۹۴۵ء کو گرفتار ہوا اور دو روز بعد مع اپنے ساتھیوں کے قتل کر دیا گیا۔

مآخذ: ۱) حق نواز (مرتب)''سفر نامۂ اقبالؔ''ص:۱۵۱

۲) جاوید اقبال' ڈاکٹر:''زندہ رود......حیات اقبالؔ کا اختتامی دور''ص:۵۲۰۔۵۲۱

۳) ''داستانِ مسولینی......آپ بیتی''ص:۱۵۔۳۶'۲۵۱

۳؎ ہٹلر (Adolph Hitler) (۱۸۸۹ء۔۳۰ر اپریل ۱۹۴۵) جرمن رہنما اور آمرِ مطلق ۱۹۱۲ء میں نازی تحریک کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۹ء تک جرمنی کا مطلق العنان حکمران تھا۔ ۱۹۴۲ء کے آخر میں ہٹلر کی فوجوں کو شکست ہونے لگی۔ بالآخر ۳۰ر اپریل ۱۹۴۵ء کو ہٹلر نے خودکشی کر لی۔

مآخذ: ۱) ''نقوش'' آپ بیتی نمبر' ص:۹۰۸۔۹۱۸

۲) مائیکل ہارٹ (مصنف) عاصم بٹ (مترجم): ''سو عظیم آدمی''، ص:۲۰۹۔۲۱۵

۴۔ ۱۸راگست ۱۹۳۵ء کو اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ اٹلی نے ابی سینا پر بلا وجہ حملہ کر دیا ہے۔ اقبالؔ کو اس پر شدید رنج ہوا۔ اس کا اظہار انھوں نے ''ضربِ کلیم'' کی دو نظموں میں کیا' پہلی نظم کا عنوان: ''ابی سینا'' ہے (کلیاتِ اردو' ص:۶۵۷)' دوسری نظم ''مسولینی'' (کلیات' اُردو' ص:۴۷۰۔۴۷۱)

۵۔ وہ صوفیانہ فکر جس کی تعلیم شنکراچاریہ نے دی' ویدانت کہلاتی ہے' اس کی رُو سے آدمی کی کامیابی کا راز اس میں مضمر ہے کہ وہ اپنی خودی کو خُدا میں فنا کر دے یا اپنی ہستی کو اس طرح مٹا دے جس طرح قطرہ سمندر میں مل کر اپنا وجود کھو دیتا ہے۔ ویدانت کی رُو سے گیان حاصل ہونے کے بعد اپاسنا (عبادت) کی ضرورت نہیں رہتی۔

۶۔ بُدھ مت کی بنیاد گوتم بدھ نے رکھی تھی' تیسر صدی قبل مسیح میں بُدھ مت ہندوستان کا مقبول ترین مذہب تھا' اس مذہب کا اصل الاصول یہ ہے کہ اَنا کا تصور ختم کر دو تا کہ دُکھ کا خاتمہ ہو جائے اسی کو نروان کہتے ہیں۔ مآخذ: سیتارام' پروفیسر'' تاریخ ہند (حصہ اول)''ص:۵۹۔۷۲

۷۔ ہلاکو خان (۱۲۱۷ء۔۱۲۶۵ء) نے ۱۲۵۸ء میں بغداد کو تاراج کیا۔ اس نے نہ صرف عباسی سلطنت کے مرکز کو تباہ کر کے مسلمانوں کی سیاسی قوت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا بلکہ صدیوں میں جمع ہونے والی علمی خزانے کو بھی نذرِ آتش کر دیا۔ شیخ سعدی شیرازی نے خلافتِ عباسیہ کے خاتمے اور بغداد کی تباہی پر ایک مرثیہ لکھا تھا جس کا ذکر اقبالؔ نے ''بانگ درا'' کی نظم ''صقلیہ'' میں یوں کیا ہے: Å نا کہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر (کلیات' اُردو' ص:۱۵۹)

۸۔ اقبالؔ نے قرآن مجید میں جہاد کے حکم کا جو حوالہ دیا ہے وہ درست نہیں فرضیتِ جہاد کے احکام البقرہ: ۱۹۱۔۱۹۳' ۲۱۶ اور التوبہ: ۴۱ میں نازل ہوئے جب کہ قتال کا حکم التوبہ ۵: ۳۶ میں دیا گیا ہے

۹۔ سیموئل ہور (Samuel Hoare) (۱۸۸۰ء۔۱۹۵۹ء) مختلف اوقات میں برطانیہ کے وزیرِ داخلہ' وزیر خارجہ اور وزیر ہند کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی جس تقریر کا حوالہ اقبالؔ نے دیا ہے غالباً یہ ۱۹۳۵ء میں کی گئی تھی۔ جب وہ برطانیہ کے وزیرِ خارجہ تھے۔

مآخذ: ا "Dictionary of National History, 1951-1960, P:487-489

۱۰۔ جمعیت اقوام (League of Nations)' یہ عالمی ادارہ جنگِ عظیم اوّل کے بعد یکم

جنوری ۱۹۲۰ء کومعرض وجود میں آیا۔مقصد وجود یہ تھا کہ اقوام عالم باہمی اختلافات وتنازعات کو جنگ و جدل کے بجائے صلح وآشتی سے طے کریں مگرادارے کی طاقت وررکن اقوام کے عدم تعاون کی بنا پر یہ مقصد پورا نہ ہوا۔لہٰذا ۱۹۴۶ء میں جمعیت اقوام ختم ہوگئی۔اس کا آخر اجلاس ۱۸/اپریل ۱۹۴۶ء کومنعقد ہوا تھا۔اس کا صدر مقام جنیوا تھا۔

مآ خذ:مجلّہ:''اقبال''جولائی ۱۹۸۸ء ص:۱۸۱۔

۱۱؎ Collective Security یعنی اجتماعی تحفظ ۔ وہ نظام جس کے ذریعے دنیا کے تمام ممالک کی آزادی اور علاقائی حدود کی حفاظت کا اجتماعی طور پر اہتمام کیا جاتا ہے۔جمعیت اقوام کے پس منظر میں بھی یہ اصول کام کررہا تھا اور انجمن اقوام متحدہ کے چارٹر میں بھی اس اصول کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' اجتماعی تحفظ کے نظام کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تمام ممالک انفرادی طور پر ان فیصلوں کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں جو امن کے قیام کے لیے اجتماعی طور پر کیے جائیں لیکن عملاً ایسا ممکن نہیں ہوسکا۔ مآ خذ:مجلّہ:''اقبال''جولائی ۱۹۸۸ء ص:۱۸۱۔

بنام محمد رمضان عطائی

تعارف:

محمد رمضان عطائی سینئر انگلش ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ڈیرہ غازی خان کے نام ہے۔

ایک دفعہ مولوی محمد ابراہیم صاحب (سب جج گوجرانوالہ) نے اقبالؔ کی مندرجہ ذیل رباعی:

تو غنی از ہر دوعالم من فقیر　　　روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
درحسابم را تو بینی ناگزیر　　　از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

محمد رمضان صاحب کے سامنے پڑھی۔ رمضان صاحب صوفی منش آدمی تھے۔ان کے دل پر رباعی کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ گر پڑے چوٹ کھائی اور بے ہوش ہوگئے۔اس کے بعد وہ اقبالؔ کے مکان پر گئے اور التجا کی یہ رباعی انھیں بخش دی جائے۔انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ وصیت کریں گے کہ ان کے مرنے کے بعد یہ رباعی ان کی لوحِ مزار پر لکھ دی جائے۔ان کی اس عقیدت کے پیش نظر اقبالؔ نے رباعی انھیں بخش دی اور اسے اپنے کلام میں شامل نہیں کیا۔اس کی بجائے اقبالؔ نے ایک اور رباعی کہی جو''کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۹۷۷ پر موجود ہے۔

بے پایاں چو رسد ایں عالم پیر　　　شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر

مکن رسوا حضور خواجہ مارا　　　حساب من زِ چشم اُونہاں گیر

(ب۔ا۔ڈار‘ص:۲۲۲‘۲۲۳)

(۱۶۱)

لاہور ۱۹ر فروری ۳۷ء

جناب من۔ مَیں ایک مدت سے صاحب فراش ہوں۔ خط و کتابت سے معذور ہوں۔ باقی شعر کسی کی ملکیت نہیں‘ آپ بلا تکلف وہ رباعی جو آپ کو پسند آ گئی ہے اپنے نام سے مشہور کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ والسلام [i]

محمدؐ اقبال لاہور

تحقیق متن:

''اقبال نامہ‘اول'' (ص:۲۵۵۔۲۵۶) میں یہ خط مع عکس شامل ہے۔[i] ''انوار'' میں ''والسلام'' نہیں ہے‘ ''اقبال نامہ'' میں لفظ ''فقط'' ہے جو عکس کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

بنام حکیم راغب مراد آبادی

تعارف:

نام: اصغر حسین اور تخلص: راغب۔ ۱۹۱۸ء میں شاہ جہاں آباد (دہلی) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی تاریخ ولادت قرآن مجید کی آیت ھذٰا مِن فَضلِ رَبیّ سے نکالی ہے۔ آیت کے اعداد ۱۹۱۸ء ہیں۔ ابتدائی تعلیم مراد آباد‘ شملہ اور دہلی میں ہوئی۔ بی۔اے‘ ادیب فاضل‘ منشی فاضل کے بعد طبِ یونانی کی سند بھی لی لیکن مطب کرنے کے بجائے گورنمنٹ کی ملازمت کر لی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آ گئے۔ ۱۹۸۰ء میں حکومت سندھ سے افسرِ تعلقاتِ عامہ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ اُردو اور فارسی میں شعری مجموعے منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ متعدد اخبار و رسائل سے وابستگی رہی۔

مآخذ: ۱) راغب مراد آبادی (مرتب): ''خطوطِ جوش ملیح آبادی''‘ ص:۲۱۳۔۲۱۴

۲) زاہد حسین انجم: ''ہمارے اہلِ قلم''‘ ص:۲۱۵۔۲۱۶

(۱۶۲)

لاہور

۲۹؍جولائی ۱۹۳۷ء

جنابِ من۔ آپ کے خط کا مدلل جواب طویل ہے۔ افسوس کہ مَیں علالت طبع کے باعث طویل خط نہیں لکھ سکتا۔ مختصراً میری رائے یہ ہے کہ کانگریس[۱] میں مسلمانوں کی غیر مشروط شمولیت اسلام اور مسلمان دونوں کے لیے مضر ہے۔

محمدؐ اقبالؔ

حواشی تعلیقات:

۱؎ کانگریس (انڈین نیشنل کانگریس): بھارت کی سیاسی جماعت ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی۔ بنیادی مقصد ہندوستان کو آئینی ذرائع سے درجۂ نوآبادیات دِلوانا تھا۔ جب یہ جماعت خالصتاً ہندوؤں کے حقوق کے تحفظ کی امین بن گئی تو مسلمانوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک علیحدہ جماعت مسلم لیگ کی ۱۹۰۶ء میں بنیاد رکھی۔

بنام مولوی عبدالحق

تعارف:

مولوی عبدالحق ۱۸۶۹ء میں ہاپوڑ (ضلع میرٹھ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ سے بی۔اے کر کے حیدرآباد میں محکمۂ تعلیم سے وابستہ رہے۔ اس زمانے میں انھوں نے ایک رسالہ ''افسر'' کی ادارت بھی کی۔ پھر ان کو اورنگ آباد میں ناظمِ تعلیمات کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد پہلے ناظم دارالترجمہ اور پھر صدر شعبۂ اردو مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں مولوی صاحب نے انجمن ترقی اُردو کی سکرٹری شپ سنبھالی، جس کے نتیجے میں انجمن کا دفتر علی گڑھ سے اورنگ آباد منتقل ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں ریٹائر ہوئے تو اقبالؔ نے ان کو مشورہ دیا کہ اُردو کی اشاعت اور ترقی کے لیے ان کا دِلّی میں نقل مکانی کرنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ وہ اورنگ آباد

سے دہلی چلے گئے۔اقبال مولوی عبدالحق کی اُردو تحریک کو اس تحریک سے کم نہیں سمجھتے تھے، جس کی ابتدا سرسید احمد خان نے کی تھی۔ چنانچہ اقبال کی خواہش پر ۱۹۳۶ء میں مولوی صاحب کو انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لیے لاہور بلایا گیا اور ساتھ ہی یوم اُردو کی تقریب بھی منعقد کی گئی۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں انجمن ترقیِ اُردو کا دفتر قائم کیا، اُردو کالج کی بنیاد رکھی۔۱۹۶۱ء میں انتقال کیا۔

مولوی صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں ''انگریزی اُردو ڈکشنری''، ''قواعدِ اُردو''، ''ملا نصرتی''، ''دکنی مخطوطات''، ''مقدمات''، ''شذرات''، ''سرسید خان''، ''مولانا حالی''، ''اُردو کی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام''اور ''مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر'' قابلِ ذکر تصانیف ہیں۔

مآخذ: ۱) نظر حیدرآبادی: اقبال اور حیدرآباد، ص: ۲۱۵۔۲۱۸

۲) مختار الدین احمد: ''عبدالحق'' ۱۹۹۲ء

۳) معین الرحمٰن، سید، ڈاکٹر: بابائے اردو، خدمات اور فرمودات، ص: ۲۸۵۔۲۹۴

۴) ممتاز حسن: ڈاکٹر (مرتب): اقبال اور عبدالحق، ص: ۹۔۴۰

(۱۶۳)

جاوید منزل، لاہور

۱۵/ مارچ ۳۸ء

ڈیر مولوی صاحب

سلام مسنون۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہو گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سارٹن کی انگریزی کتاب مقدمہ تاریخ سائنس کا ترجمہ نیازی[۱] صاحب آپ کے لیے اُردو میں کر رہے ہیں۔ میں نے ترجمے کا ایک حصہ خود بھی دیکھا ہے۔نصف سے زیادہ کتاب کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ چونکہ گذشتہ چار پانچ برس سے نیازی صاحب کے حالات اچھے نہیں رہے اس لیے وہ باطمینان ترجمے کا کوئی حصہ آپ کو نہ بھیج سکے۔ ترجمہ اب صاف ہو رہا ہے اور نیازی صاحب نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اپریل سے ماہ بماہ آپ کی خدمت میں پہنچا تا رہے گا۔ نیازی صاحب آپ کی مدد کے مستحق ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں آپ انھیں تھوڑا سا وقت

اور دیجیے تا کہ وہ اطمینان کے ساتھ ترجمے کی اقساط آپ کو بھیج سکیں۔والسلام
مخلص
محمدؐ اقبالؔ

تحقیق متن: یہ خط ''اقبال اور عبدالحق'' (ص:۵۳) میں بی شامل ہے۔ زیرِنظر خط کا عکس اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی وتعلیقات: ا؎ دیکھیے خط نمبر ۸۰، تعلیقہ نمبر ۲

بنام احمد اللہ خاں منصور حیدر آبادی

تعارف: آپ نقاشِ سیرت محمد احمد اللہ خاں منصور کے نام سے مشہور تھے اور انھیں منصور حیدر آبادی بھی پکارا جاتا تھا۔ادبی حلقوں میں نیز علمائے وقت کی نظروں میں ایک باعزت مقام کے حامل رہے۔ان کی کتاب ''برکاتِ عثمانی'' آصف صابع کے بے مثال کارناموں اوراس دور کے امراورؤسا و نیز دفاتر کے قیام و نظم نسق پر ایک مستند دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔ان کی دیگر اہم تصانیف میں ''جوہر توانائی'' (ایٹم بم) ''ترکی خاتون کا احسانِ عظیم (باتصویر) ''کالج کے ہیرے'' (باتصویر) ''ہندو بیوہ کی اپیل''، ''بیدر کا ظالم ہمایوں''، مقامِ اعراف'' (ڈاکٹر سر اقبال) وغیرہ۔مآخذ: کلیاتِ مکاتیب، چہارم: ۸۴۸

(۱۶۴)

لاہور
۲۱ر ستمبر ۱۹۳۲ء
جنابِ من۔تسلیم

آپ کا والا نامہ مع پارسل کُتب ابھی موصول ہوا ہے۔افسوس کہ گزشتہ دو سال سے علیل ہوں۔مشاغلِ علمی قریباً ترک ہو چکے ہیں اور خط و کتابت بھی شاذ ہی کرتا ہوں۔فی الحال آپ کی کتابیں پڑھنے کی ہمت اپنے آپ میں نہیں پاتا۔مَیں آپ کی نظم و نثر کو اچھی نظروں سے دیکھتا ہوں۔فقط
محمدؐ اقبالؔ

بنام فرید احمد صاحب

تعارف:

مولوی فرید احمد نظامی، حضرت بابا فرید گنج شکر کی اولاد میں تھے۔ وہ امروہہ، ضلع مراد آباد کے باشندے تھے۔ ان کے والد ارشاد علی نظامی ۱۸۴۶ء سے صوبہ پنجاب کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ مولوی فرید احمد نظامی جھانسی، میرٹھ وغیرہ میں سب رجسٹرار رہے۔ وہ سر سید کی تحریک کے بڑے حامی، وسیع المطالعہ اور روشن خیال انسان تھے۔ ۱۹۴۱ء میں میرٹھ ہی میں انتقال ہوا، درگاہ شاہ ولایت میرٹھ میں دفن ہوئے۔ (''کلیاتِ مکاتیب، اول''، ص: ۱۰۲۱)

(۱۶۵)

مکرم بندہ

السلام علیکم

افسوس ہے کہ مجموعہ ابھی تک تیار نہیں ہوا۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

بیرسٹر لاہور

۱۳/ جولائی ۱۹۱۷ء

بنام تلوک چند محروم

تعارف:

تلوک چند محروم ۱۸۸۷ء میں عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں ٹریننگ کالج لاہور سے جے اے وی کر کے مشن ہائی اسکول ڈیرہ غازی خان میں مدرسی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد عیسیٰ خیل اور کلور کوٹ میں پڑھاتے رہے، اسی اثناء میں بی۔ اے بھی کر لیا۔ ۱۹۴۳ء میں گارڈن کالج راولپنڈی میں اُردو فارسی کے لیکچرر ہو گئے۔ تقسیم کے بعد دہلی چلے گئے۔ پہلے روز نامہ ''تیج'' میں رہے پھر پنجاب یونی ورسٹی کیمپ کالج دہلی میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ دہلی میں انتقال کیا۔ ۱۹۲۹ء میں مجموعۂ کلام ''گنجِ معانی'' کے نام سے چھپا۔ اس کے علاوہ کئی مجموعے شائع

ہوئے مثلاً ''مہرشی درشن'' رباعیاتِ محرومؔ''، ''کاروانِ وطن'' ''بہارِ طفلی''، ''شعلہ نوا''، ''کلامِ نیرنگِ معانی'' اور ''بچوں کی دنیا'' وغیرہ۔ اقبال سے انھیں خاص عقیدت تھی۔ معروف اقبال شناس جگن ناتھ آزادؔ محرومؔ کے فرزند ہیں۔ اقبالؔ ڈاکٹریٹ اور بیرسٹری کی تکمیل کے بعد جولائی ۱۹۰۸ء میں یورپ سے لوٹے تو ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے محرومؔ نے ''اسلام و پیام'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی۔ یہ نظم رسالہ ''مخزن'' (نومبر ۱۹۰۸ء) میں شائع ہوئی۔ اقبالؔ نے یہ نظم دیکھی تو محرومؔ کو شکریے کا خط لکھا۔

مآخذ: ۱) رفیع الدین ہاشمی ڈاکٹر: ''خطوط اقبالؔ''ص:۱۰۴

۲) خدابخش لائبریری، پٹنہ: ''جدید غزل گو''، ص:۲۲۳

۳) ''نقوش'' خاص نمبر ۱۹۶۷ء ص:۱۵۶۔۲۳۱

۴) ''نقوش'' آپ بیتی نمبر ص:۱۱۰۸۔۱۱۱۲

(۱۶۶)

مکرم بندہ جناب تلوک چند صاحب محرومؔ

آپ کا پیام وسلام رسالہ مخزن میں میری نظر سے گزرا۔ جس حُسنِ ظن کا اظہار آپ نے ان اشعار میں کیا ہے اس کے لیے مَیں آپ[i] کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ مَیں آپ کی نظمیں مخزن میں پڑھتا رہا ہوں۔ ماشاء اللہ خوب طبعیت پائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تھوڑے عرصے میں تمام شعر کہنے والوں[ii] میں آپ کا نمبر اول ہوگا۔

افسوس ہے کہ مَیں بوجہ مصروفیت فی الحال شعر گوئی سے محروم ہوں۔ خُدا آپ کی جولانیِ طبع کو اور زیادہ کرے۔ والسلام

محمدؐ اقبالؔ بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور

۴ر جنوری ۰۹ء

تحقیقِ متن:

زیرِ نظر خط ''خطوط اقبالؔ'' (ص:۱۰۴، ۱۰۵) میں بھی شامل ہے۔ i خطوط اقبالؔ: لفظ ''آپ'' زاید ہے۔ ii خطوطِ اقبالؔ: لکھنے والوں

بنام سرور شاہ گیلانی

سید سرور شاہ گیلانی نے ایک ہفتہ وار اخبار ''مسجد'' جاری کیا' جس پر اقبال نے انھیں ایک خط لکھا (۱۹۳۵ء)[i]۔ یہ خط علاّمہ شبیر احمد عثمانی اور سید صفدر شاہ گیلانی کے مرتب کردہ ایک کتابچہ موسوم بہ ''خطبہ عیدالفطر اور تحریک تنظیم مساجد کا دینی پروگرام'' سے ماخوذ ہے۔ یہ کتابچہ سید سرور شاہ گیلانی ایڈیٹر ''الجماعت'' صدر کراچی نے شائع کیا تھا۔ حضرت علاّمہ کے علاوہ قائداعظم' علاّمہ مشرقی' مولانا ظفر علی خان' مولانا عبیداللہ سندھی اور دیگر حضرات کے پیغامات بھی اس کتابچے میں شائع ہوئے تھے۔ حضرت علاّمہ کا پیغام درج کرنے سے پہلے سید سرور شاہ گیلانی نے یہ نوٹ لکھا ہے۔

''۱۹۳۶ء میں جب تحریک تنظیمِ مساجد کے سلسلے میں راقم الحروف نے لاہور سے اخبار 'مسجد' جاری کیا تو علاّمہ اقبال نے یہ پیغام تحریک تنظیم مساجد کے سلسلے میں ارسال فرمایا: (مآخذ: جعفر بلوچ: ''اقبال کے چند نوادر'' رسالہ ''سیارہ'' اقبال نمبر اجون ۱۹۹۲ء لاہور ص:۴۳۶)

(۱۶۷)

مجھے یہ سن کر دلی مسرت ہوئی[ii] کہ آپ مساجد کی تنظیم کے سلسلے میں ہفت روزہ[iii] اخبار ''مسجد'' شروع کر رہے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی فلاح و تنظیم کے لیے اس سے بہتر اور کوئی دستورالعمل نہیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

محمدؐ اقبال[iv]

تحقیق متن:

i سید سرور شاہ گیلانی کی تحریر کے پیش نظر اس کا سنہِ تحریر ۱۹۳۶ء ہوسکتا ہے ii انوار = مسرت محسوس ہوئی ہے کہ۔ iii انوار = ہفتہ وار iv ''انوار'' میں محمدؐ اقبال' درج نہیں ہے۔

بنام میر غلام بھیک نیرنگ

تعارف: دیکھیے خط نمبر ۳' تعلیقہ نمبر ا

ڈیر میر صاحب۔ السلامُ علیکم

والا نامہ ملا۔ بڑی خوشی سے[1] وہ مراسلت کریں۔ منوّرالدین کے مقدمے کی کل کچی پیشی تھی مگر ملتوی ہوگئی۔ دو چار روز میں پھر پیشی ہوگی۔

اُمید ہے جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمدؐ اقبالؔ لاہور

۱۳/اکتوبر ۲۱ء

تحقیقِ متن:

خط کا اصل متن اقبالؔ اکادمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حواشی وتعلیقات:

[1] زیرِ نظر خط میں میر غلام بھیک نیرنگؔ نے اقبالؔ کو لکھا کہ پیرزادہ ابراہیم حنیف ان سے مراسلت کرنا چاہتے ہیں۔ میر صاحب نے اقبالؔ کے اسی خط پر اپنی طرف سے چند فقرے لکھ کر ابراہیم حنیف کو بھیج دیا کہ اب آپ براہِ راست مراسلت کر کے معاملے طے کر لیں۔

(''انوار'' ص:۲۴۳)